حاصلِ مراد

یعنی آداب شاگرد و استاد

ترجمہ و تلخیص

مُنیۃُ المُرِیدِ فِی اَدَبِ المُفِیدِ وَالمُستَفِید

مولانا سید تلمیذ حسنین رضوی

ناشر
تنظیم المکاتب
گولہ گنج، لکھنؤ۔۱۸

حاصل مراد

یعنی آداب شاگرد و استاد

ترجمہ

المراد من منیۃ المرید

تالیف

الشیخ زین الدین بن علی العاملی المعروف بالشہید الثانی

سنہ ۹۱۱ھ تا ۹۶۵ھ

ترجمہ و تلخیص

مولانا سید تلمیذ حسنین رضوی

ناشر

تنظیم المکاتب

گولہ گنج، لکھنؤ۔۱۸

کتاب کا نام ....حاصل مراد یعنی آداب شاگرد و استاد

ترجمہ المراد من منیة المرید فی ادب المفید و المستفید

مولف ....شہید ثانیؒ

مترجم ....سید تلمیذ حسنین رضوی

کمپوزنگ ....محمد سرور رضوی

سنہ طباعت ....فروری ۲۰۱۱ء

تعداد ....ایک ہزار

مطبوعہ ....اے۔بی۔سی آفسیٹ پریس۔دہلی

ناشر ....تنظیم المکاتب، گولہ گنج لکھنؤ، ۱۸

قیمت ....

100/-

فہرست

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض تنظیم

رب کائنات نے انسان کو نفس کے ساتھ عقل دے کر ساری مخلوقات پر فضیلت دی اور عقل کی حکومت نفس پر قائم رکھنے کے لئے دین کے ذریعہ ہدایت دی۔ عقل کو تعلیم کا ہتھیار دیا تو اس ہتھیار کو بے جا استعمال سے روکنے کے لئے تعلیم سے پہلے تربیت کا نظام بنایا۔

دنیا نے اس نظام کو توڑ دیا اور صرف تعلیم کے پیچھے لگ گئی نتیجہ یہ ہوا کہ ایٹم بم بنا جس نے ایک لحہ میں لاکھوں کی جان لے لی اور تربیت کے بغیر تعلیم نے ایک سے بڑھ کر ایک خطرناک اسلحے تیار کر دئے جس میں سب سے خطرناک وہ Western Culture ہے جو کبھی فیشن تو کبھی آزادی کے نام پر انسانیت کو نیست و نابود کر رہا ہے۔

ہندوستانی نظام تعلیم بھی جہاں اسلام سے پہلے اخلاقیات جزو تعلیم تھے اس یلغار سے نہ بچ سکا۔ حتیٰ کہ دھیرے دھیرے مدارس دینیہ سے بھی درس اخلاق کے ساتھ نظام تربیت عنقا ہو گیا۔

البتہ اب انقلاب اسلامی کے بعد مدارس دینیہ میں ایک تحول پیدا ہوا ہے اور مدارس دینیہ کے سربراہوں نے اخلاق و حدیث و تاریخ و عقائد جیسے لازمی علوم کی طرف توجہ کی ہے۔

تعلیم اخلاق کی دنیا میں منیۃ المرید شہید ثانی زین الدین عاملی متوفی ۹۶۵ھ۔ ایک انتہائی درجہ مقبول اور کامیاب کتاب ہے جس کی تلخیص المراد من منیۃ المرید کے نام سے سید محمد رضا طباطبائی نے کی اور موسسہ انتشارات دار العلم، قم نے شائع کی۔

میں نے کتاب کی ضرورت اور افادیت کے پیش نظر اپنے بزرگ دوست مولانا سید تلمیذ حسنین صاحب سے اس کے ترجمہ کے لئے گذارش کی، جنھوں نے تفسیر صافی کے ترجمہ میں مصروف ہونے کے باوجود میری گذارش کو قبول کرلیا۔

ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ خود فیصلہ کریں گے کہ مولانا کو ترجمہ میں ایسی مہارت حاصل ہے کہ اگر کتاب کے سرورق پر ترجمہ نہ لکھا ہو تو اکثر زبان کی سلاست و روانی کے باعث اسے ترجمہ نہ سمجھا جائے۔

مولانا سید تلمیذ حسنین صاحب اس دور فقدان میں ایک نعمت ہیں۔ کتاب خرید کر الماری میں سجانے کے نہیں، پڑھ کر رکھنے کے قائل ہیں۔ ذوق مطالعہ کے ساتھ حافظہ کی نعمت بھی ملی ہے، کسی علمی تذکرے کے بعد اس بے چینی اور تیز رفتاری سے کتاب نکال کر صفحہ کھولتے ہیں جیسے نماز قضا ہو رہی ہو۔

اللہ ان کو سلامت رکھے اور ہمارے درمیان اہل علم کی تعداد میں اضافہ کرے۔

ادارۂ تنظیم المکاتب اردوداں طبقے کے لئے نصاب مطالعہ کے ایک جزء کے طور پر اس کتاب کو شائع کر رہا ہے۔

امید ہے کہ یہ کتاب تمام مومنین بالخصوص طلاب مدارس دینیہ کے کام آئے گی۔

والسلام

سید صفی حیدر

سکریٹری

۱۸؍ذی الحجہ الحرام ۱۴۳۱ھ

شہید ثانیؒ کی مختصر سوانح حیات

سید محمد علی اسد رضوی

قرطاس تاریخ پر شہادتوں کی سرخ داستانوں میں سے یہ وہ داستان ہے جسے قلمبند کرنے کے لئے صاحب قلم ہونا ہی نہیں بلکہ نگاہ بصیرت کے ساتھ علم وعمل کی زینت اور روح کی طہارت بھی شرط ہے۔ کیونکہ آپ کے آغاز طفولیت سے لے کر لحظۂ شہادت تک زندگی کا ہر ایک ورق اس گوہر نایاب کے مانند ہے جس کی قیمت لگانا ہر کس و ناکس کے بس میں نہیں ہے۔ لہٰذا اس قاعدہ کے تحت کہ: "آب دریا را اگر نتواں کشید، ہم بقدر تشنگی باید چشید" چند سطریں پیش خدمت ہیں۔

شہید ثانیؒ آسمان علم و معرفت کے وہ تابناک ستارے ہیں جنھوں نے اپنی بابرکت زندگی میں دنیائے علوم و فنون کے مختلف حصوں کو اپنے متعدد قلمی آثار کے ذریعہ جو رونق بخشی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ کیونکہ ایک طرف آپ کی تقریباً ۵۵ رسالہ مختصر حیات اور اس میں بھی علوم اہل بیتؑ کو دنیا کے مختلف خطوں سے حاصل کرنے نیز ان کی نشر و اشاعت کی غرض سے دور دور کے مسلسل سفر اور ان کی صعوبتوں کو برداشت کرتے رہنا اور ساتھ ہی بارگاہ الٰہی میں شب زندہ داری اور عبادت و ریاضت کی اس کیفیت کو برقرار رکھنا جو ایک بندۂ خالص کے شایان شان ہے اور دوسری طرف طب، ہیئت، فلسفہ، ریاضیات، عربی ادب، عقائد اور فقہ جیسے نہ جانے کتنے علوم میں آپ کی بیش بہا تحریریں (اگرچہ افسوس کہ ان میں سے بہت سے آثار حادثات زمانہ کی نذر ہو چکے ہیں، لیکن) ان تمام پہلوؤں پر نگاہ ڈالنے کے بعد ہر ذی شعور یہ اقرار کرنے پر مجبور ہوتا ہے کہ یہ وہ توفیق الٰہی ہے جس کا حساب ظاہری اعداد و شمار سے نہیں لگایا جا سکتا ہے۔

نام و نسب: زین الدین بن نور الدین علی بن احمد بن محمد بن جمال الدین بن تقی بن صالح بن مشرف عاملی جبعی ،المعروف ''شہید ثانی''

ولادت: ۱۳رشوال المکرم ۹۱۱ ھ لبنان کے جبع نامی قریہ میں

شہادت: روز جمعہ، ماہ رجب ۹۶۵ یا ۹۶۶ ھ، بمقام قسطنطنیہ

خاندان: آپ کی ذات والاصفات خاندانی اعتبار سے بھی ان کم نظیر شخصیتوں میں سے ہے، جن کے نہ صرف اسلاف کی کئی پشتیں بلکہ بعد کی نسل میں بھی سلسلہ وار ایسی ہستیاں گذری ہیں جو اپنے زمانہ میں مرجع خلائق اور نادر روزگار رہی ہیں اسی وجہ سے آپ کے اس پاکیزہ خاندانی سلسلۂ فقاہت کو ''سلسلۃ الذہب'' کہا گیا ہے۔

آغاز حیات: بچپن ہی سے آپ کے چشم وابرو سے ذہانت اور روشن مستقبل کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں چنانچہ نقل ہوا ہے کہ نو سال کا عرصہ پورا ہونے سے پہلے ہی آپ نے تعلیم قرآن کو مکمل کر کے اپنے والد ماجد کے حضور میں فنون عربی اور علم فقہ کی تعلیم کا آغاز کیا لیکن قضائے الٰہی سے ابھی سن بلوغ کو بھی نہیں پہونچے تھے کہ (۹۲۵ ھ میں) باپ کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا اور قسمت نے داغ یتیمی سے بھی آپ کو محروم نہ رکھا۔

آغاز سفر: باپ کی جدائی کا داغ دل پہ ضرور تھا لیکن وہ عزم وحوصلہ کا کوہ گراں کہ جس نے آغاز حیات ہی سے اپنے مولا وآقا کے ہاتھوں پہ مذہب کی خدمت اور پاسداری کی بیعت کر لی ہو بھلا کیونکر اپنے پائے ثبات میں لغزش پیدا ہونے دیگا چنانچہ تعلیمی سلسلہ میں ذرہ برابر خلل واقع نہ ہونے دیا اور اسی سال یعنی ۹۲۵ ھ میں تحصیل علم کی غرض سے اپنے وطن سے ''میس'' نامی قریہ کی جانب ہجرت کی، گویا یہ آپ کی زندگی کا پہلا تعلیمی سفر تھا۔

دوسرا سفر: ''میس'' میں آپ نے اس وقت کے فاضل استاد علی بن عبد العالی کرکی سے تقریباً آٹھ سال (۹۲۵ سے ۹۳۳ ھ تک) کسب فیض کیا اور ''شرائع الاسلام''، ''ارشاد الاذہان'' اور ''قواعد الاحکام'' کے دروس حاصل کئے۔ آٹھ سال کی مسلسل جانفشانی کے بعد آپ نے علوم و معارف کے خزانوں کو مزید حاصل کرنے اور ان سے کسب فیض کرنے کی غرض سے ''میس سے'' ''کرک نوح'' کی جانب کوچ کیا جہاں آپ کے بعض بزرگ خاندان بھی موجود تھے۔ وہاں آپ صاحب ''مہجۃ البیضاء'' یعنی

سید حسن بن سید جعفر سے آشنا ہوئے چنانچہ عربی ادب، فقہ اور حدیث کے علوم حاصل کرنے کے لئے آپ نے ان کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔

وطن واپسی: اسی دوران آپ شیخ علی میسی (جو آپ کے خالو تھے) کی دختر نیک اختر سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ تقریباً بارہ سال عالم غربت میں گذارنے کے بعد بالآخر وطن کی محبت نے دل میں کروٹیں لینا شروع کردیں۔ چنانچہ ۹۳۴ھ میں آپ اپنی جائے ولادت (جبع) واپس آئے اور ۹۳۷ھ تک وہیں قیام پذیر رہے لیکن اس دوران بھی نہ صرف یہ کہ درس ومباحثہ سے غافل نہیں رہے بلکہ اس کے علاوہ دور دراز سے آنے والے لوگوں سے ملاقات، ان کی حاجت روائی اور ان کے دینی مسائل کو حل کرنا آپ کا روز وشب کا مشغلہ تھا۔ لوگ شوق دیدار میں شمع کے گرد پروانوں کے مانند آپ کا حلقہ کئے اپنے دل کی کہانیاں سنایا کرتے اور آپ ان کے دکھ درد میں برابر کے شریک رہ کر حسب ضرورت ان کی مدد فرمایا کرتے تھے۔

وہ دریائے علوم آل محمدؐ کا غوطہ ور جس نے اپنے عیش وآرام اور شہرت ومقام کی پرواہ کئے بغیر صرف اس فرمان کے سایہ میں "کہ علم حاصل کرو چاہے چین جانا پڑے"، زندگی کی راہ ہموار کی ہو، کیونکر کسی ایک مقام پر ٹھہر سکتا ہے چنانچہ ۹۳۷ھ میں آپ دوبارہ سامان سفر باندھ کر دمشق کے لئے روانہ ہوگئے۔

دمشق میں آپ نے ایک سال سے زیادہ قیام کیا اور اس دوران وقت کے مشہور محقق اور فیلسوف استاد شمس الدین محمد بن مکی سے فلسفہ، ہیئت، طب اور قراءات قرآن کے علوم حاصل کئے۔

دمشق سے مصر: آپ ایک آزاد فکر انسان تھے چنانچہ مختلف علمی اور ثقافتی مراکز اور ان کی تہذیب سے آشنائی پیدا کرنے کے لئے آپ نے مصر کا سفر کیا کیونکہ مصر اس زمانہ کے مختلف اسلامی علمی مرکزوں میں سے تھا۔ چنانچہ مورخین کا کہنا ہے کہ وہاں تقریباً اٹھارہ مہینے قیام کے دوران آپ نے اتنا علمی مواد اکٹھا کرلیا تھا جسے ایک چوتھائی صدی میں بھی جمع کرنا مشکل ہے۔

ظاہر ہے کہ آپ اس علمی مرتبہ پہ فائز تھے کہ موجودہ رائج علوم حاصل کرنے کے لئے کسی درس میں حاضر ہونا یا اس غرض سے کسی استاد کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا ہے بلکہ آپ کا مصر کا دورہ اولاً مختلف ماہرین فن سے ان علوم کو سیکھنے کی وجہ سے تھا جو دوسری جگہ کماحقہ موجود نہیں تھے۔ ثانیاً مختلف فرق ومذاہب کے آراء ونظریات سے آشنائی پیدا کرکے حق وناحق کی تشخیص دینے کی غرض سے

تھا۔ اسی وجہ سے آپ اس دوران منعقدہ مختلف علمی نشستوں اور مباحثوں میں شرکت کرتے اور صاحبان نظر سے تبادلۂ خیال فرماتے رہتے تھے۔

آپ کے اس سفر کے دوران چند نکات توبہ کے ساتھ قابل ذکر ہیں:

۱۔ آپ کا یہ سفر ۹۴۳ھ یا ۹۴۴ھ میں واقع ہوا اور وطن سے مقصد تک پہونچنے میں تقریباً ایک ماہ کی مدت درکار ہوئی۔

۲۔ دوران سفر آپ سے متعدد کرامتیں ظاہر ہوئیں جیسے آپ ہی کے شاگرد ابن العود نے بیان کیا ہے۔

۳۔ آپ کے ان تمام سفر کے اور گھریلو اخراجات کی ذمہ داری الحاج شمس الدین محمد بن بلال نامی شخص نے لی تھی۔ مذکورہ خیز خواہ شخص کے سلسلہ میں تاریخ میں کوئی تفصیل ہیں ملتی ہے البتہ حالات شہید ثانیؒ میں اتنا ضرور موجود ہے ۹۵۲ھ یا ۹۵۶ھ میں یہ مومن مع اپنی بیوی بچوں کے (جن میں ایک شیر خوار بھی تھا) شہید کردیئے گئے۔

۴۔ آپ کی خدمت میں یہ عرض کردوں کہ وہ دور آج کے متعصب دور جیسا نہیں تھا بلکہ اہل سنت کا شیعہ علماء سے کسب فیض کرنا اور شیعوں کا اہل سنت اساتذہ کے دروس سے استفادہ کرنا ایک رائج طریقہ تھا نہ تو اس میں کوئی عیب تصور کرتا تھا اور نہ کسر شان۔ چنانچہ مصر کا ماحول ایسا ہی تھا بلا تفریق مذہب ہر قسم کے اساتذہ موجود تھے۔ شہید ثانیؒ جو خود ایک انصاف پسند اور آزادانہ فکر کے حامل تھے اپنے بعض مصری اساتذہ کا ذکر کرنے کے بعد ان کی کافی تعریف و تمجید فرماتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی شخصیت تمام مسلک کے پیرووں کے نزدیک مقبول اور قابل احترام تھی اور آپ حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے ہر ایک کے مذہب کے حساب سے ایسے فتوے دیتے تھے۔

مصر سے حجاز اور حجاز سے وطن: چونکہ آپ کے سفر کی ایک طولانی فہرست ہے اور اس مختصر نوشتہ میں ساری تفصیلات بیان کرنا ممکن نہیں ہے لہٰذا اسے خلاصہ اور اشارہ کے طور پر آپ کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔

۱۷ ارشوال ۹۴۳ھ میں آپ مصر سے حجاز کی جانب روانہ ہوئے۔ وہاں آپ نے حج و عمرہ و زیارات مقامات مقدسہ سے شرفیاب ہونے کے علاوہ ایک سال تک اپنے علمی مشاغل کو بھی برقرار رکھا۔ اسی دوران

آپ کے وطن والوں کے شدید اصرار کی بنا پر ماہ صفر ۹۴۴ھ میں دوبارہ اپنے وطن واپس آ گئے۔اس وطن واپسی کی منظر کشی تو نہیں کی جا سکتی ہے۔بس یوں سمجھئے کہ آپ کا وجود باران رحمت کے مانند تھا جو برسوں خشک زمین پر برس کر اسے سیراب کر دے چنانچہ آپ کے وجود سے وہ گئی ہوئی رونق واپس ہو گئی جو چند سال کے فاصلہ میں پیدا ہو گئی تھی۔بس اس مرتبہ اپنے وطن میں مقیم رہے۔البتہ اس دوران زیارت عتبات عالیات (عراق) اور بیت المقدس وغیرہ سے بھی شرفیاب ہوئے۔

مشرقی روم اور قسطنطنیہ: شہید ثانیؒ کے وجود میں حصول علم کے ساتھ نشر علوم اہل بیتؑ کا بھی جذبہ پایا جاتا تھا لہٰذا اسی مقصد کے تحت آپ نے مذکورہ سفر کا آغاز کیا۔وہاں آپ کی مختلف علمی اور سیاسی شخصیتوں سے ملاقات کے نتیجہ میں بھی آپ کے علمی رعب و دبدبہ سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوئے۔اسی دوران آپ نے ایک رسالہ عقلی، فقہی اور تفسیری دس مسئلوں پر مشتمل تحریر کیا جسے محمد بن قطب الدین بن محمد بن محمد بن قاضی زادہ رومی المعروف ''قاضی عسکر'' کو ارسال کیا۔قاضی عسکر وہاں ایک مشہور و معروف دانشور اور ادیب تھا۔مذکورہ رسالہ پڑھنے کے بعد وہ آپ کا بے پناہ گرویدہ ہو گیا چنانچہ آپ کو اختیار دیا کہ شام، حلب اور بعلبک وغیرہ کے جس مدرسہ کو چاہیں انتخاب کریں اور لوگوں کو اپنے دریائے علم سے سیراب کریں۔آپ نے بعلبک کے مدرسہ ''نوریہ'' کو انتخاب کیا۔

چند ماہ قسطنطنیہ میں رہائش کے دوران مشرقی روم (ترکی) کے ''اسکدرا'' نامی شہر (جس کے اور قسطنطنیہ کے مابین صرف ایک نہر کا فاصلہ تھا) کا سفر کیا اور حسب معمول اپنے تجربوں میں اضافہ کے ساتھ خدمت دین کے سلسلے کو جاری رکھا۔

شہید ثانیؒ بیک وقت مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے چنانچہ ایک زبردست ادیب، خوش فکر شاعر ہونے کے ساتھ نثر کی بھی مختلف اصناف پر قلم فرسائی کی مہارت آپ کو حاصل تھی۔آپ جس جگہ کا سفر کرتے وہاں کی مختلف چیزوں کا بغور مطالعہ کرتے یہاں تک کہ معمولی سے معمولی چیز (مثلاً پانی کے ذائقے اور پھلوں کے رنگ) کو بھی تحریر میں لے آتے تھے۔

زیارت عتبات عالیات: ۹۵۲ھ میں آپ نے دوبارہ عراق کے سفر کا عزم کیا۔اس سفر میں آپ کا مقصد مقامات مقدسہ کی زیارت، علماء سے ملاقات اور دوسرے علمی مشاغل تھے۔آپ کے عراق پہنچنے کی خبر لوگوں میں عام ہو چکی تھی۔چنانچہ آپ جس شہر میں بھی داخل ہوتے لوگوں کا جم غفیر سیلاب کے

مانند آپ کے استقبال کے لئے امنڈ پڑتا اور یہ چیز صرف مومنین ہی سے مخصوص نہیں تھی بلکہ مختلف فرقوں کے افراد بھی آپ کے دیدار کے متمنی رہتے تھے جس سے بخوبی یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے علماء اس زمانہ میں کس شہرت اور مقبولیت کے حامل تھے۔

آپ چونکہ علم نجوم کے بھی ماہر تھے لہٰذا کوفہ میں جانے کے بعد آپ کو اندازہ ہوا کہ لوگوں کے قبلے میں معمولی انحراف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کی سمت قبلہ کو درست کیا۔ سبھی نے آپ کی بات کو تسلیم کر لیا سوائے ایک شخص کے جس نے آپ کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی نماز سابق سمت کی جانب پڑھی۔ اسی رات اس نے عالم خواب میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ وہ مسجد کوفہ میں گئے اور اسی رخ پہ نماز ادا کی جسے شہید ثانیؒ نے بتایا تھا۔ چنانچہ وہ شخص اپنے کئے پر کافی پشیمان ہوا اور شہید ثانیؒ سے معذرت خواہی کی۔

عراق سے واپسی کے بعد آپ کچھ مدت تک بعلبک میں مقیم اور اس کے بعد دائمی طور سے وطن واپس ہو گئے۔

بعلبک وغیرہ میں آپ کے علمی اور ثقافتی کارناموں کی ایک مفصل فہرست ہے جسے یہاں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ مختلف فرق و مذاہب کے افراد اپنے مسائل الجھنے کی صورت میں بجائے اپنے علماء کے آپ کی جانب رجوع کرتے تھے۔

تصنیفات و تالیفات: مجموعی طور سے آپ کے قلمی آثار کی جو فہرست کتب اور رسائل کی شکل میں بیان کی جاتی ہے ان کی تعداد ۸۰ر کے آس پاس ہے جس میں عقائد، اصول فقہ، کلام، عرفان، اخلاق، فلسفہ، ہیئت، ریاضیات، ادبیات، تفسیر قرآن اور علوم حدیث وغیرہ کے موضوعات شامل ہیں۔

آپ کی شہادت کے اسباب: شیعوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہر حال میں دو ناقابل انکار حقیقتوں کے اعتراف پر مجبور ہوتا ہے: **ایک** ان کے اندر انصاف اور حق پسندی کی خصلت جس کی بنیاد پر وہ بغیر کسی خوف و ہراس کے ہمیشہ سلاطین ظلم و جور کے مقابل ڈٹے رہے اور **دوسرے** ہر آزاد فکر رکھنے والے کے دل میں ہمارے تمام گذشتہ علماء کی محبت اور ان کی پیروی کا جذبہ پایا جانا چنانچہ جب بھی ذرہ برابر آزادی کا ماحول فراہم ہوا تو یہ چیز باقاعدہ نکھر کے سامنے آئی۔

سرزمین ایران کی طرف سلاطین کے شکنجوں سے پناہ حاصل کرنے کے اعتبار سے اور دوسری طرف حکومت آل بویہ وغیرہ (جو خود بھی شیعہ تھیں) کی مذہب و ملت کے سلسلے میں بے نظیر خدمات کی وجہ سے

شیعوں کے لئے ایک پر امن اور ترقی کا مرکز تھا۔ ظاہر ہے کہ جو قوم دیواروں میں چن دیئے جانے کے باوجود تخت و تاج کے پرخچے اڑا دینے کی طاقت رکھتی ہو اگر اسے معمولی سی قدرت حاصل ہو جائے تو نتیجہ کیا ہوگا اس کا اندازہ عثمانی حکومت کو باقاعدہ ہو چکا تھا۔ کیونکہ بنی امیہ کا تختہ پلٹنے میں خراسانیوں کا جو کردار تھا وہ بھی اس کے پیش نظر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حلب وغیرہ جیسے شیعی علاقے پہلے ہی سے حکومت کی نظر میں تھے، مزید برآں مختلف گروہوں میں شہید ثانیؒ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور شہرت اور یہ مسلمات میں سے ہے کہ اپنے اپنے وقت کے فراعنہ کو ایک روحانی طاقت کے مقابلہ میں اپنے زر و جواہر اور تیغ و تبر کی طاقت کا خوب اندازہ ہوتا ہے لہٰذا اسے ہر لمحہ یہ خطرہ لاحق تھا کہ اگر یہ سیلاب رواں ہو گیا تو ہمارے ظلم و ستم کے قلعوں کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکے گا لہٰذا اس سے نجات کا واحد راستہ یہی ہے کہ اس جڑ کو ہی کاٹ دیا جائے جس کے زور پر یہ شاخ و برگ پھیل رہے ہیں۔ شہید ثانیؒ نے اپنی شہادت سے پہلے ہی باخبر ہو چکے تھے۔ چنانچہ نقل ہوا ہے کہ ایک مرتبہ استنبول سے گذر رہے تھے ایک مقام پہ پہنچنے کے بعد اپنے ہمرائیوں کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ "یہ وہ جگہ ہے جہاں عنقریب ایک ناحق خون بہایا جائے گا۔" لوگوں نے آپ کی شہادت کے بعد اس امر کی تصدیق کی۔ یا اسی طریقہ سے ایک مرتبہ عالم خواب میں آپ نے سید مرتضیٰؒ کو دیکھا کہ انھوں نے محفل ضیافت منعقد کی ہے۔ جس میں تمام گذشتہ علماء موجود ہیں چنانچہ انھوں نے شہید ثانیؒ کو بڑے احترام و اکرام سے شہید اولؒ کے بغل میں یہ کہتے ہوئے بٹھایا کہ "یہ مقام آپ کا ہے۔"

کیفیت شہادت: حکومت کے زرخیز جاسوس ہمیشہ آپ کی تاک میں رہتے تھے لیکن یہ کام بہ آسانی ممکن نہیں تھا لہٰذا بظاہر ایک فرضی محاکمہ تیار کرکے آپ سے فیصلہ لیا گیا، آپ نے بھی حکم شریعت کے مطابق حق و ناحق کو معین کر دیا جو حکومت کے لئے ناسازگار قرار پایا چنانچہ آپ کی گرفتاری کا حکم صادر ہو گیا۔ اسی دوران آپ کو اپنے وطن کو ترک کرکے حج پہ جانے کا الہام ہوا، چنانچہ آپ سفر کے لئے روانہ ہو گئے، حکومت کے کارندے جب گرفتاری کے ارادے سے آپ کے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ سفر حج کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔ دشمن نے تعاقب کرنا شروع کیا یہاں تک کہ راستہ میں ایک مقام پر سب مل گئے چنانچہ اس نے آپ کو گرفتار کرکے لے جانے کا ارادہ کیا لیکن آپ نے حج تکمیل کرنے کی مہلت مانگی جس پر وہ راضی ہو گیا۔ الغرض حج مکمل ہوا اور حکومت کے نمکخوار نے حق نمک ادا کرنے کے لئے وہیں سے

آپ کو گرفتار کیا اور مقصد کی جانب روانہ ہو گیا۔ ابھی مقصد تک پہونچنے میں کچھ فاصلہ تھا کہ کسی نے آکر اس ملعون کو خبر دی کہ جن کو تم گرفتار کر کے لائے ہو شہر میں ان کے چاہنے والوں کی تعداد بہت ہے لہٰذا تمہاری جان کو خطرہ ہے۔ اس شمر صفت انسان نے اسی مقام پر آپ کے سر کو تن سے جدا کر دیا اور اسے لیکر دربار میں پہنچا۔ لیکن چونکہ حاکم نے آپ کو زندہ گرفتار کر کے لانے کا حکم دیا تھا لہٰذا مذکورہ عمل، حکم سے سرپیچی قرار پایا اور حاکم کے حکم سے وہ ملعون واصل جہنم کر دیا گیا۔

عرض مترجم

میرا تعلق درس وتدریس سے ہے اور یہ سلسلہ پچاس سالوں پر محیط ہے۔ عرصۂ دراز سے میری خواہش تھی کہ ایسی کتاب تالیف کروں جو حصول علم میں طالب علموں کے لیے راہنما بن سکے اور وہ اساتذہ اور طلبہ دونوں کے لئے مفید ثابت ہو۔ میرے عزیز اور محترم حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید صفی حیدر صاحب قبلہ سے جب اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو انھوں نے کتاب **منیۃ المرید فی آداب المفید والمستفید** کی جانب توجہ مبذول کرائی اور فرمایا کہ اگر اس کتاب کا آسان اور عام فہم زبان میں ترجمہ ہو جائے تو اس مقصد کی تکمیل ہو سکتی ہے۔

کتاب **منیۃ المرید فی آداب المفید والمستفید** مشہور ومعروف عالم دین زین الدین بن نور الدین کی تالیف ہے جو ''**شہید ثانی**'' کے نام سے موسوم ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں قرآن اور احادیث کی روشنی میں تعلیم وتعلم کے وہ اصول وقوانین منضبط کیے ہیں جو ایک طالب علم کی بچپن سے لے کر آخر عمر تک تالیف وتصنیف درس وتدریس اور مسند قضا پر فائز ہونے تک رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

منابع تحقیق قرآن مجید وفرقان حمید، احادیث پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روایات ائمہ کرام علیہم السلام اور پیشوایان دین و شرع مبین اور عقلاء وعلماء کے فرامین اور ارشادات ہیں۔

اس کتاب کی تالیف سے پہلے افاضل اور علماء نے اس موضوع سے متعلق متعدد کتابیں تحریر کی ہیں جن میں:

۱۔کتاب آراء اهل المدینة الفاضله و السیاسیة ازفارابی

۲۔رساله ایها الولد از امام غزالی

۳۔جامع بیان العلم و فضله از ابن عبدالبرّ اُندلسی

۴۔طراز الذهب فی آداب الطلب از سمعانی

شیعوں میں سب سے پہلے جس نے تعلیم وتربیت پر مستقل کتاب لکھی وہ خواجہ نصیر الدین طوسیؒ ہیں جن کی کتاب آداب المتعلمین ہے جو نہایت مختصر ہے۔

اس کے علاوہ کتاب تذکرة السامع و المتکلم فی آداب العالم و المتعلم ہے جسے قاضی القضاۃ بدرالدین حموی شافعی نے مرتب کیا تھا اور یہ کتاب ذی الحجہ ۶۷۲ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی تھی اس کتاب میں پانچ ابواب ہیں۔شہید ثانیؒ نے غالباً اس کتاب کو دیکھا تھا اور اسی کے مطابق اپنی کتاب منیة المرید کو مرتب کیا ہے۔دونوں کتابیں منطقی ترتیب اور طبقہ بندی کے اعتبار سے اس موضوع سے متعلق دیگر کتب پر فوقیت اور ترجیح رکھتی ہیں۔

میں نے کتاب منیة المرید کی تلخیص کا ترجمہ کیا ہے۔جس کی ترتیب یہ ہے:

پہلا باب آداب معلم و متعلم پر مشتمل ہے۔جس میں تین فصلیں ہیں اور ہر فصل کی تین تین قسمیں ہیں۔

دوسرا باب کتابت اور کتب پر مشتمل ہے۔

تیسرا باب مناظرے کے بارے میں ہے۔

خاتمہ میں تین مطالب ہیں اور آخر میں تتمۂ کتاب ہے۔جس میں نصیحتیں اور بیدار کرنے کے لیے کچھ باتیں ہے۔

امید واثق ہے کہ یہ کتاب طالبان علم اور تشنگان علم و دانش کے لیے مفید اور سودمند ثابت ہوگی۔ترجمہ آسان اور عام فہم ہے۔احادیث پر اعراب لگادیا گیا ہے تاکہ پڑھنے میں آسانی ہو۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ شہید ثانیؒ کی مرتب کردہ اس کتاب کو اپنی طالب علمانہ زندگی میں مشعل راہ بنائیے اور ان کے بیان کردہ اصولوں کو اپنائیے۔

گرقبول افتندزهے عز و شرف

مقدمہ مؤلف

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا اور اللہ کی رحمت ہو اس کے بندہ، حبیب اور نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو ہر سیکھنے اور سکھانے والے سے افضل ہیں اور ان کی آل پر اور ان اصحاب پر جنھوں نے اپنے آپ کو اخلاقِ پیغمبرؐ سے آراستہ کیا ہے اور ان پر سلامتی ہو۔

امابعد انسان کا کمال علم پر منحصر ہے، جس کے ذریعہ وہ آسمانی فرشتوں کی برابری کرتا ہے اور جس کے ذریعہ وہ دنیاوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اخروی درجات عالیہ کا بھی مستحق قرار پاتا ہے اور جس کے قلم کی روشنائی شہیدوں کے خون سے بڑھ کر ہوتی ہے اور جب وہ چلتا ہے تو فرشتے اس کے پیروں کے نیچے اپنے پروں کو بچھاتے ہیں اور ہوا میں پرندے اور پانی میں مچھلیاں اس کے لئے استغفار کرتی ہیں، جس کی ایک رات کی نیند عابد کی ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔

لیکن ہر علم قرب خداوندی کا سبب نہیں بنتا اور نہ ہی اس کا حاصل کرنا رضائے پروردگار کا باعث ہو سکتا ہے بلکہ اسے حاصل کرنے کے کچھ شرائط ہیں اور اس کی ترتیب کے کچھ ضوابط ہیں اور اس کے لباس سے آراستہ ہونے والے کے لئے کچھ آداب و وظائف ہیں اور طالب علم کو ان کا جاننا ضروری ہے اور مطلوب کو حاصل کرنے کے لئے ان کی طرف توجہ کرے تاکہ اس کی کوشش رائگاں نہ جائے اور اس کی ہمت سست نہ ہو۔ اس علم شریف کے بہت سے طلب گار جنھوں نے حصول علم کی خاطر بہت کوششیں کیں اور اس کی جستجو میں کافی زحمتیں برداشت کیں اور اسے پانے کے لئے خود کو مشقت میں ڈالا لیکن ان میں سے بعض خاطر

خواہ فائدہ حاصل نہ کر سکے اور نہ ہی منزل مقصود تک ان کی رسائی ہو سکی اور ان میں سے بعض نے کافی وقت صرف کرنے کے بعد بہت کم علم حاصل کیا جبکہ وہ اس سے کم عرصے میں اس سے کئی گنا زیادہ علم حاصل کر سکتے تھے اور یہ علم ان میں سے بعض کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے مزید دوری، قساوت قلب اور تاریکی کا باعث بنا۔ حالانکہ ارشاد باری عز اسمہ ہے اور وہ اپنے قول میں صادق ہے: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (سورۂ فاطر/۲۸) ''اللہ کے بندوں میں صرف صاحبان علم ہی خوف خدار کھتے ہیں۔''
پھر وہ کون سے اسباب اور رکاوٹیں ہیں جو انھیں کمال تک رسائی سے روک دیتی ہیں سوائے اس کے کہ انھوں نے حصول علم کے لازمی امور جیسے طلب علم کے شرائط، آداب اور دیگر احوال کی رعایت نہیں کی۔

ہم نے مناسب سمجھا کہ اس رسالہ میں شرائط اور آداب علم میں سے کچھ باتیں الگ الگ بیان کریں اور اس کے ساتھ ساتھ عالم اور طالب علم کی ذمہ داریوں کا بھی ذکر کریں۔ جو یقیناً ان لوگوں کے لئے بے حد مفید ثابت ہوں گی جو اس بارے میں غور وفکر سے کام لیں گے۔ اگر کوئی طالب علم انھیں اپنے لوح دل پر مرسوم کرلے اور انھیں ملحوظ رکھے، انھیں بار بار دہرائے تو وہ شرطیں طالب علم کو منزل مقصود تک پہنچا دیں گی کیونکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے کلام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اور ائمہ کرام علیہم السلام کے فرامین سے موخوذ ہیں۔ نیز انھیں علم و دانش کے ستون اور ان علماء سے لیا گیا ہے جو راسخون فی العلم ہیں اور میں نے اس کتاب کا نام ''منية المريد فی آداب المفيد و المستفيد'' رکھا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور سخائے قدیم میں سے اس امر کا متمنی ہوں کہ اس کتاب کے ذریعہ میری ذات، میرے پسندیدہ اشخاص اور میرے احباب کو فائدہ پہنچے اور مسلمانوں میں سے جنھیں بھی اس کتاب تک رسائی کی توفیق ہو وہ بھی اس سے استفادہ کریں اور خدا اس کتاب کے عوض مجھے اجر جمیل اور ثواب جزیل عطا کرے اور روز قیامت مجھے سچائی کے ساتھ ثابت قدم رکھے۔ بے شک وہ سخی اور کریم ہے۔

یہ کتاب ایک مقدمہ چند ابواب اور ایک خاتمہ پر مرتب کی گئی ہے:

مقدمہ

علم، عالم اور طالب علم کی فضیلت قرآن وحدیث کی روشنی میں اور خداوند عالم کے نزدیک ان افراد کی منزلت

فضیلت علم؛ قرآن کریم کی روشنی میں

یہ جان لو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پوری کائنات کی تخلیق کا سبب علم کو قرار دیا ہے خواہ وہ عالم بالا ہو یا عالم زیرین اور اس کی عظمت وجلالت کے لئے یہی کافی ہے کہ پروردگار عالم نے اپنی کتاب محکم میں صاحبانِ عقل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾(۱)

''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور اسی کے مثل زمینیں بھی۔ اس کے احکام ان کے درمیان نازل ہوتے رہتے ہیں تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ اللہ کا علم ہر شے پر محیط ہے۔''

اور علم کی فضیلت کے لئے یہی آیت بطور دلیل کافی ہے بالخصوص علم توحید کے لئے جو ہر علم کی بنیاد اور ہر معرفت کا مدار ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے علم کو اعلیٰ شرف قرار دیا ہے اور فرزند آدم کو خلق کرنے اور اسے عدم کے اندھیروں سے نکال کر وجود کا نور عطا کرنے کے بعد سب سے پہلے اس پر یہی احسان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب سے پہلے نازل ہونے والے سورہ میں ارشاد فرمایا:

۱۔ سورۂ طلاق، آیت ۱۲۔

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ. خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اقْرَأْ وَرَبُّکَ الْأَکْرَمُ. الَّذِی عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾ (۱)

''پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، انسان کو علَق (جمے ہوئے خون) سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمھارا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی اور انسان کو وہ سب کچھ بتا دیا جو اسے معلوم نہ تھا۔''

ذرا غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم و برتر کتاب کہ ''باطل نہ جس کے سامنے سے آسکتا ہے نہ ہی پیچھے سے یہ خدائے حکیم وحمید کی نازل کردہ کتاب ہے۔'' کا آغاز کس طرح کیا ہے؟!

سب سے پہلے نعمت خلقت کا بیان ہے اس کے بعد نعمت علم کو بیان کیا ہے۔ اگر کوئی احسان یا نعمت ایسی پائی جاتی جو علم سے اعلیٰ ہوتی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نعمت خلقت کے بعد صرف علم کا ذکر نہیں کرتا (بلکہ دوسری نعمتوں کا بھی ذکر کرتا) اسی علم کے ذریعہ ہدایت کے نور اور رہنمائی کے راستے کو صراط مستقیم تک نکالا جو انسان کو کمال کی اعلیٰ منزلوں تک لے جاتا ہے اور معانی کے دقائق اور بلاغت کے حقائق سے آشنا کرتا ہے۔

اس سورہ کی ابتدائی آیتیں جن میں سے ایک آیت میں یہ ہے کہ انسان کی خلقت علقہ (جما ہوا خون) سے ہوئی ہے اور ایک آیت میں یہ ہے کہ پروردگار عالم نے اسے وہ سب سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا تو ان آیتوں کی ترتیب میں ایک بدیع اور خوبصورت نظم پیدا کرنے کی خاطر ان کے درمیان تناسب کے بارے میں چند باتیں بیان کی گئی ہیں: خداوند عالم نے پہلے انسان کی حالت اوّلیہ کا ذکر کیا ہے کہ وہ **عَلَقہ** تھا جو پست ترین شے ہے اور پھر اس کی آخری حالت کا بیان ہے یعنی اس کا عالم بن جانا جو بلند ترین مرتبہ ہے گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنی پہلی حالت میں اس درجہ میں تھے جو نہایت پست تھا اور اب آخری حالت میں اس درجہ پر فائز ہو گئے ہو جو شرف اور نفاست میں انتہا کو پہنچا ہوا ہے اور یہ سب اسی وقت صحیح ہے جب علم کو سب سے اعلیٰ و اشرف مرتبہ تسلیم کیا جائے۔ اگر علم سے زیادہ باشرف کوئی اور چیز ہوتی تو یہاں پر اس کا تذکرہ کرنا اولیٰ اور بہتر ہوتا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ خداوند عالم نے فرمایا:

﴿وَرَبُّکَ الْأَکْرَمُ. الَّذِی عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾

۱۔ سورۂ علق/۱ تا ۵۔

علم اصول فقہ میں یہ بات طے پا چکی ہے کہ کسی حکم کو کسی صفت کے ساتھ بیان کرنا اس بات کی غماز ہے کہ وہ صفت اس کی علت ہے اور یہ بات دلالت کرتی ہے کہ خداوند عالم نے اکرمیت کو اپنے آپ سے مخصوص رکھا ہے اس لئے کہ اس نے انسان کو علم دیا ہے۔ پس اگر کوئی شے علم سے زیادہ افضل اور عمدہ ہوتی تو اس کو ''اکرمیت'' جو کہ افعل تفضیل ہے کے ساتھ بیان کرنا زیادہ بہتر ہوتا۔(۱)

اللہ تعالیٰ نے حق کو قبول کرنے اور اس پر باقی رہنے کی بنیاد تذکر (نصیحت قبول کرنا) کو قرار دیا ہے اور تذکر کو خوف خدا پر موقوف کیا ہے اور خوف خدا کو علماء میں قرار دیا ہے ارشاد باری ہے:

﴿سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَخْشَى﴾(۲) ﴿وَإِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾(۳)

''عنقریب خوف خدا رکھنے والا سمجھ جائے گا۔'' ''بندگان خدا میں اللہ سے ڈرنے والے صرف صاحبان علم ہیں۔''

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم کا نام ''حکمت'' رکھ دیا ہے اور حکمت کو نہایت باعظمت قرار دیا ہے فرمایا:

﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾(۴)

''اور جسے حکمت دی گئی اسے بہت زیادہ خیر عطا کر دیا گیا۔''

''حکمت'' کی تفسیر میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے حکمت میں قرآنی نصیحتیں، علم وفہم اور نبوت شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ﴾(۵) ﴿وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا﴾(۶) ﴿فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾(۷)

''اور جسے حکمت دی گئی ہے اسے خیر کثیر عطا کیا گیا۔ ہم نے یحییٰ کو بچپن میں نبوت دے دی تھی۔ ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور فہم کتاب عطا کی ہے۔''

ان تمام چیزوں کی بازگشت علم ہی کی طرف ہے۔(۸)

اور پروردگار نے صاحبان علم کو ہر چیز پر ترجیح دی ہے ارشاد باری ہے:

۱۔ تفسیر رازی، ج/۲، ص/۱۸۶ ۔ ۲۔ سورۂ اعلیٰ/۱۰

۳۔ سورہ فاطر/۲۸ ۔ ۴۔ سورۂ بقرہ/۲۶۹

۵۔ سورۂ بقرہ/۲۶۹ ۔ ۶۔ سورۂ مریم/۱۲

۷۔ سورۂ نساء/۵۴ ۔ ۸۔ ماخوذ از تفسیر رازی، ج/۲، ص/۱۷۹

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾(۱)

''اے نبی! آپ کہہ دیجئے: کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں ان کے برابر ہو جائیں گے جو علم نہیں رکھتے؟! بے شک صاحبان عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔''

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں دس چیزوں کے مابین فرق قرار دیا ہے:

خبیث وطیب: ﴿قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ﴾(۲)

''اے نبیؐ فرمادیجئے کہ پاک اور ناپاک بہر حال یکساں نہیں ہیں۔''

اور اندھے اور آنکھوں والے، اندھیرا اور نور، جنت اور جہنم، سایہ اور دھوپ ہرگز ایک دوسرے کے برابر نہیں ہو سکتے۔ (۳)

جب تم ان کی تفسیر میں غور کرو گے تو دیکھو گے کہ ان سب کا مرجع، علم ہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے صاحبان علم کو اپنا اور فرشتوں کا قرین قرار دیا ہے۔

﴿شَهِدَ اللهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ﴾(۴)

''اللہ فرشتے اور صاحبان علم گواہی دیتے ہیں کہ سوائے اللہ کے کوئی اور معبود نہیں ہے۔'' اور مذکورہ قربت کے ساتھ ساتھ ان کے اعزاز و اکرام کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ﴾(۵)

''اور اس کی تاویل کو اللہ اور راسخون فی العلم (پختہ علم رکھنے والے) کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا۔''

﴿كَفَى بِاللهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ﴾(۶)

''کہہ دیجئے کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ گواہی کے لئے کافی ہے اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔''

﴿يَرْفَعِ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾(۷)

''خدا صاحبان ایمان اور جنھیں علم عطا کیا گیا ہے ان کے درجات کو بلند کرتا ہے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے چار طرح کے لوگوں کے لئے درجات کا ذکر کیا ہے:

۱۔ سورۂ زمر/ ۹ ۲۔ سورۂ مائدہ/ ۱۰۰

۳۔ اشارہ ہے سورۂ فاطر آیات ۱۹ سے ۲۲ تک اور سورۂ حشر/ ۲۰ ۴۔ سورۂ آل عمران/ ۱۸۔

۵۔ سورۂ آل عمران/ ۷ ۶۔ سورۂ رعد/ ۴۳ ۷۔ سورۂ مجادلہ/ ۱۱

۱۔ مومنینِ اہل بدر

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ...لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ ﴾ (۱)

''صاحبان ایمان درحقیقت وہ لوگ ہیں جن کے سامنے ذکر خدا کیا جائے تو ان کے دلوں میں خوف خدا پیدا ہو اور اس کی آیتوں کی تلاوت کی جائے تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جائے اور وہ لوگ اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں۔ وہ لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دے ہوئے رزق میں سے انفاق بھی کرتے ہیں یہی لوگ واقعاً صاحبان ایمان ہیں اور انھیں کے لئے پروردگار کے یہاں درجات اور مغفرت اور باعزت روزی ہے۔''

۲۔ مجاہدین راہ خدا

﴿فَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ﴾ (۲)

''اللہ نے اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں کے مقابل میں درجہ اور فضیلت عطا کی ہے۔''

۳۔ اعمال صالحہ بجالانے والے

﴿ وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُوْلَئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَى ﴾ (۳)

''جو اس کے حضور صاحب ایمان بن کر حاضر ہوگا اور اس نے نیک عمل کئے ہوں گے اس کے لئے بلند ترین درجات ہیں۔''

۴۔ علماء

﴿يَرْفَعِ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ﴾ (۴)

''خدا صاحبان ایمان اور جن کو علم دیا گیا ہے ان کے درجات کو بلند کرنا چاہتا ہے۔''

بدر والوں کو دوسرے مومنین پر کچھ درجات کے ذریعہ فضیلت حاصل ہے اور علماء کو دیگر تمام اصناف پر درجات کے ذریعہ فضیلت دی ہے، تو لازم ہے کہ علماء تمام انسانوں میں سب سے افضل ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں علماء کو پانچ منقبتوں سے نوازا ہے:

۱۔ انفال/۲۔۴
۲۔ سورۂ نساء/۹۵.
۳۔ سورۂ طٰہٰ/۷۵
۴۔ سورۂ مجادلہ/۱۱

۱) ایمان

﴿وَالرَّاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ یَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ﴾(۱)

''اور جو علم میں راسخ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں۔''

۲) توحید

﴿شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ﴾(۲)

''اللہ، فرشتے اور صاحبان علم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔''

۳) گریہ اور غم

﴿إِنَّ الَّذِینَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ... وَیَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ یَبْكُونَ﴾(۳)

''جن کو اس سے پہلے علم دے دیا گیا جب ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے تو منہ کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے کہ ہمارا رب پاک و پاکیزہ ہے اور اس کا وعدہ یقیناً پورا ہوگا اور سجدے میں گر گر گریہ وزاری کرتے ہیں۔''

۴) خشوع

﴿وَیَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ یَبْكُونَ وَیَزِیدُهُمْ خُشُوعًا﴾(۴)

''اور سجدے میں گر کر گریہ وزاری کرتے ہیں اور وہ قرآن ان کے خشوع کو بڑھا دیتا ہے۔''

۵) خوف خدا

﴿إِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾(۵)

''بلا شبہ اللہ کے بندوں میں جو خشیت الٰہی رکھتے ہیں وہ علماء ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو علم و حکمت دینے کے باوجود بھی انھیں حکم دیا:

﴿وَقُلْ رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا﴾(۶)

''اے پیغمبرؐ ! کہو پروردگارا! میرے علم میں اضافہ کر۔''

نیز ارشاد فرمایا:

۱۔ سورۂ آل عمران/ ۷ ۲۔ سورہ آل عمران/ ۱۸ ۳۔ سورۂ اسراء/ ۱۰۷۔۱۰۹
۴۔ سورۂ اسراء/ ۱۰۷۔۱۰۹ ۵۔ سورۂ فاطر/ ۲۸ ۶۔ سورۂ طٰہٰ/ ۱۱۴

﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾(۱)

''بلکہ یہ (قرآن) تو واضح آیتیں ہیں ان کے سینوں میں جنھیں علم عطا کیا گیا ہے۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾(۲)

''اور یہ وہ مثالیں ہیں جنھیں ہم تمام انسانوں کے لئے بیان کر رہے ہیں لیکن ان کو صاحبان علم کے علاوہ کوئی اور نہیں سمجھتا ہے۔''

یہ فضائل علم کا ایک گوشہ تھا جسے پروردگار نے قرآن کریم میں نے بیان فرمایا ہے۔

۱۔ سورۂ عنکبوت/ ۴۹   ۲۔ سورۂ عنکبوت/ ۴۳

فضیلت علم، احادیث کی روشنی میں

فضیلت علم کے بارے میں بہت زیادہ احادیث ہیں جن کا حصر (احاطہ) کرنا ممکن نہیں۔
ان احادیث میں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ اقوال ہیں:

۱)''مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْراً یُفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ''(۱)

''اللہ جسے خیر سے نوازتا ہے اسے دین میں (فقہ) سمجھ بوجھ عطا کردیتا ہے۔''

۲)''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ''(۲)

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض قرار دیا گیا ہے۔''

۳)مَنْ طَلَبَ عِلْماً فَادْرَکَہٗ کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ کِفْلَیْنِ مِنَ الْاَجْرِ وَمَنْ طَلَبَ عِلْماً فَلَمْ یُدْرِکْہُ کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ کِفْلاً مِنَ الْاَجْرِ''(۳)

''جس نے علم حاصل کیا اور اسے پالیا تو اللہ اس کے لئے اجر کے دو حصے لکھتا ہے اور جس نے علم حاصل کیا لیکن اسے نہ پاسکا تو اللہ اس کے لئے اجر کا ایک حصہ لکھ دے گا۔''

۴)''مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَنْظُرَ اِلٰی عُتَقَاءِ اللّٰہِ مِنَ النَّارِ فَلْیَنْظُرْ اِلَی الْمُتَعَلِّمِیْنَ، فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا مِنْ مُتَعَلِّمٍ یَخْتَلِفُ اِلٰی بَابِ الْعَالِمِ اِلَّا کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ بِکُلِّ قَدَمٍ عِبَادَۃَ سَنَۃٍ وَبَنَی اللّٰہُ لَہٗ بِکُلِّ قَدَمٍ مَدِیْنَۃً فِی الْجَنَّۃِ، وَیَمْشِیْ عَلَی الْاَرْضِ وَھِیَ تَسْتَغْفِرُ لَہٗ، وَیُمْسِیْ

۱۔ صحیح بخاری، سنن ابن ماجہ، سنن ترمذی، سنن دارمی، مجمع الزوائد، ج/۱،ص/۱۲۱، کتاب العلم

۲۔ سنن ابن ماجہ، مجمع الزوائد، ج/۱،ص/ ۱۱۹۔۱۲۰، الکافی، ج/۱،ص/۳۰ کتاب فضل العلم

۳۔ الترغیب والترہیب، ج/۱،ص/ ۹۶، مجمع الزوائد، ج/۱،ص/۱۲۳

وَيُصْبِحُ مَغْفُوْرًا لَهُ وَشَهِدَتِ الْمَلَائِكَةُ اَنَّهُمْ عُتَقَاءُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ"(۱)

"جو جہنم سے آزاد افراد کو دیکھنا پسند کرتا ہے اسے چاہئے کہ طالب علموں کو دیکھے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جب بھی کوئی طالب علم عالم کے دروازے پر آتا جاتا ہے تو اللہ تعالی اس کے ہر ہر قدم پر ایک سال کی عبادت کا ثواب لکھتا ہے اور ہر قدم کے بدلے میں جنت میں اس کے لئے ایک شہر بناتا ہے اور جب وہ زمین پر چلتا ہے تو زمین اس کے لئے استغفار کرتی ہے اور وہ بخشش کی حالت میں صبح وشام کرتا ہے اور فرشتے یہ گواہی دیتے ہیں کہ یہ طلبہ نار جہنم سے اللہ کے آزاد کردہ ہیں۔"

۵)مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ فَهُوَ كَالصَّائِمِ نَهَارَهُ، الْقَائِمِ لَيْلَهُ، وَاِنَّ بَابًا مِنَ الْعِلْمِ يَتَعَلَّمُهُ الرَّجُلُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ اَنْ يَكُوْنَ اَبُوْقُبَيْسٍ ذَهَبًا فَاَنْفَقَهُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ"(۲)

"علم حاصل کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو دن کو روزے رکھتا ہے اور رات بھر عبادت کے لئے کھڑا رہتا ہے اگر کوئی شخص علم کا ایک باب سیکھتا ہے تو اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ کوہ ابوقبیس سونے کا بن جائے اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ کردے۔"

۶)"مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِىَ بِهِ الْاِسْلَامَ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِى الْجَنَّةِ"

"جو اسلام کو زندہ کرنے کے لئے علم حاصل کرتا ہوا مر جائے تو اس کے اور انبیاء کے درمیان جنت میں صرف ایک درجہ کا فاصلہ ہوگا۔"(۳)

۷)"فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ سَبْعُوْنَ دَرَجَةً، بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ مِنْ حُضْرِ الْفَرَسِ سَبْعِيْنَ عَاماً وَذٰلِكَ لِاَنَّ الشَّيْطَانَ يَضَعُ الْبِدْعَةَ لِلنَّاسِ فَيُبْصِرُهَا الْعَالِمُ فَيُزِيْلُهَا، وَ الْعَابِدُ يُقْبِلُ عَلٰى عِبَادَتِهِ"(۴)

"عالم کو عابد پر ستر درجے زیادہ فضیلت حاصل ہے اور اس کے ہر دو درجے کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا ستر سال میں گھوڑا دوڑ کر طے کرے، اس کا سبب یہ ہے کہ شیطان لوگوں میں بدعت کی داغ بیل ڈالتا ہے اور جب عالم اسے دیکھتا ہے تو مٹا دیتا ہے اور عابد کو صرف اپنی عبادت سے کام رہتا ہے۔"

۱۔ تفسیر رازی، ج/۲، ص/۱۸۰   ۲۔ تفسیر رازی، ج/۲، ص/۱۸۰

۳۔ تفسیر رازی، ج/۲، ص/۱۸۰   ۴۔ الترغیب والترہیب، ج/۲، ص/۱۰۲، ح/۲۶

۸)فَضۡلُ الۡعَالِمِ عَلَی الۡعَابِدِ کَفَضۡلِیۡ عَلٰی اَدۡنَاکُمۡ، اِنَّ اللّٰهَ وَمَلاَئِکَتَهُ وَ اَهۡلَ السَّمٰاوَاتِ وَ الۡاَرۡضِ حَتَّی النَّمۡلَةِ فِی جُحۡرِهَا، وَحَتَّی الۡحُوۡتِ فِی الۡمٰاءِ لَیُصَلُّوۡنَ عَلٰی مُعَلِّمِ النَّاسِ الۡخَیۡرَ''

''عالم کی فضیلت عابد پر وہی ہے جیسے میری فضیلت تمھارے ادنی ترین فرد پر ہے۔ بے شک اللہ، اس کے فرشتے اور آسمانوں اور زمینوں میں رہنے والے یہاں تک کہ چیونٹی اپنے بل میں اور مچھلی پانی میں لوگوں کو خیر اور اچھائی سکھانے والے پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔''(۱)

۹)''مَنۡ خَرَجَ فِی طَلَبِ الۡعِلۡمِ فَهُوَ فِی سَبِیۡلِ اللّٰهِ حَتّٰی یَرۡجِعَ''.

''حصول علم کے لئے گھر سے نکلنے والا واپسی تک اللہ کی راہ میں جہاد کرتا رہتا ہے۔''(۲)

۱۰)''مَنۡ خَرَجَ یَطۡلُبُ بَابًا مِنَ الۡعِلۡمِ لِیَرُدَّ بِهِ بَاطِلاً اِلَی الۡحَقِّ وَ ضَالاًّ اِلٰی هُدًی کَانَ عَمَلُهُ کَعِبَادَةِ اَرۡبَعِیۡنَ عَاماً''.

''جو شخص اس لئے گھر سے نکلتا ہے کہ علم کا ایک باب حاصل کرے اور اس کے ذریعہ کسی غلط کو صحیح راہ دکھادے اور گمراہ کو ہدایت پر لگادے تو اس کا یہ عمل چالیس سال عبادت کی مانند ہے۔''(۳)

۱۱)''لَاَنۡ یَهۡدِیَ اللّٰهُ بِکَ رَجُلاً وَاحِداً خَیۡرٌ مِنۡ اَنۡ یَکُوۡنَ لَکَ حُمۡرُ النَّعَمِ''

''اگر اللہ تمھارے ذریعہ سے کسی ایک فرد کو ہدایت دے دے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تمھارے پاس سرخ اونٹوں کا ریوڑ ہو۔''(۴)

۱۲)مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

''لَاَنۡ یَهۡدِیَ اللّٰهُ بِکَ رَجُلاً وَاحِداً خَیۡرٌ لَکَ مِنَ الدُّنۡیَا وَمَا فِیۡهَا''(۵)

''اگر اللہ تمھارے ذریعہ سے کسی ایک فرد کو ہدایت بخش دے تو یہ تمھارے لئے دنیا و مافیھا سے بہتر ہے۔''

۱۳)''رَحِمَ اللّٰهُ خُلَفَائِی فَقِیۡلَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ! وَمَنۡ خُلَفَاؤُکَ؟ قَالَ :الَّذِیۡنَ یُحۡیُوۡنَ سُنَّتِی وَیُعَلِّمُوۡنَهَا عِبَادَ اللّٰهِ''

''خدایا! میرے جانشینوں پر رحم فرما۔ دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! آپ کے خلفاء کون ہیں؟ آپؐ نے

۱۔ سنن ترمذی ج/۵/ص/۵۰، کتاب العلم
۲۔ سنن ترمذی ج/۵،ص/۲۹، کتاب العلم۔
۳۔ امالی شیخ طوسی، ج/۲،ص/۲۳۱
۴۔ جامع بیان العلم وفضلہ ج/۱،ص/۱۴۷
۵۔ تفسیر کبیر امام رازی، ج/۲،ص/۱۸۰؛ احیاء علوم الدین، ج/۱،ص/۹۶

فرمایا: جو میری سنت کو زندہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کے بندوں کو سکھاتے ہیں۔"(۱)

۱۴)"مَنْ دَعَا اِلیٰ ھُدًی کَانَ لَہٗ مِنَ الْاَجرِمِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَہٗ ،لَایَنْقُصُ ذٰلِکَ مِن اُجُوْرِھِمْ شَیْئًا وَمَن دَعَا اِلیٰ ضَلَالَۃٍ کَانَ عَلَیْہِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلَ آثَامِ مَنِ تَبِعَہٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ آثَامِھِمْ شَیْئاً."

"جو ہدایت کی جانب بلائے گا اسے اتنا ہی اجر ملے گا جتنا پیروی کرنے والے کو ملتا ہے، اس سے ان کے اجر میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی اور جو گمراہی کی طرف بلائے گا تو اس کا بھی ویسا ہی گناہ ہوگا جیسا اس کی پیروی کرنے والے کا ہوتا ہے۔ اس سے ان کے گناہوں میں ذرہ برابر کمی واقع نہ ہوگی۔"(۲)

۱۵)"اِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَمَلُہٗ اِلاَّ مِنْ ثَلَاثٍ، صَدَقَۃٍ جَارِیَۃٍ اَوْ عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِہٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُو لَہٗ"

"جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے، صدقۂ جاریہ، منفعت بخش علم، یا صالح اولاد جو مرنے والے کے حق میں دعا کرے۔"(۳)

۱۶)خَیرٌ مَا یُخلِفُ الرَّجُلُ مِنْ بَعْدِہٖ ثَلَاث: وَلَدٌ صَالِحٌ یَدْعُوْ لَہٗ وَ صَدَقَۃٌ تَجرِیْ یَبْلُغُہٗ اَجرُھَا وَ عِلْمٌ یُعْمَلُ بِہٖ مِنْ بَعْدِہٖ"

"سب سے بہتر شے جسے انسان اپنے بعد چھوڑ کر جاتا ہے وہ تین ہیں:

صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرے، صدقہ جاریہ جس کا اجر اسے ملتا رہے اور وہ علم جس پر اس کے بعد عمل کیا جائے۔"(۴)

۱۷)"اِنَّ الْمَلَائِکَۃَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَھَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضیً بِمَا یَصْنَعُ"

"بے شک فرشتے طالب علم کے عمل سے خوش ہو کر اس کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں۔"(۵)

۱۸)"اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَ لَوْ بِالصِّیْنِ"

"علم حاصل کرو خواہ چین سے ملے۔"(۶)

۱۔ جامع بیان العلم، ج/۱،ص/۱۵۵

۲۔ سنن ترمذی، ج/۵،ص/۴۳، صحیح مسلم، ج/۴،ص/۲۰۶۰ کتاب العلم۔

۳۔ احیاء علوم الدین، ج/۱،ص/۱۰ ۴۔ سنن ابن ماجہ، ج/۱،ص/۸۸

۵۔ سنن دارمی، ج/۱،ص/۱۰۱ ۶۔ احیاء علوم الدین، ج/۱،ص/۱۸

۱۹)''مَنْ غَدا فِی طَلَبِ الْعِلْمِ اَظَلَّتْ عَلَیْهِ الْمَلائِکَةُ وَ بُوْرِکَ لَهُ فِی مَعِیْشَتِهٖ وَ لَمْ یَنْقُصْ مِنْ رِزْقِهٖ.''

''جو طلب علم میں دن گزارتا ہے فرشتے اس پر سایہ فگن رہتے ہیں، اس کے روزگار میں برکت ہوتی ہے اور اس کی روزی میں کمی واقع نہیں ہوتی۔''(۱)

۲۰)''مَنْ سَلَکَ طَرِیْقاً یَلْتَمِسُ بِهٖ عِلْماً سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِیْقاً اِلَی الْجَنَّةِ''

''جو ایسے راستے پر گامزن ہو جس میں وہ علم حاصل کرے تو اللہ اس کے لئے جنت کے راستے کو آسان بنا دیتا ہے۔''(۲)

۲۱)''نَوْمٌ مَعَ عِلْمٍ خَیْرٌ مِن صَلاةٍ عَلٰی جَهْلٍ''

''علم کے ساتھ سو جانا جہالت کے ساتھ نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔''(۳)

۲۲)''فَقِیْهٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ''

''ہزار عابدوں کے مقابلہ ایک فقیہ شیطان کے لئے زیادہ سخت ہوتا ہے۔''(۴)

۲۳)''اِنَّ مَثَلَ الْعُلَمَاءِ فِی الْاَرْضِ کَمَثَلِ النُّجُومِ فِی السَّمَاءِ یُهْتَدٰی فِی ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ فَاِذَا انْطَمَسَتْ اَوْشَکَ اَنْ تَضِلَّ الْهُدَاةُ''

''علماء کی مثال زمین میں ایسی ہے جیسے آسمان میں ستارے جن کے ذریعہ سے صحراؤں اور سمندروں کے اندھیروں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے اگر ستارے نہ ہوں تو امکان ہے کہ رہنمائی پانے والے گم ہو جائیں۔''(۵)

۲۴)''مَا جُمِعَ شَیْءٌ اِلٰی شَیْءٍ اَفْضَلَ مِنْ عِلْمٍ اِلٰی حِلْمٍ''(۶)

''کوئی شے دوسری شے کے ساتھ ایسی افضل جمع نہیں کی گئی جیسا حلم کے ساتھ علم کو جمع کیا گیا ہے۔''

۲۵)''مَا تَصَدَّقَ النَّاسُ بِصَدَقَةٍ مِثْلَ عِلْمٍ یُنْشَرُ''

''کسی انسان نے اس علم جیسا صدقہ نہیں دیا جسے نشر کیا جائے۔''(۷)

۱۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ج/۱،ص/۵۴
۲۔ سنن ترمذی، ج/۵،ص/۲۸
۳۔ کنز العمال، ج/۱،ص/۱۴۰
۴۔ سنن ترمذی، ج/۵،ص/۴۸
۵۔ الترغیب والترہیب، ج/۱،ص/۱۰۱
۶۔ جامع الصغیر، ج/۲،ص/۱۴۵
۷۔ الترغیب والترہیب، ج/۱،ص/۱۱۹

۲۶)''مَا اَهْدَى الْمَرْءُ الْمُسْلِمُ الَى اَخِيْهِ هَدِيَّةً اَفْضَلَ مِنْ كَلِمَةٍ يَزِيْدُهُ اللّٰهُ بِهَا هُدًى وَيَرُدُّهُ عَلىٰ رِدًى''

''کسی مرد مسلم نے اپنے برادر ایمانی کو ایسا ہدیہ نہیں دیا جو اس حکمت آمیز کلمہ سے افضل ہو، جس کے ذریعہ اللہ اس کی ہدایت میں اضافہ فرمادے اور اسے ہلاکت سے دور کردے۔''(۱)

۲۷)''اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ اَنْ يَعْلَمَ الْمَرْءُ عِلْماً ثُمَّ يُعَلِّمَهُ اَخَاه''

''بہترین صدقہ یہ ہے کہ انسان علم حاصل کرے پھر اسے اپنے بھائی کو سکھائے''(۲)

۲۸)''قَلِيْلُ الْعِلْمِ خَيْرٌ مِنْ كَثِيْرِ الْعِبَادَةِ''

''کم علم، زیادہ عبادت سے بہتر ہے۔''(۳)

۲۹)''ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر تشریف لے گئے تو آپؐ نے دیکھا کہ مسجد میں دو طرح کی نشستیں جمی ہوئی ہیں۔ ایک نشست میں فقہ کی باتیں ہو رہی ہیں اور ایک نشست میں اللہ سے دعا کی جارہی ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا:

دونوں نشستیں اچھی ہیں (سب خیر ہیں) لیکن یہ لوگ محض اللہ سے دعا کر رہے ہیں اور وہ لوگ سیکھ رہے اور جاہل کو سکھا رہے ہیں وہ لوگ افضل ہیں۔ مجھے تعلیم دینے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ پھر آنحضرتؐ بھی اس بزم میں بیٹھ گئے۔''(۴)

۳۰) یہ حدیث صحیح سلسلہ سند سے بیان کی گئی ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام اپنے آباء واجداد سے اور وہ نبی اکرمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، جہاں سے بھی علم ملے اسے حاصل کرلو، اور صاحبان علم سے علم طلب کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا سیکھنا نیکی ہے، اس کا حصول عبادت ہے، اس کا مذاکرہ تسبیح ہے، اس پر عمل کرنا جہاد ہے، جو نہیں جانتا اسے سکھانا صدقہ ہے اور جو مستحق ہیں ان کو علم عطا کرنا قربت خداوندی کا سبب ہے، اس لئے کہ اسی سے حلال وحرام کی پہچان ہوتی ہے اور یہی جنت کے راستے کا مینار ہے، وحشت میں مونسِ تنہائی، مسافرت میں ساتھی، خلوت میں

۱۔ جامع بیان العلم وفضلہ، ج/۱،ص/۷۳
۲۔ سنن ابن ماجہ، ج/۱،ص/۸۹
۳۔ جامع الصغیر، ج/۲،ص/۸۷او جامع بیان العلم وفضلہ، ج/۱،ص/۲۰
۴۔ الفقیہ والتفقہ، ج/۱،ص/۱۷۱، سنن ابن ماجہ، ج/۱،ص/۸۳، احیاء علوم الدین، ج/۱،ص/۱۰

ہم کلام، راحت و مصیبت میں راہنما، دشمن کے لئے ہتھیار، احباب کے لئے زینت ہے، علم کے ذریعہ اللہ اقوام کو رفعت عطا کرتا ہے تو انھیں خیر میں قائد بنا دیتا ہے جس کے آثار کا پتا چلایا جا سکتا ہے، جن کی کارکردگیوں کی اقتدا کی جاسکتی ہے اور ان کی رائے تک پہنچا جا سکتا ہے، فرشتے صاحبان علم کی رفاقت کو پسند کرتے ہیں اپنے پروں سے انھیں مس کرتے ہیں اور اپنے درود میں ان کے لئے برکت کی دعا کرتے ہیں۔ ہر خشک و تر ان کے لئے مغفرت طلب کرتا ہے، یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں اور اس کے جانور، خشکی کے درندے اور اس کے چوپائے۔ بے شک علم دلوں کی حیات ہے جہالت سے، آنکھوں کی ضیاء ہے ظلمت سے، بدن کی قوت ہے ضعف سے، یہ بندوں کو پسندیدہ افراد کی منزلوں اور نیکوکاروں کی مجلسوں اور دنیا و آخرت کے بلند درجات تک پہنچاتا ہے اور علمی گفتگو روزوں کے مساوی ہے اور اس کی درس و تدریس قیام کی مانند ہے، اسی کے ذریعہ رب کی اطاعت و عبادت ہوتی ہے اور اسی کے ذریعہ صلۂ رحمی کی جاتی ہے اور حلال و حرام کی معرفت ہوتی ہے، علم امام ہے اور عمل اس کا پیروکار، نیکوکاروں کو علم کا الہام ہو جاتا ہے اور بدبختوں کو اس سے محروم رکھا جاتا ہے، قابل مبارک باد ہے وہ جسے اللہ نے علم سے محروم نہیں رکھا۔'' (۱)

احادیث امیر المومنین علی علیہ السلام

۳۱) ''اے لوگو! جان لو کہ دین کا کمال یہ ہے علم حاصل کرو اور اس پر عمل کرو، آگاہ ہو جاؤ کہ تم پر علم کا حاصل کرنا مال حاصل کرنے کی بہ نسبت زیادہ ضروری ہے، مال کی تقسیم ہو چکی اور اس کی ضمانت دی جا چکی ہے اور عادل پروردگار نے اسے تمھارے درمیان تقسیم کر دیا ہے اور اس کی ضمانت لے لی ہے اور وہ عنقریب تمھیں مل جائے گا۔ جہاں تک علم کا تعلق ہے تو وہ صاحبان علم کے پاس محفوظ ہے اور تمھیں حکم دیا گیا ہے کہ اسے صاحبان علم سے حاصل کرو۔'' (۲)

۳۲) ''اَلْعَالِمُ اَفْضَلُ مِنَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْمُجَاهِدِ وَاِذَامَاتَ الْعَالِمُ ثُلِمَ فِی الْاِسْلَامِ ثُلْمَۃٌ لَایَسُدُّهَا اِلَّا خَلَفٌ مِنْهُ'' (۳)

''عالم، روزہ دار، عابد شب زندہ دار اور مجاہد سے افضل ہے۔ جب کوئی عالم مرتا ہے تو اسلام میں ایسا رخنہ پڑ جاتا ہے جسے کوئی اور پر نہیں کر سکتا ہے سوائے اس کے کہ کوئی اس کا جانشین آجائے۔'' (۴)

۱۔ بحار الانوار، ج/۱، ص/۱۷۱
۲۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۰
۳۔ بصائر الدرجات، ص/۴، ح/۱۰
۴۔ معجم الادباء، ج/۲، ص/۱۸۲، دشور معالم الحکم/۲۴.

۳۳) ”کَفٰی بِالْعِلْمِ شَرَفاً اَنْ یَدَّعِیَهِ مَنْ لَایُحْسِنُه وَیَفْرَحُ بِهٖ اِذَانُسِبَ اِلَیْهِ وَکَفٰی بِالْجَهْلِ ذَمّاً یَبْرَاُمِنْهُ مَنْ هُوَ فِیْهِ“

علم کے شرف کے لئے یہی کافی ہے کہ جو علم میں مہارت نہیں رکھتا وہ بھی دعوائے علم کرتا ہے اور اگر علم کی نسبت اس کی طرف دی جاتی ہے تو خوش ہو جاتا ہے اور جہالت کی مذمت کے لئے یہی کافی ہے کہ جو شخص جہالت میں ڈوبا ہوتا ہے وہ بھی اس سے بیزاری چاہتا ہے۔“(۱)

۳۴) امیرالمومنین علیہ السلام نے کمیل بن زیاد سے فرمایا:

”یا کُمَیْلُ ! اَلْعِلْمُ خَیْرٌ مِنَ الْمَالِ ،اَلْعِلْمُ یَحْرُسُکَ وَاَنْتَ تَحْرُسُ الْمَالَ وَالْعِلْمُ حَاکِمٌ وَالْمَال مَحْکُوم عَلَیْهِ وَالْمَال تُنْقِصُهُ النَّفَقَةُ وَالْعِلْمُ یَزْکُوْ عَلَی الْاِنْفَاقِ“

”اے کمیل !علم مال سے بہتر ہے کیوں کہ علم تمھاری حفاظت کرتا ہے اور تم مال کی حفاظت کرتے ہو، علم حاکم اور مال محکوم ہے، مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔“

۳۵) ”اَلْعِلْمُ اَفْضَلُ مِنَ الْمَالِ بِسَبْعَةٍ :اَلاَوَّلُ اِنَّهُ مِیْرَاثُ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمَالُ مِیْرَاثُ الْفَرَاعِنَةِ الثانی :اَلْعِلْمُ لَا یَنْقُصُ بِالنَّفَقَةِ وَالْمَالُ یَنْقُصُ بِهَاالثَّالِثُ:یَحْتَاجُ الْمَالُ اِلَی الْحَافِظِ وَالْعِلْمُ یَحْفَظُ صَاحِبَهُ الرَّابِعُ:اَلْعِلْمُ یَدْخُلُ فِی الْکَفَنِ وَیَبْقَی الْمَالُ اَلْخَامِسُ:اَلْمَالُ یَحْصُلُ لِلْمُؤمِنِ وَلِلْکَافِرِ وَالْعِلْمُ لَا یَحْصُلُ اِلَّالِلْمُؤمِنِ السَّادِسُ:جَمِیْعُ النَّاسِ یَحْتَاجُوْنَ اِلَی الْعَالِمِ فِی اَمْرِ دِیْنِهِمْ وَلَایَحْتَاجُوْنَ اِلٰی صَاحِبِ الْمَالِ السَّابِعُ:اَلْعِلْمُ یُقَوِّی الرَّجُلَ عَلَی الْمُرُوْرِ عَلَی الصِّرَاطِ وَالْمَال یَمْنَعُهُ .“

”علم سات اعتبار سے مال سے افضل ہے:

پہلا: علم انبیاء کی میراث ہے اور مال فرعونیوں کی وراثت ہے۔

دوسرا: علم خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا ہے جب کہ مال خرچ کرنے سے کم ہو جاتا ہے۔

تیسرا: مال کی حفاظت کرنی پڑتی ہے اور علم خود صاحب علم کی حفاظت کرتا ہے۔

چوتھا: علم مرنے والے کے ساتھ کفن میں داخل ہوتا ہے جب کہ مال دنیا ہی میں باقی رہ جاتا ہے۔

پانچواں: مال مومن وکافر دونوں حاصل کر سکتے ہیں جب کہ علم (حقیقی) صرف مومن کو ملتا ہے۔

۱۔ نہج البلاغہ، ص/ ۴۹۶، قسم الحکم الحکمہ / ۱۴۷، وتحف العقول/ ۱۱۸، واحیاء علوم الدین، ج/ ۱، ص/ ۷

چھٹا: تمام لوگ دینی امور میں عالم کے محتاج ہوتے ہیں لیکن وہ مالدار کے محتاج نہیں ہوتے۔

ساتواں: علم پل صراط سے گذرنے کرنے کے لئے انسان کو قوی بناتا ہے جب کہ مال اسے گذرنے سے روک دیتا ہے۔(۱)

۳۶)نیز ارشاد فرمایا:

"قِیمَةُ کُلِّ امْرِءٍ مَا یُعَلِّمُهُ "فِی لَفْظٍ آخَرَ مَا یُحْسِنُهُ.

"ہر شخص کی قدر و قیمت اس کے علم کی بنیاد پر ہوتی ہے۔" یا دوسرے لفظوں میں جسے وہ اچھی طرح انجام دیتا ہے۔(۲)

۳۷)امام زین العابدین علی بن الحسین علیہ السلام سے روایت ہے:

"لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِی طَلَبِ الْعِلْمِ لَطَلَبُوْهُ وَلَوْ بَسفکِ الْمُهَجِ وَخَوْضِ اللُّجَجِ اِنَّ اللّٰه تَعَالیٰ اَوْحیٰ اِلیٰ دَانِیَالِ اِنَّ اَمْقَتَ عِبَادِی اِلَیّ الْجَاهِلُ الْمُسْتَخِفُّ بِحَقِّ اَهْلِ الْعِلْمِ التَّارِکُ لِلْاِقْتَدَاءِ بِهِمْ وَاِنَّ اَحَبَّ عَبِیْدِی اِلَیَ التَّقِیُّ الطَّالِبُ لِلثَّوَابِ الْجَزِیْلِ وَاللَّازِمُ لِلْعُلَمَاءِ ،التَّابِعُ لِلْحُلَمَاءِ الْقَابِلُ عَنِ الْحُکَمَاءِ"

"اگر انسانوں کو پتا چل جائے کہ علم حاصل کرنے کا کیا فائدہ ہے تو وہ طلب علم میں لگ جائیں خواہ اس کی خاطر انھیں خون بہانا پڑے اور سمندر کے گہرائیوں میں اترنا پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت دانیال کو وحی کی: میرے بندوں میں میرے نزدیک سب سے ناپسندیدہ وہ لوگ ہیں جو جاہل ہیں، صاحبان علم کے حق کو ہلکا سمجھتے ہیں، ان کی اقتدا نہیں کرتے ہیں اور میرے بندوں میں میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہ ہے جو پرہیز گار ہو۔ زیادہ ثواب کا طلب گار ہو، علماء سے رابطہ رکھتا ہو، حلیم افراد کا تابع ہو اور دانش مندوں کی باتوں کو ماننے والا ہو۔"(۳)

۳۹) امام باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

۳۸)امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے:

"عَالِمٌ یَنْتَفِعُ بِعِلْمِهِ اَفْضَلُ مِنْ سَبْعِیْنَ اَلْفَ عَابِدٍ"

۱۔ تفسیر رازی، ج/۲، ص/۱۸۳۔۱۸۲۔ ۲۔ نہج البلاغہ حکمت/۸۱ و غرر الحکم حدیث/۵۲۔۶۸
۳۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۵

وہ عالم جس کے علم سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے وہ ستر ہزار عبادت گذاروں سے افضل ہے۔"(۱)

۴۰) امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"اِنَّ الَّذِیْ یُعَلِّمُ الْعِلْمَ مِنْکُم لَهُ اَجْرُ الْمُتَعَلِّمِ ،وَلَهُ الْفَضْلُ عَلَيْهِ فَتَعَلَّمُوْا الْعِلْمَ مِنْ حَمَلَةِ الْعِلْمِ وَعَلِّمُوْهُ اِخْوَانَكُمْ كَمَا عَلَّمَكُوْهُ الْعُلَمَاءُ"

"تم میں جو بھی کسی کو تعلیم دیتا ہے اس کے لئے طالب علم جتنا اجر ہے اور معلم کو طالب علم پر فضیلت حاصل ہے۔ پس تم پر لازم ہے کہ حاملین علم سے علم حاصل کرو اور اپنے برادران ایمانی کو اسی طرح پڑھاؤ جس طرح علماء نے تمھیں علم سے آراستہ کیا ہے۔"(۲)

۴۱) امام باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"لَمَجْلِسٌ اَجْلِسُهُ اِلٰى مَنْ اَثِقُ بِهِ اَوْثَقُ فِي نَفْسِي مِنْ عَمَلِ سَنَةٍ"

وہ بزم جس میں، میں اپنے قابل بھروسہ شخص کے ساتھ بیٹھوں میرے نزدیک ایک سال کے عمل سے زیادہ مستند ہے۔"(۳)

۴۲) ابوبصیر امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

"مَنْ عَلَّمَ خَيْراً فَلَهُ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهِ قُلْتُ فَاِنْ عَلَّمَهُ غَيْرَهُ يَجْرِي ذٰلِکَ لَهُ قَالَ اِنْ عَلَّمَهُ النَّاسَ كُلَّهُمْ جَرىٰ لَهُ قُلْتُ فَاِنْ مَاتَ قَالَ وَاِنْ مَاتَ."

"جو شخص کسی کو خیر کی تعلیم دے تو اسے اس پر عمل کرنے والے جیسا اجر ملے گا۔ میں نے سوال کیا کہ اگر وہ کسی اور کو سکھائے تو کیا اس پہلے سکھانے والے کو بھی ثواب ملے گا؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر وہ تمام انسانوں کو تعلیم دے پھر بھی اسے ثواب ملتا رہے گا۔ میں نے دریافت کیا: اگر وہ مر جائے؟ تو آپؑ نے فرمایا: اگر وہ مر جائے تب بھی اسے ثواب ملتا ہے۔"(۴)

۴۳) امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"تَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ فَاِنْ لَمْ يَتَفَقَّهْ مِنْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَهُوَ اَعْرَابِيٌّ وَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ فِي كِتَابِهِ ﴿لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾

۱۔ الکافی، ج/۱ص/۳۳ و بصار الدرجات/۶
۲۔ الکافی، ج/۱ص/۳۵، حدیث/۲
۳۔ الکافی، ج/۱ص/۳۹، حدیث/۵
۴۔ الکافی، ج۱ص۳۵.

''تم لوگ دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرو، اگر تم میں سے کسی نے دین سے واقفیت حاصل نہیں کی تو وہ اعرابی (بدو اور جاہل) ہے۔'' اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

''انھیں چاہئے کہ وہ دین میں فہم حاصل کریں اور پھر جب اپنی قوم کی طرف پلٹیں تو انھیں عذاب الٰہی سے ڈرائیں شاید وہ اسی طرح ڈرنے لگیں۔'' (۱)

۴۴) امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكُم بِالتَّفَقُّهِ فِي دِينِ اللّٰهِ وَلَا تَكُونُوا اَعْرَاباً فَاِنَّهُ مَنْ لَّم يَتَفَقَّهْ فِي دِينِ اللّٰهِ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَمْ يُزَكِّ لَهُ عَمَلاً''

تمھیں چاہئے کہ اللہ کے دین کا فہم حاصل کرو اور اس سے نا آشنا نہ رہو اس لئے کہ جو دین خدا کا فہم حاصل نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ روز قیامت اسے نظر انداز کر دے گا اور اس کے عمل کو پاکیزہ نہیں بنائے گا۔'' (۲)

۴۵) امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''لَوَدِدْتُ اَنَّ اَصْحَابِي ضُرِبَتْ رُؤُوسُهُمْ بِالسِّيَاطِ حَتّٰى يَتَفَقَّهُوْا''

''میں اس بات کو پسند کرتا ہوں میرے اصحاب کے سر پر کوڑے مارے جائیں یہاں تک کہ وہ تفہیم دین حاصل کرلیں۔'' (۳)

۴۶) نیز ارشاد فرمایا: علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ احادیث کا وارث قرار دیتے ہیں جس نے حدیث میں سے کچھ لے لیا اسے وافر حصہ مل گیا، تمھیں اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ تم حدیث کا علم کس سے حاصل کر رہے ہو۔ اس لئے کہ ہم اہل بیت علیہم السلام میں سے بعد میں آنے والی نسل سے ایسے انصاف پرور لوگ موجود رہیں گے جو حدیث میں غالیوں کی تحریفات اور باطل پسندوں کے علمی سرقے اور جاہلوں کی تاویلوں کو دور کرتے رہیں گے۔'' (۴)

۴۷) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْراً فَقَّهَهُ فِي الدِّيْنِ'' (۵)

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۵، حدیث/۱۱
۲۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۱، حدیث/۲
۳۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۱، حدیث/۷
۴۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۱
۵۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۲، حدیث/۲

''اللہ جب کسی بندے کے لئے خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کا فہم عطا کرتا ہے۔''

۴۸) معاویہ بن عمار نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ایک شخص آپ کی حدیث نقل کرتا ہے اور اسے لوگوں کے درمیان نشر کرتا ہے اور اسے ان کے دلوں اور آپ کے شیعوں کے دلوں میں جاگزیں کرتا ہے اور ہوسکتا ہے آپ کے شیعوں میں سے ایک ایسا عابد بھی ہو جس کے پاس اس قسم کی روایت نہیں ہے تو ان دونوں میں کون افضل ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: ہماری حدیث نقل کرنے والا۔ روایت کے ذریعہ ہمارے شیعوں کے دلوں کو مضبوط بناتا ہے وہ ہزار عبادت گذاروں سے افضل ہے۔''(۱)

۴۹) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"مَا مِنْ اَحَدٍ يَمُوتُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اَحَبَّ اِلَىٰ اِبْلِيسَ مِنْ مَوْتِ فَقِيهٍ"

''مومنین میں کسی کی موت بھی ابلیس کو فقیہ کی موت سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہوتی۔''(۲)

۵۰) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اِذَامَاتَ الْمُؤْمِنُ الْفَقِيهُ ثَلُمَ فِي الْاِسْلَامِ ثُلْمَةٌ لَا يَسُدُّهَا شَيْءٌ''

''جب کسی مومن فقیہ کی موت واقع ہوتی ہے تو اسلام میں ایسا رخنہ پڑ جاتا ہے جسے کوئی شے پر نہیں کر سکتی۔''(۳)

۵۱) امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"اِذَا مَاتَ الْمُؤْمِنُ بَكَتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ وَبِقَاعُ الْاَرْضِ الَّتِي كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلَيْهَا وَاَبْوَابُ السَّمَاءِ الَّتِي كَانَ يَصْعَدُ مِنْهَا اَعْمَالُهُ وَثَلُمَ فِي الْاِسْلَامِ ثُلْمَةٌ لَا يَسُدُّهَا شَيْءٌ لِاَنَّ الْمُؤْمِنِينَ الْفُقَهَاءَ حُصُونُ الْاِسْلَامِ كَحِصْنِ سُورِ الْمَدِينَةِ بِهَا.''

''جب کسی مومن کا انتقال ہوتا ہے تو اس پر ملائکہ اور زمین کا وہ حصہ جس پر وہ عبادت کیا کرتا تھا اور آسمان کے وہ دروازے جس سے اس کے اعمال اوپر جاتے تھے اس پر گریہ کرتے ہیں اور اس کے مرنے سے اسلام میں ایسا رخنہ پڑ جاتا ہے جسے کوئی بھی شے پر نہیں کر سکتی اس لئے کہ صاحب ایمان فقہاء، اسلام کے مضبوط قلعہ ہیں جس طرح شہر کی فصیل (چہار دیواری) شہر کی محافظ ہوتی ہے۔''(۴)

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۳، حدیث/۹
۲۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۸، حدیث/۱، ۴
۳۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۸
۴۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۸، حدیث/۳

۵۲) نیز فرمایا: ''ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک شخص کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ آنخضرتؐ نے دریافت یہ کون ہے؟ کہا گیا: علامہ، آنخضرتؐ نے فرمایا: علامہ کیا ہوتا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ عرب کے نسب اور واقعات سے واقفیت رکھنے والا اور جاہلیت کے ایام اور عربی اشعار کا جاننے والا۔ امامؑ نے فرمایا کہ آنخضرتؐ فرمایا: ''یہ ایک ایسا علم ہے کہ اس کے نہ جاننے والے کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے اور جاننے والے کو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا'' اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اِنَّمَا الْعِلْمُ ثَلَاثَۃٌ: آیَۃٌ مُحْکَمَۃٌ اَوْ فَرِیْضَۃٌ عَادِلَۃٌ اَوْ سُنَّۃٌ قَائِمَۃٌ وَمَا خَلَاھُنَّ فَھُوَ فَضْلٌ''

''علم بس تین طرح کا ہوتا ہے: ۱۔ محکم نشانیاں (اصول عقائد)، ۲۔ یا عادلانہ فریضہ (علم اخلاق)، ۳۔ یا استوار و قائم سنت (احکام شرعی) اور ان کے علاوہ جو کچھ ہے وہ فضل ہے۔''(۱)

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۲، حدیث/۱

پہلا باب

معلم اور متعلم کے آداب

اس کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم: معلم اور متعلم کے درمیان مشترک آداب

دوسری قسم: طالب علم سے مخصوص آداب

تیسری قسم: معلم سے مخصوص آداب

پہلی فصل

معلم اور متعلم کے درمیان مشترک آداب

ان کی دو قسمیں ہیں:

 معلم اور متعلم کی ذات سے متعلق آداب

درس و بحث کے دوران استاد اور شاگرد کے آداب

پہلی قسم

معلم اور متعلم کی ذات سے متعلق آداب

ا۔ تعلیم وتعلم کے وقت اپنی نیت کو خدا کے لئے خالص کرنا

پہلی چیز جوان دونوں پر لازم ہے وہ یہ ہے کہ علم طلب کرنے اور اسے عطا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی نیت کو خالص کریں اس لئے کہ اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے اور اسی نیت کی وجہ سے عمل کبھی تو (خزف) ٹھیکری کی مانند بے قیمت ہو جاتا ہے اور کبھی گوہر کی طرح ہو جاتا ہے، جس کی منزلت کے سبب اس کی قدر قیمت کا تعین ممکن نہیں ہوتا ہے اور کبھی یہی عمل، بجالانے والے کے لئے وبال بن جاتا ہے اور اسے برائیوں کے دفتر میں مندرج کر دیا جاتا ہے خواہ اس کا تعلق واجبات سے ہی کیوں نہ ہو۔

لہٰذا طالب علم اور معلم پر لازم ہے کہ اپنے عمل میں رضائے الٰہی، اس کے حکم کی تعمیل، اپنے نفس کی اصلاح اور بندگانِ خدا کو تعلیمات دینی کی طرف ہدایت کا ارادہ کریں اور اس علم کے ذریعہ متاعِ دنیا ان کا مقصود نہ ہو جیسے مال حاصل کرنا، یا جاہ ومنزلت یا شہرت یا اپنے جیسے لوگوں سے امتیازی شان حاصل کرنا، یا معاصرین سے فخر ومباہات کرنا یا دینی بھائیوں کے مقابل میں بلندی چاہنا اور اس قسم کے دیگر فاسد اغراض ومقاصد جو خداوند عالم کی جانب سے رسوائی اور اس کی ناراضی کا سبب بنیں اس طرح وہ آخرت کے گھر اور دائمی ثواب سے محروم ہو جائے گا اور ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جو سراسر خسارے میں رہتے ہیں:

﴿الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾(۱)

ا۔ سورۂ کہف/۱۰۴۔

''جن کی تمام تر کوششیں دنیاوی زندگی میں برباد ہو گئیں جب کہ وہ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ نیک عمل بجالا رہے ہیں۔''

اس سلسلہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض اقوال کو ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے:

۱) ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَ اِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَا نَوىٰ، فَمَنْ کَانَ هِجْرَتُهُ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهُ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ......''

''بے شک تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، ہر شخص کو ویسا ہی اجر ملے گا جیسی اس کی نیت ہوگی۔ اگر کسی نے اللہ اور رسول کی جانب ہجرت کی ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہے اور اگر اس کی ہجرت کا مقصد دنیا کا حصول یا کوئی عورت ہو جس سے وہ شادی کرنا چاہتا ہو تو اس کی ہجرت کا مقصود وہ ہوگا جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہے۔''(۱)

اور یہ حدیث اسلام کے اصول میں سے ہے، اس کی ایک بنیاد اور اس کا پہلا ستون ہے کہ یہی ایک تہائی علم ہے۔

بعض فضلاء نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ بندہ جب کچھ کسب کرتا ہے تو اس کا تعلق اس کے دل، زبان اور انگلیوں سے ہوتا ہے پس کسی شے کو حاصل کرنے کے تین طریقوں میں سے ایک نیت ہے اور یہ ان میں سب سے زیادہ وزنی ہے اس لئے کہ دوسرے دو اقسام کے برخلاف یہ فی نفسہ عبادت بن جاتی ہے۔

گذشتہ بزرگ علماء اور ان کے تابعین کی ایک جماعت اپنی کتابوں کا آغاز اسی حدیث سے کرنے کو پسند کرتے تھے تا کہ ہر مطالعہ کرنے والے کو حسن نیت اور اس کی صحت کی جانب متوجہ کیا جائے اور اس کے اہتمام کی جانب توجہ دلائی جائے۔

۲)''نِیَّةُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِنْ عَمَلِهٖ''

''مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔'' اور دوسرے الفاظ میں اس طرح فرمایا ''اَبْلَغُ مِنْ عَمَلِهٖ'' یعنی اس کے عمل سے زیادہ رسا ہے۔ (۲)

۳) ''اِنَّمَا یُبْعَثُ النَّاسُ عَلیٰ نِیَّاتِهِمْ''

....

۱۔ صحیح بخاری، ج/۱، ص/۱۷۔

۲۔ الکافی، ج/۳، ص/۸۴، حدیث/۲۔

''لوگوں کو ان کی نیتوں کی بنیاد پر مبعوث کیا جائے گا۔''(۱)

اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے جبرئیل نے خبر دی اور اللہ نے جبرئیل سے کہا:

''اَلِاخۡلَاصُ سِرٌّ مِنۡ اَسۡرَارِیۡ اِسۡتَوۡدَعۡتُهٗ قَلۡبَ مِنۡ اَحۡبَبۡتُ مِنۡ عِبَادِیۡ''

''اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے میں اپنے بندوں میں جسے محبوب رکھتا ہوں اسے اس کے دل میں ودیعت کر دیتا ہوں۔''(۲)

۴) ''روز قیامت انسانوں میں پہلا شخص جس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا وہ ایک شہید ہوگا۔ اسے لایا جائے گا۔ اسے اس کی نعمتیں دکھائی جائیں گی اور وہ ان نعمتوں کو پہچانے گا پھر اس سے سوال ہوگا: تم نے ان نعمتوں کو پا لینے کے بعد کیا عمل کیا؟ تو وہ جواب دے گا: میں نے تیری راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ تو کہا جائے گا: تم جھوٹ بول رہے ہو تمھارے جہاد کا مقصد یہ تھا کہ تمھیں ''جری'' کہا جائے اور تمھیں ایسا ہی کہا گیا۔ پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے۔ اس کے بعد ایک شخص جس نے علم حاصل کیا اور اسے دوسروں کو سکھایا اور قرآن کی تلاوت کی، اسے لایا جائے گا۔ اسے نعمتیں یاد دلائی جائیں گی وہ ان نعمتوں کو پہچانے گا سوال ہوگا: تم نے ان نعمتوں کو پا لینے کے بعد کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں نے علم حاصل کیا اور اسے دوسروں کو سکھایا اور اظہار نعمت کے طور پر قرآن کی تلاوت کی تو کہا جائے گا: تم جھوٹ بول رہے ہو تم نے علم حاصل کیا تا کہ تمھیں ''عالم'' کہا جائے اور قرآن پڑھا تا کہ قاری کہلاؤ اور تمھیں ایسا ہی کہا گیا۔ پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیا جائے۔''(۳)

۵) ''مَنۡ تَعَلَّمَ عِلۡماً مِمَّا یُبۡتَغٰی بِهٖ وَجۡهُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ لَا یَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِیُصِیۡبَ بِهٖ غَرَضاً مِنَ الدُّنۡیَا لَمۡ یَجِدۡ عُرۡفَ الۡجَنَّةِ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ''

''جو شخص ایسا علم حاصل کرے جس سے خوشنودی پرودگار حاصل کر سکتا ہو لیکن وہ اسے اس لئے سیکھے کہ اس سے مال دنیوی حاصل کرے تو وہ روز قیامت جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ پائے گا۔''(۴)

۱۔ سنن ابن ماجہ، ج/۲، ص/۱۴۱۴۔

۲۔ احیاء علوم الدین، ج/۴، ص/۳۲۲۔

۳۔ تفسیر قرطبی، ج/۱، ص/۱۸ و مسند احمد بن جنبل، ج/۲، ص/۳۲۲۔

۴۔ کنز العمال، ج/۱۰، ص/۱۹۳ و سنن ابن ماجہ، ج/۱، ص/۹۳۔۹۲۔

۶) "مَنْ تَعَلَّمَ عِلْماً بِغَيْرِ اللّٰهِ وَاَرَادَ بِهٖ غَيْرَ اللّٰهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ"

"جو شخص غیر خدا کے لئے علم حاصل کرے اور اس کا ہدف بھی اس کے حصول سے غیر خدا ہو تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔" (۱)

۷) "مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ اَوْلِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ اَوْيُصَرِّفَ بِهٖ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ وَفِيْ رِوَايَةٍ: فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ"

"جو شخص علم حاصل کرے تا کہ اس کے ذریعہ علماء سے مقابلہ کرے یا احمقوں سے جھگڑا کرے یا لوگوں کی توجہات کو اپنی جانب مبذول کرے تو اللہ ایسے شخص کو جہنم میں ڈال دے گا۔" اور ایک روایت میں یہ ہے کہ: "اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم کو بنا لے۔" (۲)

۸) تم علم اس لئے حاصل نہ کرو کہ اس کے ذریعہ احمقوں سے جھگڑا کرو اور علماء سے جدال کرو اور اس کے ذریعہ عوام الناس کا رخ اپنی جانب پھیر لو، تم اپنی گفتار سے وہ کچھ حاصل کرو جو اللہ کے پاس ہے اس لئے کہ وہ دائمی اور باقی رہنے والا ہے اور اس کے علاوہ ہر شے فنا ہو جانے والی ہے، تم دانائی کا سرچشمہ، ہدایت کا چراغ، گھروں کے محافظ، چراغ شب، دلوں کی علامت اور بوسیدہ لباس کے مانند رہو۔ آسمان والوں میں پہچانے جاؤ اور زمین والوں کے نزدیک مخفی اور گمنام رہو۔ (۳)

۹) جو شخص چار چیزوں کے لئے علم حاصل کرے گا وہ واصل جہنم ہوگا: اس علم کے ذریعہ علماء کے مقابل فخر ومباہات کرے یا احمقوں سے جھگڑا کرے یا عوام الناس کا رخ اپنی جانب پھیر لے یا امیروں اور مالداروں سے کچھ حاصل کرے۔ (۴)

۱۰) "مَا ازْدَادَ عَبْدٌ عِلْماً فَازْدَادَ فِي الدُّنْيَا رَغْبَةً اِلَّا ازْدَادَ مِنَ اللّٰهِ بُعْداً"

"جو بندہ علم زیادہ حاصل کرے اور اس کے ساتھ ساتھ دنیا سے اس رغبت بڑھ جائے تو اللہ سے اس کی دوری بڑھتی چلی جاتی ہے۔" (۵)

۱۱) "كُلُّ عِلْمٍ وَبَالٌ عَلٰى صَاحِبِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا مَنْ عَمِلَ بِهٖ" (۶)

۱۔ سنن ترمذی، ج/۵، ص/۳۳ و سنن ابن ماجہ، ج/۱، ص/۹۵۔
۲۔ کنز العمال، ج/۱۰، ص/۲۰۱۔
۳۔ سنن دارمی، ج/۱، ص/۸۰۔
۴۔ سنن دارمی، ج/۱، ص/۱۰۳۔
۵۔ سنن دارمی، ج/۱، ص/۱۰۷۔
۶۔ الترغیب والترہیب، ج/۱، ص/۱۲۷، حدیث/۱۴۔

اگر تمھیں علم حاصل کرنا ہو تو پہلے اپنے نفس میں بندگی کی حقیقت کو تلاش کرو، اور پھر اسے عملی جامہ پہنا کر علم طلب کرو اور اللہ سے فہم وفراست طلب کرو وہ تمھیں سمجھ دے گا۔''(۱)

☆☆☆☆☆

یہ سمجھ لو کہ علم ایک درخت کی مانند ہے اور عمل اس کا پھل ہے اور پھل دار درخت سے کوئی پھل کے سوا اور کیا چاہتا ہے۔ علم کی اصلی غرض عمل مطلق ہے اس لئے کہ تمام علوم کی بازگشت دو چیزوں کی جانب ہوتی ہے: ایک علم معاملت اور دوسرے علم معرفت۔ علم معاملت حلال وحرام اسی قبیل کے دوسرے احکام کی معرفت کا نام ہے نیز نفس کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ اخلاق اور ان کے علاج کی کیفیت اور اس سے راہ فرار اسی علم کے ذیل میں آتے ہیں۔

اور علم معرفت اللہ تعالیٰ، اس کے صفات اور اسماء کا علم ہے ان کے علاوہ جتنے بھی علوم ہیں وہ یا تو ان دونوں کے آلات ہیں یا ان سے مراد کسی نہ کسی کام کو بجالانا ہے جو بھی اس کا متلاشی ہے اس پر یہ تقسیم بندی مخفی نہیں ہے۔

جہاں تک امور معاملت کا تعلق ہے اس کا مقصود ان پر عمل پیرا ہونا ہے بلکہ اگر عملی حیثیت نہ ہوگی تو ان کی کوئی قدر قیمت نہ رہے گی۔ ارشاد باری ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ (یقیناً فلاح پا گیا جس نے نفس کو پاکیزہ رکھا) اللہ نے یہ نہیں فرمایا ''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَعَلَّمَ كَيْفِيَّةَ تَزْكِيَتِهَا وَ كَتَبَ عِلْمَهَا وَعَلَّمَهَا النَّاسَ'' (وہ فلاح پا گیا جس نے پاکیزگی کی کیفیت کا علم حاصل کرلیا اور اس کے علم کو تحریری شکل دے دی اور اسے انسانوں کو سکھا دیا)

اب رہا اللہ تعالیٰ کی معرفت کا علم اور وہ علم جن پر علوم عقلیہ کا انحصار ہے تو اس علم کے جاننے اور عمل کو ترک کرنے والے اور امر خداوندی اور حدود الٰہی کو ضائع کرنے والے کی مثال ایسے شخص کی ہے جو کسی بادشاہ کی ملازمت اختیار کرنا چاہتا ہے، وہ بادشاہ کو پہچانتا ہے اس کے اخلاق، اس کی خوبیوں، اس کی عادتوں اور اس کی بزم سے آشنا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ بادشاہ کی پسند اور ناپسند کیا ہے۔ وہ کس چیز سے غضب ناک ہو جاتا ہے اور یہ ہر اس شے سے عاری ہوتا ہے جسے بادشاہ پسند کرتا ہے جیسے پوشاک، حلیہ، نشست وبرخاست وغیرہ۔ ایسا شخص بادشاہ کے حضور میں آتا ہے اور اس کے تقرب کا خواہاں ہے اور اس

۱۔ بحار الانوار، ج/۱، ص/۲۲۴.

۱۷) ''اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمْ بَعْدِی كُلُّ مُنَافِقٍ عَلِيمِ اللِّسَانِ''

''میں اپنے بعد تمہارے بارے میں جس چیز سے زیادہ خوف زدہ ہوں وہ ہر ایسا منافق ہے جو (زبانی علم) لقلقہ لسانی رکھتا ہے۔''(۱)

۱۸) ''اَلااِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَاِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ''

''آگاہ ہو جاؤ تمام برائیوں میں سب سے بڑی برائی برے علماء ہیں اور تمام اچھائیوں میں سب سے بہترین پسندیدہ علماء ہیں۔''(۲)

۱۹) ''مَنْ قَالَ اَنَا عَالِمٌ فَهُوَ جَاهِلٌ''

''جو یہ کہے کہ میں عالم ہوں وہ جاہل ہے۔''(۳)

۲۰) حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''دو ایسے حریص ہیں جو کبھی سیر نہیں ہوتے: ایک دنیا کا طلب گار اور دوسرا علم کا طلب کرنے والا، اگر اس نے دنیا میں سے اتنا لیا جتنا اللہ نے اس کے لئے حلال کیا ہے تو وہ سالم رہا اور جس نے وہ حاصل کیا جو اس کے لئے حلال نہ تھا وہ ہلاک ہو گیا مگر یہ کہ وہ توبہ کر لے اور اپنے اس عمل سے باز آجائے اور جس نے علم کو صاحب علم سے حاصل کیا اور اس پر عمل کیا وہ نجات پا گیا اور جس نے علم کے ذریعہ دنیا حاصل کرنا چاہی تو بس دنیا ہی اس کا نصیب ہے۔''(۴)

امام باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اس لئے علم حاصل کرے کہ اس کے ذریعہ علماء سے مباہات کرے یا احمقوں سے جھگڑا کرے یا اس کے ذریعہ سے لوگوں کا رخ اپنی جانب پھیر لے تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم کو بنالے، اس لئے کہ قیادت کا حق اسی کو ہے جو اس کا اہل ہو۔''(۵)

امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

۱۔ کنز العمال، ج/۱، ص/۱۷۶، ح/۲۸۹۷۔
۲۔ احیاء علوم الدین، ج/۱، ص/۵۶، سنن دارمی، ج/۱، ص/۱۰۴۔
۳۔ کنز العمال، ج/۱، ص/۲۴۳، ح/۲۹ والترغیب والترہیب، ج/۱، ص/۱۳۰۔
۴۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۶۔
۵۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۷۔

''مَنْ اَرَادَ الْحَدِيْثَ لِمَنْفَعَةِ الدُّنْيَا لَمْ يَكُنْ لَهُ فِي الْآخِرَةِ نَصِيْبٌ وَمَنْ اَرَادَ بِهِ خَيْرَ الْآخِرَةِ اَعْطَاهُ اللّٰهُ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.''

''جو شخص دنیاوی منفعت کے لئے حدیث سیکھنے کا ارادہ کرے تو اسے آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ملے گا اور جو اس کے ذریعہ آخرت کی بھلائی کا طالب ہو تو اللہ اسے دنیا اور آخرت دونوں کا خیر عطا کرے گا۔''(۱)

نیز ارشاد فرمایا: ''جب تم دیکھو کہ عالم دنیا سے محبت کر رہا ہے تو تم اپنے دین کے معاملے میں اسے مورد الزام ٹھہراؤ اس لئے کہ ہر شے سے محبت کرنے والا اسی شے کے گرد چکر لگاتا رہتا ہے۔'' اور فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ نے جناب داؤد علیہ السلام پر وحی کی کہ اے داؤد! میرے اور اپنے درمیان کسی ایسے عالم کو واسطہ نہ بناؤ جو دنیا کا دیوانہ ہو۔ وہ تمہیں میری محبت کے راستے سے دور کردے گا اس لئے کہ یہ لوگ میرے ارادت مند بندوں کے راستے میں لٹیرے ہیں میں سب سے معمولی سلوک جو ان کے ساتھ کروں گا وہ یہ ہوگا کہ ان کے دلوں سے اپنی مناجات کی حلاوت کو سلب کرلوں گا۔''(۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''فقہاء انبیاء کے امانت دار ہیں جب تک دنیا میں داخل نہ ہوں۔ دریافت کیا گیا: یا رسول اللہؐ! دنیا میں داخل ہونے سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا: بادشاہ کی پیروی کرنا جب وہ ایسا کرنے لگیں تو تم اپنے دین کے بارے میں ان سے چوکس رہو۔''(۳)

شیخ صدوقؒ نے کتاب خصال میں اپنی سند سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ''علماء میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو علم کو جمع کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ نہیں چاہتے کہ ان سے کوئی سیکھے وہ تو جہنم کے پہلے طبقہ میں ہوں گے اور علماء میں سے وہ بھی ہے جب اسے نصیحت کی جاتی ہے تو ناک بھوں چڑھاتا ہے اور جب وہ نصیحت کرتا ہے تو سختی کرتا ہے یہ جہنم کے دوسرے طبقہ میں ہوگا اور علماء میں سے وہ بھی ہے جو یہ چاہتا ہے کہ اپنے علم کو صاحبان ثروت اور شرف کے لئے مخصوص کردے اور وہ اس میں مساکین کے لئے کچھ نہ رکھے تو ایسا شخص جہنم کے تیسرے طبقہ میں ہوگا اور علماء میں سے وہ بھی ہے جو اپنے

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۶۔ ۲۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۶۔
۳۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۹۔

علم میں ظالموں اور بادشاہوں کی روش کو اختیار کرتا ہے اگر اس کے حکم کو مسترد کر دیا جائے یا کسی معاملہ میں کوتاہی ہو جائے تو وہ غضب ناک ہو جاتا ہے ایسا شخص جہنم کے چوتھے طبقہ میں ہوگا اور علماء میں سے وہ بھی ہے جو یہود و نصاریٰ کی احادیث کو اپناتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اپنے علم کو وسیع کرے اور اس کے ذریعہ زیادہ حدیثیں بیان کرے تو ایسا شخص جہنم کے پانچویں طبقہ میں ہوگا اور علماء میں سے وہ بھی ہے جو اپنے آپ کو فتاویٰ صادر کرنے کے لئے مخصوص کر دیتا ہے اور کہتا ہے مجھ سے سوال کرو اور ہو سکتا ہے کہ اس کا کوئی ایک حرف بھی صحیح نہ ہو اور اللہ تصنع کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے ایسا شخص جہنم کے چھٹے طبقہ میں ہوگا اور علماء میں سے وہ بھی ہے جو علم کو ریاکاری اور خود کو عقل مند ظاہر کرنے کے لئے حاصل کرتا ہے تو ایسا شخص جہنم کے ساتویں طبقہ میں ہوگا۔''(۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی اور ان سے کہا: مجھے کوئی نصیحت کیجئے تو حضرت خضرؑ نے فرمایا: ''اے علم حاصل کرنے والے! بات کہنے والا سننے والے سے کم تھکتا ہے لہٰذا جب گفتگو کا آغاز کرو تو شرکائے مجلس کو تھکنے نہ دو اور جان لو کہ تمہارا دل ایک ظرف ہے یہ دیکھو کہ تم اپنے ظرف کو کس چیز سے پر کر رہے ہو۔

اے موسیٰ! اگر تم علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو مکمل طور سے اسی میں لگ جاؤ، اس لئے کہ علم اسی کو حاصل ہوگا جو اپنے آپ کو اس کے لئے وقف کر دے اور زیادہ نہ بولو ورنہ گفتگو میں بیہودہ باتیں شامل ہو جائیں گی، بے شک زیادہ بولنا علماء کو عیب دار بنا دیتا ہے اور احمقوں کی برائیوں کو ظاہر کر دیتا ہے تمہیں میانہ روی اختیار کرنی چاہئے اس لئے کہ یہی توفیق اور راست روی ہے اور جاہلوں سے روگردانی کرو، بے وقوفوں سے بردباری کرو اس لیے کہ یہ بردباروں کی فضیلت اور علماء کی زینت ہے اور اگر جاہل تمہیں دشنام دے تو سلامتی کی خاطر خاموشی اختیار کرو اور زیرکی کے ساتھ اس سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ اے عمران کے فرزند! ہرگز ایسا دروازہ نہ کھولو جس کے بند کرنے کا تمہیں علم نہ ہو اور ایسا دروازہ بند نہ کرو تم جس کو کھولنے سے تم ناآشنا ہو۔ اے عمران کے بیٹے! دنیا سے جس کی طمع تمام نہ ہو اور جس کی خواہشِ دنیا ختم نہ ہو وہ عابد کیسے بن سکتا ہے؟! اور جو اپنی حالت کو بدتر بنائے رکھے اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کا الزام اللہ پر عائد کرے وہ زاہد کیسے ہو سکتا ہے؟! اے موسیٰ! جو کچھ سیکھ رہے ہو اسے اس لئے سیکھو کہ اس پر عمل کرو گے اس لئے مت سیکھو کہ

۱۔ خصال، ج/۲، ص/۳۹۵.

صرف اس کے بارے میں گفتگو کروگے یہ تمھارے لئے رنج و ہلاکت اور دوسروں کے لئے نور ہدایت ہوگا۔''(۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے: ''تم لوگ علمائے سوء ہو۔ تم اجرت لیتے ہو اور عمل کو برباد کرتے ہو۔ قریب ہے کہ پروردگارِ عالم اپنے عمل کا مطالبہ کرلے اور قریب ہے کہ اس وسیع و عریض دنیا سے نکل کر قبر کے اندھیرے اور اس کی تنگی میں چلے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں گناہوں کے ارتکاب سے روکا ہے، جس طرح تمھیں روزہ رکھنے اور نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ بھلا وہ صاحبانِ علم میں سے کیسے ہوسکتا ہے جو اپنی روزی سے ناراض ہو اور اپنی منزلت کو حقیر سمجھتا ہو؟ جبکہ وہ جانتا ہے کہ یہ سب اللہ کے علم اور اس کی قدرت سے ہے۔ بھلا وہ صاحبان علم میں سے کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ نے اس کے لئے جو فیصلہ کیا ہے اس کے بارے میں اللہ پر تہمت لگائے یعنی جو شے اس تک پہنچی ہے وہ اس سے راضی نہ ہو؟ بھلا وہ شخص صاحبانِ علم میں سے کیسے ہوسکتا ہے، جس کے نزدیک اس کی دنیا، آخرت سے زیادہ بہتر ہو، وہ اپنی دنیا کی جانب متوجہ ہو اور جو چیز اس کے لئے ضرر رساں ہے وہ اسے فائدہ پہنچانے والی شے سے زیادہ محبوب ہو! بھلا وہ شخص اہل علم میں سے کیسے ہوسکتا ہے جو قوت گویائی (علم) صرف اس لئے حاصل کرے کہ اس سے دوسروں کو آگاہی دے اور اس لئے حاصل نہ کرے کہ خود اس پر عمل پیرا ہو۔''(۲)

نیز ارشاد فرمایا:

''وَيْلٌ لِعُلَمَاءِ السُّوْءِ تُصْلىٰ عَلَيْهِمِ النَّارُ''(۳)

''وائے ہو علمائے سوء پر انھیں جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا۔''

جان لو! کہ یہ درجہ جسے ''درجۂ اخلاص'' کہا جاتا ہے یہ قدر و منزلت میں بہت عظیم ہے۔ اس کے محاسن بے شمار ہیں۔ اس کے معنی بہت دقیق ہیں۔ اس تک رسائی نہایت دشوار ہے جو اسے حاصل کرنا چاہتا ہے اس کی نظر دقیق ہونی چاہئے اور اس کے لئے درست فکر درکار ہے اور مکمل سعی و کوشش لازمی ہے او ر ایسا کیوں نہ ہو کہ اسی پر اعمال کی قبولیت کا دار مدار ہے اور اسی کے مطابق ثواب ملتا ہیں اور اسی کے ذریعہ عابد کی عبادت عالم کی مشقت اور مجاہد کی جد و جہد کا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔

۱۔ مجمع الزوائد، ج/۱، ص/۱۳۰. ۲۔ سنن دارمی، ج/۱، ص/۱۰۳.
۳۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۷، اور اس میں یہ روایت اس تبدیلی کے ساتھ ہے.

اگر انسان اپنے بارے میں غور وفکر سے کام لے اور اپنے عمل کی حقیقت کے بارے میں جستجو کرے تو اس میں اخلاص کا بہت کم اور بگاڑ کی خرابیاں اور موانع بہت زیادہ پائے گا بالخصوص طلب علم کی ابتداء میں؛ اس لئے کہ اس کا اکثر جذبہ، طلبِ جاہ ومنزلت، طلبِ مال اور شہرت ہوتا ہے اور یہ کہ اس کا شہرہ ہر طرف پھیل جائے، غالب آنے کی لذت، پیروکاروں کے سبب فرحت نصیب ہو اور یہ کہ ہر طرف اس کی تعریف وتوصیف کی جائے (جوش وخروش نظر آئے)

''وَیۡلٌ لِلۡعُلَمَاءِ السُّوۡءِ کَیۡفَ تلظی عَلَیۡهِمِ النَّارُ'' ''ویل ہو علماء سوء کے لئے ان کے لئے کیسی جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی۔''

ان جذبات کا ہونا یا نہ ہونا اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب معاصرین میں سے کوئی ایسا شخص ظاہر ہو جائے جو علم میں زیادہ اور بہتر حالت میں ہو اور وہ لوگوں کو اس سے برگشتہ کر کے اپنی طرف متوجہ کر لے تو اس وقت دیکھنا چاہئے پس اگر اس کا حال اس کی توقیر کرنے والے اور اس کے فضل کو تسلیم کرنے والے کے ساتھ زیادہ بہتر ہو اور وہ اس کا زیادہ احترام کرتے ہوں اور اس سے مل کر زیادہ خوش ہوتے ہوں اس کی بہ نسبت جو غیر کی طرف مائل ہو باجودیکہ وہ غیر، دوستی کا زیادہ حق دار ہو تو ایسا شخص مغرور کہلائے گا اور وہ اپنی دینداری میں دھوکا کھا گیا ہے اور اکثر اہل علم میں یہ دیکھا گیا ہے کہ وہ عورتوں کے مانند آپس میں اختلاف کرتے ہیں۔ ان پر یہ بات بہت شاق گذرتی ہے کہ ان کا کوئی شاگرد کسی دوسرے کے پاس چلا جائے جبکہ وہ اس بات سے اچھی طرح باخبر ہے کہ وہ شخص اس طالب علم کے لئے زیادہ سودمند ہے اور اس کے دین میں زیادہ فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

یہ ہلاکت میں ڈالنے والی صفات کے کچھ نمونے تھے جو رازوں کی طرح پنہاں رہتے ہیں، عالم یہ سمجھتا ہے کہ ان سے نجات حاصل کر لے گا اور وہ اس بارے میں غرور میں مبتلا رہتا ہے۔ ان علامتوں اور اس قسم کی باتوں سے یہ چیز کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

اور اکثر شیطان انھیں فریب میں مبتلا کر دیتا ہے اور ان سے کہتا ہے تمہارا مقصد دین خدا کو پھیلانا ہے اور رسول اللہ ﷺ جس شریعت کو لے کر آئے تھے اس کا دفاع کرنا ہے اور اگر علم حاصل کرنے کا سبب دین ہوگا تو اگر کوئی دوسرا شخص ظاہر ہو جو تعلیم میں حرف آخر ہو یا مددگار تو اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ وہ کافی ہو گیا اور اس مہم میں اُس نے اِس کی مدد کی اور اللہ نے زمین کے (اوتاد) مدار المہام کو بڑھایا اور مخلوقات کے

راہنماؤں اور اللہ کے دین اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کا درس دینے والوں میں اضافہ کر دیا۔

کچھ صاحبانِ علم جو مذکورہ بالا باتوں میں مبتلا نہیں ہوئے ہیں۔ وہ شیطان کے بہلاوے سے دھوکا کھا جاتے ہیں اور اپنے آپ سے یہ کہتے ہیں کہ اگر اس سے بہتر کوئی فرد نظر آ گئی تو وہ اس سے خوشی کا اظہار کریں گے۔ تجربہ اور آزمائش سے قبل اپنے نفس کو اس قسم کی خبر دینا ایک طرح کا غرور ہے۔ اس لئے کہ نفس وعدے میں بہت آسانی سے پھنس جاتا ہے پھر جب مصیبت میں پڑتا ہے تو بدل جاتا ہے اور پلٹ جاتا ہے اور وعدہ وفا نہیں کرتا مگر یہ کہ اللہ جن کی حفاظت کرے۔ اسے وہی شخص جان سکتا ہے جو نفس کی فریب کاریوں سے آشنا ہو اور وہ نفس کے ایسے امتحانات دے چکا ہو۔

جو شخص اپنے نفس میں اس قسم کے مہلک صفات کو محسوس کرے اس پر لازم ہے کہ وہ صاحبانِ دل سے اس کا علاج معلوم کرے۔ اگر ایسے افراد نہ ملیں تو ان کی تصنیف کردہ کتابوں کا مطالعہ کرے اور اگر ان دونوں کا فقدان ہو اور ان کے نشانات بھی نہ مل سکیں تو ایسی صورت میں اللہ سے مدد اور توفیق کی درخواست کرے۔ اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر رہے اور خواہشات نفسانی کے مقابلہ، استقامت اور گمنامی کو اختیار کرے۔

ممکن ہے شیطان یہاں پر ایک دوسرے راستہ سے آئے اور کہے کہ اگر یہ روش (گمنامی اور خانہ نشینی) رائج ہو گئی تو علوم مٹ جائیں گے اور مخلوقات کے درمیان دین ختم ہو جائے گا اس لئے کہ ایسے افراد کم ہیں جو ان چیزوں کی طرف متوجہ ہوں اور اخلاص سے آراستہ ہوں۔ باوجودیکہ دین کو باقی رکھنا بہت بڑی اطاعت ہے تو ایسے میں اسے یہ جواب دینا چاہئے کہ جب تک شیطان مخلوقات میں ریاست وجاہ کو محبوب بنا کر پیش کرے گا، اسلام نہیں مٹے گا اور چونکہ وہ قیامت تک اپنے عمل میں کوتاہی اور سستی نہیں کرے گا تو علم کو پھیلانے کے لئے ایسی قومیں اٹھتی رہیں گی جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو گا۔ جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''اِنَّ اللّٰهَ یُؤَیِّدُ هٰذا الدِّیْنَ بِاَقْوامٍ لا خَلاقَ لَهُمْ'' (۱)

''اللہ اس دین کی تائید ایسی قوموں کے ذریعہ کرے گا جن کا خیر میں کوئی حصہ نہیں ہے۔''

نیز ارشاد فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ یُؤَیِّدُ هٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ'' (۲)

۱۔ الکافی، ج/۵، ص/۱۹، کتاب الجہاد۔ ۲۔ احیاء علوم الدین، ج/۱، ص/۴۳۔

''اللہ اس دین کی مدد ایک مرد فاجر کے ذریعہ کرے گا۔''

عالم کے لئے کسی طرح یہ مناسب نہیں کہ وہ ان مشتبہ امور میں دھوکا کھائے اور مخلوقات سے ملنے جلنے میں مشغول ہو جائے یہاں تک کہ اس کے دل میں جاہ، تعریف اور تعظیم کی محبت پروان چڑھنے لگے اس لئے کہ یہ نفاق کا بیج ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''جاہ و مال کی محبت دل میں نفاق کو اسی طرح پیدا کرتی ہے جس طرح پانی سبزیوں کو اگاتا ہے۔''(۱)

ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ''اگر دو بھیڑیوں کو بھیڑوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیا جائے تو وہ اتنا نقصان نہیں پہنچائیں گے جتنا نقصان جاہ اور مال سے محبت کرنے والا مسلمان کے دین کو پہنچائے گا۔''(۲)

انھیں یہ فکر ہونی چاہئے کہ دل میں چھپی ہوئی ان عادات پر غور کریں اور ان سے بچ نکلنے کا طریقہ تلاش کریں اس لئے کہ ان عادات کے ذریعہ عالم اور طالب علم دونوں کے لئے فتنہ اور نقصان دوسری چیزوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہے اس لئے کہ اقتدا کرنے والا اسی کے مطابق کسی چیز کو اختیار کرتا یا ترک کرتا ہے، جاہل یہ کہتا ہے: ''اگر یہ بات قابل مذمت تھی تو علماء کے لئے اس سے اجتناب کرنا زیادہ بہتر تھا۔'' اس طرح وہ سب کے سب ناپسندیدہ عادات میں گرفتار ہو جائیں گے۔ لیکن دونوں گناہوں میں بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے اس لئے کہ جاہل روز قیامت صرف اپنے گناہ کے ساتھ آئے گا اور عالم اپنے گناہ کے ساتھ ساتھ اپنی پیروکاروں اور قیامت تک اس کی اقتدا کرنے والوں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہوگا جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے۔(۳)

مختصر یہ ہے کہ حقیقتِ اخلاص اور اس پر عمل کی معرفت ایک گہرا سمندر ہے جس میں سب غرق ہو جاتے ہیں سوائے شاذ اور نادر لوگوں کے جن کو قول خدا میں مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ ''اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِینَ''(۴) (سوائے تیرے خالص بندوں کے) بندے کو چاہئے کہ ان دقائق کو جاننے کے لئے بہت تلاش و جستجو کرے۔ اگر ایسا نہ کیا تو شیاطین کے پیروکاروں سے ملحق ہو جائے گا اور اسے پتا بھی نہ چلے گا۔

۱۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/۲۰۰۔
۲۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/۲۰۰۔
۳۔ تحف العقول، ص/۲۱۷
۴۔ الادب الخامس من آداب المعلم

۲) آہستہ آہستہ اپنی معلومات پر عمل کرنا

معلم و متعلم جو کچھ جانتے ہوں یکے بعد دیگرے اس پر عمل پیرا ہوں اس لئے کہ عاقل کا مقصد باتوں کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے اور جاہل کی غرض و غایت محض نقل کرنا ہوتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''علماء دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک ایسا عالم ہے جو علم کو حاصل کرتا ہے تو نجات پا جاتا ہے اور ایک ایسا عالم جو علم کو ترک کرتا ہے تو ہلاک ہو جاتا ہے اور جہنمی ایسے عالم کی بدبو سے اذیت محسوس کریں گے جو اپنے علم کو ترک کرتا ہے اور جہنم میں جانے والوں میں سب سے زیادہ حسرت و ندامت اس شخص کو ہوگی جس نے کسی بندے کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب دعوت دی اور اس نے اس کی دعوت قبول کر لی اور اللہ کی اطاعت کرنے لگا اللہ اسے جنت میں داخل کر دے گا اور دعوت دینے والے کو علم ترک کر دینے کی بنیاد پر جہنم میں ڈال دے گا اور اس لئے بھی کہ اس نے خواہشات کی پیروی کی اور اپنی آرزوؤں کو بڑھاتا رہا۔ خواہشات کی پیروی حق سے روک دیتی ہے اور لمبی آرزوئیں آخرت کو بھلا دیتی ہیں۔(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''اگر عالم اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا ہے تو اس کی پند و نصیحت دلوں سے ایسے ہی پھسل جاتی ہے جس طرح بارش چٹان پر نہیں ٹھہرتی۔''(۲)

ایک شخص امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور آپؑ سے کچھ مسائل دریافت کئے اور آپؑ نے ان کا جواب مرحمت فرمایا۔ وہ اسی قسم کے سوال دریافت کرنے کے لئے دوبارہ آیا تو امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: ''انجیل میں یہ تحریر ہے کہ اگر تم نے ابھی اپنے گذشتہ علم پر عمل نہیں کیا ہے تو زیادہ جاننے کا مطالبہ نہ کرو اس لئے کہ اگر علم کو عمل کا لباس نہ پہنے تو وہ صاحب علم کے کفر میں اضافہ کرتا ہے اور اللہ سے اس کی دوری بڑھتی چلی جاتی ہے۔''(۳).

مفضل بن عمر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ نجات پانے والے کو کیسے پہچانا جائے گا؟ تو امامؑ نے فرمایا: ''جس کا عمل اس کے قول کے مطابق ہو تم اس کی گواہی کو مستند جانو اور جس کا عمل اس کے قول سے ہم آہنگ نہ ہو تو وہ صرف امانتدار ہے'' (یعنی ایمان کو اس کے پاس بطور امانت رکھا گیا ہے، رکنے والا نہیں ہے)(۴)

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۴.
۲۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۴.
۳۔ الکافی.
۴۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۵.

امیر المومنین علیہ السلام نے منبر سے ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! جب تمھیں کسی بات کا علم ہو جائے تو علم کے مطابق عمل کرو تا کہ ہدایت پا سکو، اس لئے کہ وہ عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا اس جاہل کی مانند ہے جو حیران و سرگردان ہے۔ ابھی اپنی جہالت کے نشے میں چور ہے۔ بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کے خلاف بہت بڑی حجت ہے اور اس کی حسرت دائمی ہے کہ وہ اپنے علم سے الگ ہو گیا ہے اس جاہل کے مقابلہ میں جو جہل میں سرگرداں رہتا ہے۔ یہ دونوں ہی حسرت زدہ اور ہلاکت میں پڑے ہوئے ہیں۔''(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! علم کیا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''خاموش رہنا۔ اس نے پوچھا: اس کے بعد کیا ہے؟ یا رسول اللہ فرمایا۔ سننا پھر پوچھا اس کے بعد کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اسے یاد کرنا۔ پھر دریافت کیا: اس کے بعد کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس پر عمل کرنا۔ دریافت کیا: اس کے بعد؟ آپؐ نے فرمایا: اس علم کو پھیلانا۔ (۲)

ابو بصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے امامؑ نے فرمایا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ''اے طالب علم! علم یقیناً بہت زیادہ فضیلتوں کا حامل ہے اس کا سر تواضع ہے، اس کی آنکھیں حسد سے بیزاری ہے، اس کے کان فہم و فراست ہے، اس کی زبان سچائی ہے، اس کی حفاظت جستجو ہے، اس کا دل حسن نیت ہے، اس کی عقل اسباب اور امور کی معرفت ہے۔ اس کے ہاتھ رحمت ہیں۔ اس کے پاؤں علماء کی زیارت ہے۔ اس کا حوصلہ سلامتی ہے۔ اس کی حکمت پرہیزگاری ہے۔ اس کا ٹھکانا نجات ہے۔ اس کا سپہ سالار عافیت ہے۔ اس کی سواری وفاداری ہے۔ اس کا ہتھیار نرم گفتاری ہے۔ اس کی تلوار اطمینان ہے۔ اس کی کمان مدارات ہے۔ اس کا لشکر علماء سے گفتگو ہے۔ اس کا سرمایہ ادب ہے۔ اس کا ذخیرہ گناہوں سے بچنا ہے۔ اس کی چادر نیکی کرنا۔ اس کی پناہ گاہ امانت رکھنا ہے۔ اس کی راہنما ہدایت ہے اور اس کا رفیق اور ساتھی پسندیدہ لوگوں سے محبت ہے۔''(۳)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک طولانی حدیث میں عنوان بصری سے فرمایا: ''زیادہ پڑھنے پڑھانے سے علم نہیں آتا ہے بلکہ وہ ایک نور ہے اللہ جس کی ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کے دل میں اسے ڈال دیتا ہے

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۵۔ ۲۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۷۔۴۸۔ ۳۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۵۔

اگر تمھیں علم حاصل کرنا ہو تو پہلے اپنے نفس میں بندگی کی حقیقت کو تلاش کرو، اور پھر اسے عملی جامہ پہنا کر علم طلب کرو اور اللہ سے فہم وفراست طلب کرو وہ تمھیں سمجھ دے گا۔‘‘(۱)

☆☆☆☆☆

یہ سمجھ لو کہ علم ایک درخت کی مانند ہے اور عمل اس کا پھل ہے اور پھل دار درخت سے کوئی پھل کے سوا اور کیا چاہتا ہے۔ علم کی اصلی غرض عمل مطلق ہے اس لئے کہ تمام علوم کی بازگشت دو چیزوں کی جانب ہوتی ہے: ایک علم معاملت اور دوسرے علم معرفت ۔ علم معاملت حلال وحرام اسی قبیل کے دوسرے احکام کی معرفت کا نام ہے نیز نفس کے پسندیدہ اور ناپسندیدہ اخلاق اور ان کے علاج کی کیفیت اور اس سے راہ فرار اسی علم کے ذیل میں آتے ہیں۔

اور علم معرفت اللہ تعالیٰ، اس کے صفات اور اسماء کا علم ہے ان کے علاوہ جتنے بھی علوم ہیں وہ یا تو ان دونوں کے آلات ہیں یا ان سے مراد کسی نہ کسی کام کو بجالانا ہے جو بھی اس کا متلاشی ہے اس پر یہ تقسیم بندی مخفی نہیں ہے۔

جہاں تک امور معاملت کا تعلق ہے اس کا مقصود ان پر عمل پیرا ہونا ہے بلکہ اگر عملی حیثیت نہ ہوگی تو ان کی کوئی قدر قیمت نہ رہے گی۔ ارشاد باری ہے: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾ (یقیناً فلاح پا گیا جس نے نفس کو پاکیزہ رکھا) اللہ نے یہ نہیں فرمایا ’’قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَعَلَّمَ كَيْفِيَّةَ تَزْكِيَتِهَا وَ كَتَبَ عِلْمَهَا وَ عَلَّمَهَا النَّاسَ ‘‘ (وہ فلاح پا گیا جس نے پاکیزگی کی کیفیت کا علم حاصل کر لیا اور اس کے علم کو تحریری شکل دے دی اور اسے انسانوں کو سکھا دیا)

اب رہا اللہ تعالیٰ کی معرفت کا علم اور وہ علم جن پر علوم عقلیہ کا انحصار ہے تو اس علم کے جاننے اور عمل کو ترک کرنے والے اور امر خداوندی اور حدود الٰہی کو ضائع کرنے والے کی مثال ایسے شخص کی ہے جو کسی بادشاہ کی ملازمت اختیار کرنا چاہتا ہے، وہ بادشاہ کو پہچانتا ہے اس کے اخلاق، اس کی خوبیوں، اس کی عادتوں اور اس کی بزم سے آشنا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ بادشاہ کی پسند اور ناپسند کیا ہے۔ وہ کس چیز سے غضب ناک ہو جاتا ہے اور یہ ہر اس شے سے عاری ہوتا ہے جسے بادشاہ پسند کرتا ہے جیسے پوشاک، حلیہ، نشست و برخاست وغیرہ۔ ایسا شخص بادشاہ کے حضور میں آتا ہے اور اس کے تقرب کا خواہاں ہے اور اس

۱۔ بحار الانوار، ج/۱، ص/۲۲۴.

کے خواص میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ بادشاہ جن چیزوں کو ناپسند کرتا ہے ان سے آلودہ ہے اور وہ جس چیز کو پسند کرتا ہے یہ ان سے عاری ہے۔ اس نے بادشاہ سے تقرب کا وسیلہ جان پہچان، نسب، نام شہر شکل وصورت اور غلاموں کے ساتھ اس کے سلوک اور رعایا کے معاملات کو قرار دیا ہے بلکہ دونوں قسم کے عالم کی مثال ایک ساتھ دی جارہی ہے، جس کو وہ پہچانتا ہے اگر اسے ترک کر دیا ہے تو یہ سراسر فریب اور دھوکا ہے اور اگر یہ عالم جو کچھ جانتا ہے اسے ترک کر کے صرف معمولی معرفت کی بنیاد اور اسے کیا پسند ہے اور کیا، ناپسند ہے کو بنیاد بنا کر عمل پیرا ہو جائے تو یہ مقصود تک پہنچنے اور خواص میں شامل ہونے کے لئے قریب ترین راستہ ہے۔ اس کا عمل میں کوتاہی کرنا اور خواہشات کی پیروی کرنا اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ اس پر معرفت کے عنوان سے سوائے نام کے حقیقت کا انکشاف نہیں ہوا ہے اس لئے کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا حق ادا کرتا تو اس کا خوف اور تقویٰ اس کے قریں ہوتا جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے متنبہ کیا ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓءُ﴾ (۱) "اللہ کے بندوں میں علماء خوف خداوندی رکھتے ہیں۔"

اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی عاقل شیر کو پہچانتا ہو اور اس سے بچنے کی تدبیر نہ کرے اور نہ ہی اس سے ڈرے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام پر وحی کی: "خَفْنِي كَمَا تَخَافُ السَّبُعَ الضَّارِي."

"اے داوٗد تم مجھ سے اسی طرح ڈرو جس طرح تم شکاری درندوں سے ڈرتے ہو۔" (۲)

ہاں اگر کوئی شیر کا رنگ، صورت اور نام جانتا ہو اور وہ اس سے نہیں ڈرتا اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو شیر کو بالکل نہیں جانتا۔ زبور کے شروع میں ہے کہ:

"رَأْسُ الْحِكْمَةِ خَشْيَةُ اللهِ تَعَالىٰ" (۳)

"حکمت کا سرمایہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔"

اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۱) "مَنِ ازْدَادَ عِلْماً وَلَمْ يَزْدَدْ هُدًى لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللهِ اِلَّا بُعْداً"

"جس کے علم میں اضافہ ہو اور ہدایت میں کوئی اضافہ نہ ہو تو ایسا شخص اللہ سے دور ہوتا جاتا ہے۔" (۴)

۱۔ سورۂ فاطر/ ۲۸.
۲۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/ ۳۳۵.
۳۔ احیاء علوم الدین.
۴۔ بحار الانوار، ج/۲، ص/ ۳۷.

۲) ''یُلْقَی الْعَالِمُ فِی النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُهُ فَیَدُوْرُ بِهَا کَمَا یَدُوْرُ الْحِمَارُ فِی الرَّحَاءِ''

''عالم کو جہنم میں ڈالا جائے گا اس کی آنتیں باہر نکل رہی ہوں گی اور وہ اس طرح چکر لگا رہا ہوگا جس طرح گدھا رہٹ کے گرد چکر لگاتا ہے۔''(۱)

۳) ''شَرُّ النَّاسِ الْعِلْمَاءُ السُّوْءُ''

''تمام انسانوں میں بدترین، علمائے سوء ہیں۔''(۲)

۴) ''اَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَاباً یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَالِمٌ لَمْ یَنْفَعْهُ اللّٰهُ بِعِلْمِهٖ''

''تمام انسانوں میں شدید ترین عذاب قیامت کے دن ایسے عالم پر ہوگا جس کا علم خداوند عالم کے نزدیک فائدہ مند نہیں ہے۔''

یہ اور اس قسم دیگر کی احادیث جو ہم نے پہلے بیان کی ہیں وہ حد و حساب سے باہر ہیں اور جس ہستی نے علم کی فضیلت سے مطلع کیا ہے اسی نے ایسے علماء کی مذمت بھی کی ہے جو اپنے عمل میں علم کے باوجود کوتاہی کرتے ہیں اور ان کا حال اللہ کے نزدیک جاہلوں کے حال سے بدتر ہے: ﴿أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ﴾(۳) ''کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔''

شریعت کے ظاہری امور کو تسلیم کرنے کے بعد بھی عمل میں عامل کی کوتاہی کے بہت سے مراتب ہیں اس لئے اس پر جن چیزوں کا بجالانا واجب ہے ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا ہے چہ جائے کہ غیر واجب امور بلکہ وہ چیزیں جو ان ابواب سے خارج ہیں جنھیں فقہاء نے مرتب کیا ہے، ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور ان کی معرفت لازم ہے وہ اخلاقی رذائل اور برائیاں ہیں جن سے نفس کو پاک کرنا ضروری ہے جیسے تکبر، ریاکاری، حسد اور کینہ وغیرہ جو ہلاکت میں ڈالنے والے رذائل ہیں جنھیں علم الاخلاق کی کتابوں میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح زبان کو غیبت، چغل خوری، دوغلے پن اور مسلمانوں وغیرہ کے عیوب بیان کرنے سے محفوظ رکھنا اور یہی قول تمام اعضائے جسمانی کے لئے ہے کہ ان کے لئے کچھ خاص احکام ہیں اور کچھ گناہ ہیں جو ان کے مناسب مقام پر بیان ہوئے ہیں۔ ہر فرد پر لازم ہے کہ انھیں جانے اور حکم کو بجالائے۔ یہ ایسے واجبات ہیں جنھیں فقہی کتابوں کے کتاب تجارت اور کتاب اجارہ وغیرہ میں بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس سلسلے میں حقیقت آشنا علمائے باعمل سے رجوع کرنے ضرورت ہے اور اس بارے

۱۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/۳۳۴. ۲۔ احیاء علوم الدین، ج/۲، ص/۳۳۴. ۳۔ سورۂ بقرہ/۸۵.

میں ان کی مرتب کردہ کتب کا مطالعہ ضروری ہے۔ کس قدر سخت ہے علماء کا رسمی علوم کی طرف توجہ دینا اور اپنی اصلاح اور اپنے پروردگار کو خوشنود کرنے سے غافل ہو جانا!

ایسے لوگوں کی مثال اس مریض کی ہے جو علاج کا نسخہ کا حاصل کر کے اسے دہرانے اور یاد کرنے میں مشغول ہے بلکہ ان کی مثال تو ایسے شخص کی ہے جو ہذیانی بیماری میں مبتلا ہو اور ہلاکت کے قریب پہنچ چکا ہو اسے اس کی دوا کا علم اور اس کا استعمال آنا چاہئے لیکن وہ اس کی بجائے استحاضہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں مصروف ہو جائے اور رات دن اسی میں پڑا رہے یہ جانتے ہوئے کہ یہ مرد ہے اسے حیض واستحاضہ سے واسطہ نہیں ہے لیکن یہ کہتا ہے کہ ہوسکتا ہے کوئی حائضہ عورت مجھ سے یہ سوال کر لے۔ یہی انتہائی غفلت ہے کہ ایسی دوا کے بارے میں علم سے دوری اختیار کرتا ہے: جس کا استعمال اس کی بیماری کو دور کردے گا اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا غیر متعلق امور میں منہمک ہو جاتا ہے اور یہی مثال اس فقیہ کی ہے جس پر خواہشات مسلط ہو جاتی ہیں اور وہ ہمیشہ زندہ رہنے کے خواب دیکھتا ہے۔ اس میں حسد، ریاکاری، غضب، بغض اور ایسے اعمال کے بارے میں خود پسندی پیدا ہو جاتی ہے جنھیں وہ صالحات میں سے سمجھتا ہے اگر ان کے باطن میں جھانک کر دیکھے تو انھیں واضح نافرمانیوں میں سے پائے گا اور ایسے مسکین کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان اقوال کی جانب متوجہ ہونا چاہئے: ''اَدْنَی الرِّیَاءِ شِرْکٌ'' (معمولی ترین ریاکاری بھی شرک ہے)(۱)

۵) ''لا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ فِی قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْر''

''اگر کسی شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو تو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔''(۲)

۶) ''اَلْحَسَدُ يَاكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ''

''حسد اچھائیوں کو اسی طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو جلا دیتی ہے۔''(۳)

۷) ''حُبُّ الْمَالِ وَ الشَّرَفِ يُنْبِتَانِ النِّفَاقَ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ''

''مال اور جاہ کی محبت نفاق کو اس طرح پروان چڑھاتی جس طرح پانی سبزیوں کو۔''(۴)

ان علوم کی غرض ـــــ اگر ان سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ادارہ کیا جائے اور اس کے ثواب عظیم کو

۱۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/ ۳۳۵.
۲۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/ ۳۳۵.
۳۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/ ۳۳۵.
۴۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/ ۳۳۵.

حاصل کرنا مقصود ہو ـــــ تو یہ واجب کفائی ہیں اور واجب عینی کو انجام دینے کے بعد کے مرتبہ میں آتے ہیں۔
پس اگر اس فقیہ کا مقصد رضائے خداوندی ہو تو وہ علوم کی ترتیب میں اہم ترین اور زیادہ سے زیادہ مفید علوم میں اپنا وقت صرف کرے گا اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ یا تو غافل اور مغرور ہے یا ریا کار جو اپنی دینداری میں دھوکا کھا گیا ہے اور ریاست، بلند مرتبت، جاہ و متاع کا خواہاں ہے ایسے موقع پر تنبیہ کرنا لازم ہے تا کہ اس کی نفسانی بیماری کا علاج ہو جائے قبل اس کے کہ یہ چیزیں تقویت حاصل کرلیں اور اسے ہلاک کرڈالیں۔
یہ بھی جان لینا چاہئے کہ صرف ان مروجہ مسائل سے واقف ہو جانا ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک فقہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے بارے میں فقہ یہ ہے کہ اس کی جلالت وعظمت کا ادراک کیا جائے اور یہ ایسا علم ہے جو ہیبت اور خشوع پیدا کرتا ہے اور تقویٰ تک لے جاتا ہے، خوف دلاتا اور حزن والم کو ابھارتا ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس جانب توجہ دلاتی ہے: ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ﴾ (توبہ/١٢٢)
ہر گروہ میں سے ایک جماعت اس کام کے لئے کیوں نہیں نکلتی ہے تا کہ دین کا علم حاصل کرے اور پھر جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کر آئے تو انھیں عذاب الٰہی سے ڈرائے کہ وہ شاید اس طرح ڈرنے لگیں۔
سب سے اہم علم اللہ تعالیٰ کی طرف لے جانے والے راستے کی معرفت ہے اور دل کی دشوار گزار گھاٹیوں کا کاٹ دینا ہے جو قابل مذمت صفات میں سے ہیں اور یہ عبد و معبود یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے مابین حجاب ہے اسی سبب سے علم کو خشیت خداوندی کا موجب سمجھا جاتا ہے بلکہ خشیت کو عالم میں منحصر کردیا گیا ہے جس طرف اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہماری توجہ مبذول کرائی ہے کہ: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ "بے شک اللہ کے بندوں میں خشیت خدا رکھنے والے علماء ہوتے ہیں۔"
اور ایسے فقیہ کی مثال جو صرف رائج علم فقہ پر اکتفا کرتا ہے ایک ایسے شخص کی ہے جو صرف مشکیزہ اور رموزے کو رفو کرنا جانتا ہے اور حج کے لیے روانہ ہو گیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یہ علم نہ ہو تو حج میں تعطل پیدا ہو سکتا ہے لیکن صرف اسی بات پر انحصار کرنے والے کا حاجیوں سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ شخص ان علوم کو حاصل نہ کرے تو احکامات کی معرفت معطل ہو جائے گی۔ لیکن جیسا ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں ـــــ یہ فی نفسہ نجات دہندہ نہیں ہیں بلکہ یہ ایک مقدمہ ہے مقصد ذاتی کے لئے۔
ان فقہاء کی مثال ایک ایسے بادشاہ کی ہے جس نے کچھ غلام حاصل کئے اور انھیں گھر کے اندر داخل

ہونے کا حکم دیا اور خدمت میں مشغول ہونے کے لئے کہا۔ نیز یہ کہ وہ اپنے کو ایسا مکمل بنائیں جو اس کی جناب میں نزدیکی کا باعث بن جائے اور ایسے امور سے اجتناب کریں جو اس سے دوری کا سبب ہو۔ جب وہ بادشاہ انھیں گھر کے اندر لے آیا تا کہ وہ اپنے اپنے فرائض کو انجام دیں تو وہ لوگ گھر کی دیواروں کو دیکھنے لگے۔ اس کی زمین اور چھت کو دیکھنے میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ وہ انھی چیزوں کو دیکھتے دیکھتے مرکھپ بھی گئے اور انھوں نے یہ نہیں جانا کہ اس گھر میں انھیں کون سے امور انجام دینے تھے۔ اب بتاؤ ان کی کیا حالت ہوگی ان کے آقا کے نزدیک جس نے انھیں نعمتوں سے نوازا، ان پر بڑے بڑے احسانات کئے لیکن ان لوگوں نے نہ صرف یہ کہ اس کی اطاعت میں اتنی بڑی کوتاہی کی بلکہ بہت ہی شرم ناک معصیت میں بھی گرفتار ہو گئے۔

سمجھ لو کہ ان سب کی مجموعی مثال ایک ایسے گھر کی ہے جس کا اندرونی حصہ تاریک ہے۔ اس کی چھت پر چراغ رکھا ہوا ہے تا کہ اس کا ظاہری حصہ روشن ہو جائے بلکہ اس کی مثال غلاظت کے کنویں کی سی ہے جس کا ظاہر پختہ ہے اور باطن بدبودار ہے یا مردوں کی قبر کی طرح ہے جس کا ظاہر آراستہ و پیراستہ ہے اور باطن میں مردار ہے اور ایسے شخص کی مثال ہے جو اپنے گھر پر بادشاہ کو مہمان بلانا چاہتا ہے اور اس نے اپنے گھر کے دروازے پر تو رنگ و روغن کر دیا لیکن صدر دروازے پر گندگی کا ڈھیر رہنے دیا اور سب کھلا دھوکا ہے۔ بلکہ اس کی قریب ترین مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے بیج بویا اور اناج اگایا اور اس کے ساتھ گھاس پھونس بھی اگ گیا جو اناج کو فاسد کرنے کا موجب ہوگا۔ اس نے حکم دیا کہ گھاس پھونس کو جڑ سے اکھاڑ کر فصل کو صاف کر دیا جائے لیکن اس نے صرف اوپر سے کاٹنا شروع کیا اس طرح اس کی جڑ مضبوط ہوتی گئی اور اس نے اپنی جگہ بنا لی۔ اس لئے کہ خامیوں کی کھیتیاں اور رذائل کے پودے درحقیقت دل کی بری عادتوں سے عبارت ہے۔ اگر کوئی اپنے دل کو ان سے پاک صاف نہیں کرے گا تو وہ ظاہری اطاعت بھی نہ کر سکے گا مگر بہ ہزار مشکلات۔ بلکہ اس کی مثال ایک مریض کی سی ہے جسے خارش ہو جائے اس سے مرہم لگانے اور دوا پینے کے لئے کہا جائے مرہم اس لئے کہ اس کا ظاہر ٹھیک ہو جائے اور دوا اس لئے کہ وہ خارش کے مادے کو اندر سے جڑ سے اکھاڑ دے اگر یہ مریض مرہم لگانے پر اکتفا کر لے اور دوا نہ پیئے تو اندر جو مادہ ہے وہ باقی رہ جائے گا یہ صرف مرہم لگاتا رہ جائے گا اور مادہ اندر ہی اندر پروان چڑھتا رہے گا یہاں تک اسے ہلاک کر دے گا۔

ہم اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے نفوس کی اصلاح کردے اور ہمیں ہمارے عیوب سے آگاہ کردے اور ہمارے علم سے ہمیں فائدہ پہنچائے اور اس علم کو ہمارے خلاف ثبوت اور دلیل قرار نہ دے اس لئے کہ یہ سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

۳) ہر حال میں خدا پر توکل کرنا

استاد اور شاگرد دونوں پر لازم ہے کہ اپنے نفس کو رذائل سے پاک وپاکیزہ بنانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی جانب اپنے آپ کو متوجہ کریں اور اپنے امور میں اس پر توکل کریں اور اللہ کے فیض وکرم کو حاصل کریں اس لئے کہ علم جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے کلام سے مذکور ہوا: ''زیادہ علم صرف حاصل کرنے سے نہیں آتا بلکہ وہ ایک نور ہے اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت کرنا چاہتا ہے اس نور کو اس پر نازل کردیتا ہے۔'' اور یہ کہ خدا پر توکل کریں۔ اپنے امور کو اسی کے سپرد کردیں۔ اسباب پر بھروسا نہ کریں کہ اگر اسباب کے سپرد کردیئے گئے تو یہ ان کے لئے وبال بن جائیں گے اور نہ ہی مخلوقات میں سے کسی پر بھروسا کریں بلکہ رزق اور دیگر امور میں اپنی کنجی اللہ کے حوالے کردیں تاکہ اس پر اللہ کی برکتوں کی خوشبو کا ظہور ہوجائے اور اس کے کرم کی نظر ہوجائے تاکہ اس کی کجی دور ہوجائے، مطلب حاصل ہوجائے اور امر کی اصلاح ہوجائے۔

ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیا ہے:

''اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ قَدْ تَکَفَّلَ لِطَالِبِ الْعِلْمِ بِرِزْقِہٖ خَاصَّۃً عَمَّا ضَمَّنَہٗ لِغَیْرِہٖ''(۱)

''بے شک اللہ تعالیٰ طالب علم کے لئے مخصوص رزق کی ضمانت دیتا ہے جو اس نے اس کے علاوہ کے لئے نہیں دی ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ دیگر افراد عام طور سے رزق کے لئے سعی وکوشش کے محتاج ہیں تاکہ اس کا زیادہ سے زیادہ حصہ حاصل کرسکیں اور طالب علم کو اس بات کے لئے مکلّف نہیں بنایا گیا بشرطیکہ اس کی نیت اچھی ہو، عزم میں خلوص ہو تو اللہ اس کے رزق کا ذمہ دار ہے۔

اور میرے پاس اس بارے میں ایسے واقعات اور حقائق ہیں اگر میں ان سب کو جمع کردوں تو وہ اتنے زیادہ ہیں کہ اللہ کے علاوہ انھیں کوئی نہیں جانتا کہ مجھ پر اللہ کا کس قدر کرم ہے اور کیسی عمدہ امداد ہے میں

۱۔ کنز العمال، ج/۱۰، ص/۱۳۹.

نے جب سے اپنے آپ کو حصول علم میں مصروف کر دیا ہے یعنی وہ نویں صدی کی تیسری دہائی کے آغاز سے اب تک یعنی ۱۵ رمضان المبارک ۹۵۳ھ تک ہے شنیدہ کے بود مانند دیدہ ''سنی ہوئی بات مشاہدہ کی مانند نہیں ہوتی۔''

ہمارے استاد محمد بن یعقوب کلینی قدس اللہ روحہ اپنی سند سے حسین بن علوان سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ہم ایک نشست میں علم حاصل کر رہے تھے کہ اس سے پہلے ایک سفر کے دوران میرا نفقہ ختم ہو گیا تھا۔ میرے ایک ساتھی نے دریافت کیا کہ تمھیں پیش آئی ایسی حالت میں کس کی امید ہے؟ میں نے جواب دیا: فلاں شخص کی۔ اس نے کہا: تب تو تمھاری حاجت پوری ہونے والی نہیں اور نہ ہی تم اس سے اپنی آرزوؤں کو پا سکو گے اور نہ ہی اس سے اپنی خواہشات کی تکمیل کر سکو گے میں نے کہا: اللہ تم پر رحمت نازل کرے تم یہ کس طرح جانتے ہو؟ اس نے کہا: مجھ سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان کیا کہ آپ نے کسی کتاب میں پڑھا ہے:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مجھے قسم ہے عزت وجلال، علو مرتبت اور عرش پر بلندی کی کہ جو بھی میرے غیر سے امید رکھے گا میں اس کی امید کو ناامیدی کے ذریعہ ختم کر دوں گا اور لوگوں کے نزدیک اسے ذلت کا لباس پہنا دوں گا، میں اسے اپنی قربت سے دور کر دوں گا اور میرا وصل اس سے دور ہو جائے گا۔ کیا وہ مشکلات کے وقت میرے غیر سے امید رکھتا ہے جب کہ تمام مشکلات میرے قبضہ میں ہیں۔ کیا وہ میرے غیر سے تمنا کرتا ہے اور سوچ سمجھ کر میرے غیر کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے جبکہ دروازوں کی کنجیاں میرے پاس ہیں۔ دوسرے دروازے بند ہیں صرف میرا دروازہ دعا کرنے والے کے لئے کھلا ہوا ہے۔

کیا کوئی ایسا ہے جو مصائب زندگی میں میری طرف امید بھری نظروں سے دیکھے اور میں اس کی (جائز) امید کو بر نہ لاؤں۔

کیا کوئی فرد کسی عظیم کام کے لئے مجھ سے آرزو کرے اور میں اس کی امیدوں کو منقطع کر کے اسے ناامید کر دوں؟ میں نے اپنے بندوں کے اعمال اپنے پاس محفوظ رکھے لیکن وہ لوگ میری اس حفاظت پر راضی نہیں ہیں اور میں نے اپنے آسمانوں کو ایسی مخلوقات سے بھر دیا ہے جو میری تسبیح کرتے ہوئے تھکتے نہیں ہیں اور میں نے انھیں حکم دیا ہے کہ میرے اور میرے بندوں کے درمیان دروازوں کو کبھی بند نہ کریں۔ لیکن یہ بندے میرے وعدے پر بھروسا نہیں کرتے۔

کیا انھیں معلوم نہیں ہے کہ اگر ان پر کوئی مصیبت آپڑے تو اسے میرے علاوہ کوئی اور دور نہیں کر سکتا الا یہ کہ میں اسے اجازت دے دوں۔

اسے کیا ہو گیا کہ میں اسے اپنے آپ سے غافل پاتا ہوں؟! میں نے اسے اپنے کرم سے بن مانگے دیا پھر اس سے چھین لیا لیکن اس نے اسے لوٹانے کا مطالبہ نہیں کیا اور میرے غیر سے مانگنے لگا۔ کیا وہ یہ سمجھتا نہیں ہے کہ جب میں اسے مانگنے سے پہلے عطا میں پہل کرتا ہوں تو جب وہ مجھ سے مانگے گا تو کیا میں اس کی حاجت روائی نہیں کروں گا؟! کیا میں بخیل ہوں کہ میرے بندے نے مجھے چھوڑ دیا ہے؟ کیا جود و کرم میرا شیوہ نہیں؟ کیا عفو و رحمت میرے اختیار میں نہیں؟ کیا میں تمناؤں کا محور نہیں؟ انھیں مجھ سے کون منقطع کر سکتا ہے؟

جن لوگوں نے دوسروں سے امیدیں لگا رکھی ہیں کیا انھیں خوف خدا نہیں ہے؟ اگر آسمان و زمین کے تمام باشندے مجھ سے کسی شے کی آرزو کریں اور جس نے جو آرزو کی ہے اسے میں عطا کر دوں تو پھر بھی میری حکومت میں ذرہ برابر کمی واقع نہیں ہوگی۔ بھلا کیسے کمی ہو سکتی ہے جب کہ میری ہی وجہ سے وہ قائم ہے پس جو میری رحمت سے ناامید ہیں اور میری نافرمانی کر رہے ہیں اور میری جانب متوجہ نہیں ہیں ایسے لوگوں کا انجام برا ہے اور وہ بدنصیب ہیں۔ (۱)

شیخ محترم رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری سند سے سعید بن عبدالرحمن سے بھی یہ روایت تحریر کی ہے اور اس روایت کے آخر میں ہے: میں نے عرض کی: اے فرزند رسول خدا! آپ یہ حدیث مجھے لکھوا دیجئے تو حضرتؑ نے مجھے لکھوا دی۔ میں نے کہا: خدا کی قسم آج کے بعد اپنی حاجت لے کر اس شخص کے پاس نہیں جاؤں گا۔ (۲)

میں کہتا ہوں کہ تمھارے لئے یہ کلام جلیل کافی ہے جس کا نور مطلع نبوت سے افق امامت پر جانب قدسی سے ظاہر ہو رہا ہے جو اللہ پر توکل کرنے اور امور کو اس کے سپرد کر دینے اور تمام مشکلات میں اسی پر اعتماد کرنے پر ابھار رہا ہے۔ اس مقام پر اس سے زیادہ جامع کوئی دوسرا کلام نہیں ہے۔

۱۔ الکافی، ج/۲، ص/۶۶.   ۲۔ الکافی، ج/۲، ص/۶۷.

۴) حسن خلق

اخلاق حسنہ سے آراستہ ہونا، تواضع اور مکمل مدارات اور کمال نفس تک رسائی کے لئے سعی بلیغ کرنا۔

معاویہ بن وہب نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

''اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَ تَزَيَّنُوا مَعَهُ بِالْحِلْمِ وَالْوِقَارِ وَ تَوَاضَعُوا لِمَنْ تُعَلِّمُونَهُ الْعِلْمَ وَ تَوَاضَعُوا لِمَنْ طَلَبْتُمْ مِنْهُ الْعِلْمَ وَلَا تَكُونُوا عُلَمَاءَ جَبَّارِينَ فَيَذْهَبَ بَاطِلُكُمْ بِحَقِّكُمْ''

''علم حاصل کرو اور اس کے ساتھ ساتھ حلم و وقار سے آراستہ ہو جاؤ۔ اس کے ساتھ متواضع رہو جسے تم پڑھ رہے ہو اور اس سے بھی متواضع رہو جس سے تم نے علم حاصل کیا ہے اور علمائے جبارین (قہر و غضب والے) میں سے نہ بنو اگر ایسا ہوا تو باطل تمھارے حق کو ختم کر دے گا۔''(۱)

حلبی نے ایک صحیح السند حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے آپؑ نے فرمایا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

''کیا میں تمھیں اس فقیہ کے بارے میں بتاؤں جو صحیح معنی میں فقیہ ہے؟ جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ کرے اور انھیں عذاب خداوندی سے محفوظ قرار نہ دے اور انھیں اللہ کی نافرمانی کی اجازت نہ دے جو غیر قرآن پر مائل ہو کر قرآن کو ترک نہ کرے۔ اس علم میں کوئی خیر نہیں جس میں فہم نہ ہو، ایسی قرائت میں کوئی خیر نہیں ہے جس میں تدبر نہ ہو اور ایسی عبادت میں کوئی خیر نہیں ہے جس میں تفکر نہ ہو۔''(۲)

آگاہ ہو جاؤ کہ جو بھی علم کا لباس زیب تن کرتا ہے اس کی جانب توجہ مبذول کی جاتی ہے اور لوگ اس کے فعل و قول اور ہیئت (لباس، شکل و صورت) کی پیروی کرتے ہیں۔ ایک عارف نے کہا ہے: عام لوگ لباس علم پہننے والے سے مرتبہ میں بہر حال کم ہوتے ہیں اور اگر عالم متقی پرہیز گار اور نیکو کار ہو تو عام لوگ مباح عمل انجام دیتے ہیں اور اگر عالم مباح عمل انجام دیتا ہو تو عام لوگ شبہات میں پڑے رہتے ہیں اور اگر عالم شبہات والے کام کرتا ہے تو عام لوگ حرام میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اگر عالم حرام میں مبتلا ہو جائے تو عوام کفر اختیار کر لیتے ہیں ـــــ اے کاش ایسا ہوتا ـــــ کہ جب وہ ہلاک ہو جاتا تو اس کا عمل بھی منقطع ہو جاتا ہے اور اس کا گناہ ختم ہو جاتا لیکن وہ باقی ہے جب تک اس کی پیروی کرنے والے اور اس کی روش پر چلنے والے موجود ہیں۔ اس بات کی صداقت کے لئے یہی کافی ہے کہ نقل اقوال کے علاوہ مشاہدات اور صحیح

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۶ ۲۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۶

معلومات بھی اسی بات کی نشان دہی کرتی ہیں۔

۵) بلند ہمتی

استاد اور شاگرد دونوں پاک نفس اور بلند ہمت ہوں، بادشاہوں اور دنیاداروں سے پہلو تہی کریں اور جب تک ان سے فرار کا راستہ ہو ان سے بغیر لالچ کے ملیں تاکہ گذشتہ علماء کی طرح علم کی حفاظت کرسکیں۔ جو بادشاہوں اور دنیاداروں کے پاس جاتا ہے گویا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے اور امانت علم میں خیانت کی ہے اور اکثر اوقات وہ اپنے دنیاوی مطلوب و مقصود کو بھی حاصل نہیں کرپاتا ہے اور اس میں سے کچھ حاصل بھی کرلے تو اس کا حال پاک و پاکیزہ اور خود دار شخص جیسا نہیں رہ جاتا ۔روایات کے ساتھ ساتھ وجدان بھی اس بات پر گواہ ہے۔

ایک فاضل شخص نے ایک بزرگ سے یہی سوال کیا کہ ہمارے زمانے کے امیروں اور بادشاہوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ ہماری بات نہیں مانتے اور علم کو اہمیت نہیں دیتے جب کہ گذشتہ زمانے میں اس کے برعکس تھا؟! اس بزرگ نے فرمایا: اس زمانے کے علماء وہ تھے کہ بڑے لوگ اور بادشاہان وقت اور دنیاداران کے پاس جایا کرتے تھے اور وہ مال دنیا اِن پر خرچ کرتے تھے اور اِن سے علم حاصل کرتے تھے اور علماء ان سے دور رہنے اور ان کے منت تلے نہ جانے پر اصرار کرتے تھے۔ اس طرح دنیاداروں کی نظروں میں دنیا حقیر ہوجاتی تھی اور ان کے نزدیک اہل علم کی قدر و منزلت بڑھ جاتی اس لئے کہ وہ سمجھ جاتے تھے کہ اگر علم جلیل اور نفیس نہ ہوتا تو یہ فضلاء اسے دنیا پر ترجیح نہ دیتے اور اگر دنیا حقیر اور پست نہ ہوتی تو کبھی بھی ناپسندیدگی کی وجہ سے اسے نہ چھوڑتے اور جب ہمارے زمانے کے علماء بادشاہوں اور ابنائے دنیا کے پاس آگئے اور اپنا علم دے کو ان سے دنیا طلب کرنے لگے تو دنیا ان کی نظروں میں عظیم ہوگئی اور علم کی منزلت ان کی نگاہوں میں کم ہوگئی۔

اس سے پہلے بھی ہم نے اس سلسلہ میں کچھ حدیثیں نقل کی ہیں منجملہ یہ حدیث نبویؐ:

''اَلْفُقَهَاءُ اُمَنَاءُ الرُّسُلِ مَا لَمْ يَدْخُلُوا فِي الدُّنْيَا قِيلَ :يَا رَسُولَ اللهِ! وَمَادُخُولُهُمْ فِي الدُّنْيَا قَالَ اِتِّبَاعُ السُّلْطَانِ فَاِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ فَاحْذَرُوهُمْ عَلىٰ دِينِكُم ''(۱)

۱۔ الکافی، ج/۱،ص/۴۶۔

''فقہاء، رسولوں کے امانت دار ہیں جب تک دنیادار نہ بنیں۔ دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! دنیادار بننے سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا: بادشاہ کی پیروی کرنا۔ اگر وہ ایسا کریں تو تمھیں اپنے دین کے معاملے میں ان سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔''

جان لو! ناپسندیدہ قدر اس بارے میں محض بادشاہ کا اتباع نہیں ہے چاہے جیسا بھی ہو اس کا اتفاق ہو جائے۔ بلکہ اس کا اتباع اس لئے ہو کہ وہ اس سے اپنی شان بڑھائے اور دوسروں کے مقابلے میں اپنی بڑائی ظاہر کر کے انھیں نیچا دکھائے اور اس کی جاہ و منزلت میں اضافہ ہو جائے اور دنیا کی محبت اور اقتدار حاصل ہو جائے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اگر اتباع کا مقصد یہ ہو کہ وہ نوع انسانی کے نظام کو قائم کرے، اعلائے کلمہ دین اور ترویج حق کا سبب ہو، بدعت گذاروں کو ختم کرے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو رواج دے اور اسی طرح کے دیگر امور انجام دے تو نہ صرف ایسے موقع پر اتباع کی اجازت ہے بلکہ یہ افضل ترین عمل ہے جو اس نے انجام دیا ہے۔ اور اس طرح ہم ان روایات میں جو اس کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں اور جن روایات میں اس کی اجازت دی گئی ہے ان سے ہم آہنگ کر سکتے ہیں۔ بلکہ مشاہیر شیعہ جیسے علی بن یقطین، عبداللہ نجاشی، ابوالقاسم حسین بن روح (نواب شریفہ میں سے ایک)، محمد بن اسماعیل بن نزیع، نوح بن دراج وغیرہ جو ائمہ علیہم السلام کے اصحاب میں سے تھے اور فقہاء میں سے سید مرتضیٰ، سید رضی اور ان دونوں کے والد محترم، خواجہ نصیر الدین طوسی، علامہ بحرالعلوم جمال الدین بن مطہر اور دیگر افراد کے اعمال سے یہ ثابت بھی ہوتا ہے۔

یہ جان لو! جہاں اس میں بے حد ثواب ہے وہاں بہت شدید خطرہ بھی ہے اور بڑا دھوکا بھی اس لئے کہ دنیا کی رونق، چہل پہل، ریاست کی محبت اور بلندی کی ہوس جب دل میں نمو پانے لگتی ہے تو بہت سے صحیح راستے اور درست مقاصد جو موجب ثواب ہوتے ہیں انھیں اس کی نگاہوں سے اوجھل کر دیتی ہے لہٰذا اس سلسلہ میں بیدار و ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

٦) شعائر اسلامی کی رعایت اور احکام کی پابندی

استاد اور شاگرد دونوں پر لازم ہے کہ شعائر اسلامی کی رعایت کریں اور ظاہری احکام کی پابندی کریں جیسے نماز کے فضیلت کے وقت میں مساجد میں نماز جماعت کا اہتمام کرنا اور ہر خاص و عام کو سلام کی ابتداء کرنا اور جواب دینا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور اس بارے میں تکالیف پر صبر سے کام لینا، کھلے

عام حق کا پرچار کرنا، اپنے آپ کو اللہ کے لئے وقف کر دینا، کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا اور اس راہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء کی تاسّی کرنا اور اوامر الٰہی کو قائم کرنے میں انھیں جن تکالیف اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، انھیں یاد کرنا۔

دونوں اسے اپنے ظاہری اور باطنی اعمال میں صرف جائز ومباح اعمال پر اکتفا نہ کریں بلکہ اپنے لئے احسن اور اکمل اعمال کو اختیار کریں اس لئے کہ علماء قدوۃ (رہنما) ہوتے ہیں اور لوگ انہی کی جانب رجوع کرتے ہیں اور وہ عوام پر اللہ کی حجت ہوتے ہیں یہ جنھیں دیکھتے بھی نہیں وہ لوگ ان سے امور کو حاصل کرنے کے لئے ان کی جانب نگران ہوتے ہیں اور وہ لوگ ان کی اقتداء کرتے ہیں جنھیں یہ جانتے بھی نہیں ہیں۔ اگر عالم ہی اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچائے گا تو اس کے علاوہ کوئی اور کہاں فائدہ پہنچا سکتا ہے کیوں کہ عالم کی لغزش بہت عظیم ہوتی ہے اس لئے اس سے بہت سی خرابیاں وجود میں آتی ہیں۔

اسے چاہئے کہ ایسی خوبیوں سے اپنے آپ کو آراستہ کرے جن کے بارے میں شریعت کا حکم ہے اور ان کی تاکید کی گئی ہے اور اپنے آپ کو قابل تعریف صفات اور پسندیدہ عادات سے آراستہ کرے جیسے سخاوت، کرم، اعتدال سے تجاوز کئے بغیر خندہ پیشانی سے پیش آنا، غصہ کو پی جانا، تکلیفوں کو دور کرنا اور برداشت کرنا، صبر اور استقامت کرنا، ذلیل کمائی سے اجتناب کرنا، ایثار کرنا، کسی شے کو اپنی ذات سے مخصوص نہ کرنا، انصاف کرنا، اپنا حق وصول کرنے سے پرہیز کرنا، فضل کرنے والے کا شکریہ ادا کرنا، لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کی سعی کرنا، اثر ورسوخ کو کام میں لانا، فقراء پر مہربانی کرنا، پڑوسیوں اور عزیزوں سے محبت کرنا اور اپنی کنیزوں اور غلاموں پر احسان کرنا، زیادہ ہنسنے اور مزاح کرنے سے کنارہ کشی اختیار کرنا، خوف، حزن، انکسار اور نگاہ نیچی کئے خاموش رہنا، اس طرح کہ خشیت الٰہی کا اثر اس کی ہیئت، سیرت، حرکت، سکون، گویائی اور خاموشی سے ظاہر ہو اور اس کی صورت اس کے علم کی دلیل ہو کہ اگر کوئی دیکھنے والا اسے دیکھے تو اللہ تعالیٰ کی یاد دلادے۔

دونوں پر لازم ہے کہ آداب شرعی خواہ قولی ہوں یا فعلی، ظاہری ہوں یا مخفی ان سب کی پابندی کریں جیسے قرآن کی تلاوت، اس کے معانی ومفاہیم پر غور کرتے ہوئے، اس کے اوامر کی بجا آوری اور اس کے منع کردہ امور سے دوری، اس کے وعدے اور وعید پر رک کر سوچنا، اس کے وظائف اور حدود پر باقی رہنا، دل اور زبان سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور اسی طرح وہ دعائیں اور اذکار جو وارد ہوئے ہیں انھیں رات دن اپنے

معمولات میں شامل کرنا۔ زیادہ عبادت کرنا جیسے نماز، روزہ، حج بیت الحرام وغیرہ، علم کے مقابلے میں عبادات میں کوتاہی نہ کرنا کہ اس سے دل سخت ہو جائے گا اور اس کا نور تاریک ہو جائے گا جیسا کہ اس کے بارے میں ہم متنبہ کر چکے ہیں۔

زیادہ صفائی ستھرائی کو ملحوظ رکھیں۔ میل کچیل دور کریں۔ ناخن کاٹیں۔ غیر ضروری بالوں کو صاف کریں۔ ناگوار بو سے بچیں۔ داڑھی میں کنگھی کریں۔ بابرکت سنت اور پسندیدہ اور بلند و بالا اخلاق کی اقتدا کریں۔

اپنے آپ کو بری عادتوں اور لائق مذمت اوصاف سے پاک صاف رکھیں جیسے حسد، ریاکاری، خود پسندی اور لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا خواہ وہ اس سے کم رتبہ ہی کیوں نہ ہوں، کینہ پروری، ظلم و زیادتی، غیر اللہ کے لئے غصہ کرنا، دھوکا دینا، کنجوسی، خباثت، آپے سے باہر ہو جانا، لالچ کرنا، فخر و مباہات کرنا، اترانا، دنیا کے بارے میں باہم جھگڑنا، ایک دوسرے سے مباہات کرنا، چاپلوسی کرنا، لوگوں کے لئے بناؤ سنگار کرنا، جو کام انجام نہیں دیا اس کی تعریف چاہنا، اپنے عیوب کو نہ دیکھنا، دوسروں کے عیوب تلاش کرنا، غیر اللہ کے لئے غیرت اور تعصب اور غیر خدا سے رغبت و خوف، غیبت، چغل خوری، بہتان جھوٹ اور فحش گفتگو وغیرہ۔

ان صفات کی تفصیل، ان کا علاج اور نیک صفات کی طرف ترغیب اور برے صفات سے خوف دلانا۔ یہ سب باتیں ان کے خاص مقام پر ذکر ہوئی ہیں۔ یہاں ان کے تذکرے کا مقصد عالم و طالب علم کو ان قوانین سے متنبہ کرنا ہے تاکہ وہ انھیں نیکیاں کرتے ہوئے اور برائیوں سے اجتناب کرتے وقت ان کی جانب متوجہ رہیں۔ اگرچہ یہ صفتیں سب کے لئے مشترک ہیں لیکن معلم اور متعلم ان سے خبردار رہنے کے زیادہ حق دار ہیں اور اسی لئے ہم نے ان کی ذمہ داریوں میں ان کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ بعض بزرگ علماء (۱) نے کہا ہے: علم، دل کی عبادت اور اسے بسانا ہے اور باطنی نماز ہے جس طرح نماز جو ظاہری اعضاء و جوارح سے متعلق ہے وہ صحیح نہیں ہوتی جب تک ان اعضاء کو حدث یا خبث سے پاک نہ کیا جائے اسی طرح باطن کی عبادت بھی صحیح نہیں ہوسکتی جب تک برے اخلاق و عادات سے اسے طاہر نہ کیا جائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ علم کے نور کو ایسے دل میں نہیں ڈالتا جو نفسانی کدورتوں اور اخلاقی برائیوں کی نجاست میں مبتلا ہو جیسا کہ حضرت امام

۱۔ غزالی نے احیاء علوم الدین، ج/۱، ص/۴۲۔

جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''لَیسَ الْعِلْمُ بِکَثْرَۃِ التَّعَلُّمِ وَاِنَّمَا ھُوَ نُورٌ یَقْذِفُہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فِی قَلْبِ مَنْ یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہُ''(۱)

''علم زیادہ سیکھنے کا نام نہیں بلکہ وہ ایسا نور ہے اللہ جس کی ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کے دل میں اس نور کو ڈال دیتا ہے۔''

اس بات سے پتا چلتا ہے کہ علم صرف مخصوص معلومات جمع کرنے کو نہیں کہتے اگر چہ عرف عام میں ایسا ہی کیوں نہ ہو بلکہ وہ نور مذکور ہے جو اس علم (ظاہری) سے پیدا ہوتا ہے اور بصیرت اور خوف خداوندی کا سبب بنتا ہے جیسا کہ اس کا بیان گذر چکا۔

یہ کچھ ایسی ذمہ داریاں تھیں جو معلم اور طالب علم کے درمیان مشترک ہیں اور ان میں اکثر کا تعلق علم پر عمل کرنے سے ہے۔ ہم نے انھیں علاحدہ طور سے بیان کیا کیونکہ وہ مہتم بالشان ہیں اور ان کے ذریعہ اصول فضائل سے آگاہ کرنا مقصود تھا۔

۱۔ بحار الانوار، ج/۱، ص/۲۲۴، قدرے اختلاف کے ساتھ۔

قسم دوم

درس و بحث کے دوران استاد اور شاگرد کے آداب

اور وہ چند چیزیں ہیں:

۱) سعی پیہم

دونوں پڑھنے، مطالعے، حاشیۂ کتاب پر نوٹ لکھنے، مباحثہ، مذاکرے، غور و فکر، حفظ اور دوسروں کے سامنے پڑھنے وغیرہ میں محنت سے مشغول رہیں۔ ان کا مطلوب و مقصود اور ہدف صرف حصول علم ہونا چاہئے۔ جہاں تک ممکن ہو دنیوی امور کی جانب توجہ نہ دیں۔ بلکہ بقدر ضرورت اس کی جانب توجہ کریں۔ لیکن اپنے روزانہ کے علمی کام انجام دینے کے بعد اور اسی لئے کہا گیا ہے:

''اَعطِ العِلمَ کُلَّکَ یُعطِکَ بَعضَهُ''

''تم علم کے لئے اپنے آپ کو مکمل اس کے سپرد کر دو وہ تمھیں اپنا کچھ حصہ عطا کرے گا۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

''تَذَاکُرُ العِلمِ بَینَ عِبَادِی مِمَّا تُحیَا عَلَیهِ القُلُوبُ المَیِّتَةُ اِذَا هُم اِنتَهَوا فِیهِ اِلیٰ اَمرِی''(۱)

''میرے بندوں کے درمیان علمی مذاکروں کا سلسلہ جاری رکھنا اور ان امور میں سے جن کے ذریعہ

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۱.

مردہ دلوں کو زندہ کیا جاتا ہے اگر وہ میری معرفت کا ذریعہ بنے۔''

امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے:

''رَحِمَ اللّٰہُ عَبْدًا اَحْیَا الْعِلْمَ فَقِیْلَ وَمَا اِحْیَاؤُہٗ فَقَالَ اَنْ یُذَاکَرَ بِہٖ اَھْلَ الدِّیْنِ وَالْوَرَعِ''(۱)

''اللہ اس بندے پر رحم کرے جس نے علم کو زندہ کیا۔ دریافت کیا گیا۔ اس کا احیاء کرنا کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: صاحبانِ دین وتقویٰ سے اس کا مذاکرہ کیا جائے۔''

نیز: ''تَذَاکُرُ الْعِلْمِ دِرَاسَۃٌ وَالدِّرَاسَۃُ صَلَاۃٌ حَسَنَۃٌ''

''علمی مذاکرہ درس حاصل کرنا ہے اور درس حاصل کرنا بہترین نماز (کے حکم میں) ہے۔''(۲)

۲) ہٹ دھرمی سے پرہیز

کسی سے ہٹ دھرمی اور اسے تنگ کرنے کے لئے اس سے سوال نہ کریں بلکہ اس متعلم یا معلم کی طرح سوال کرے جو اللہ کے لئے علم حاصل کرنا چاہتے ہیں یا خیر سے آگاہ کرنے کے لئے۔ اس سے سیکھنے یا اسے سکھانے کی غرض سے ہو۔ اس کا یہیں سے تعلیم وتعلّم کا مقصد ظاہر ہوتا ہے اور اس کا درخت بار آور ہوتا ہے لیکن اگر اس کا قصد صرف مقابلہ اور جدال ہو اور وہ حریف پر غالب آنا چاہتا ہو تو اس کے نفس میں خراب عادت اور خبیث خصلت پیدا ہو جائے گی اور وہ اللہ کی ناراضی کے مستحق قرار پائیں گے نیز اس میں بہت سی نافرمانیاں ہیں جیسے مخاطب کو اذیت پہنچانا، اسے جاہل سمجھنا، اس کے بارے میں طعن وتشنیع کرنا، اپنا قصیدہ پڑھنا اور بڑائی بیان کرنا، یہ سب کے سب بڑے گناہ ہیں اور ایسے عیوب ہیں کہ سنت مطہرہ میں جن کے مارے میں ممانعت آئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسی باتیں جینا دوبھر کر دیتی ہیں اگر تم کسی سفیہ سے مقابلہ کرو گے تو وہ تمہیں اذیت دے گا اور کسی حلیم سے مجادلہ کرو گے تو وہ تمہیں غصہ کر دے گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کی اور ائمہ علیہم السلام کی زبانی مجادلہ کو حرام قرار دیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''تم اپنے بھائی سے مجادلہ نہ کرو اور نہ ہی اس سے مزاح کرو اور نہ ہی اس سے وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرو۔''

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۱۔

۲۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/۱۰۰۔

نیز ارشاد فرمایا ہے:

''ذَرُوا الْمِرَاءَ فَاِنَّهُ لَا تُفْهَمُ حِكْمَتُهُ وَلَا تُؤْمَنُ فِتْنَتُهُ'' (۱)

''مناظرے کو چھوڑ دو اس کی حکمت سمجھ سے بالاتر ہے اور اس کے فتنے سے محفوظ رہنا مشکل ہے۔''

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

''لَا يَسْتَكْمِلُ عَبْدٌ حَقِيقَةَ الْإِيمَانِ حَتّٰى يَدَعَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا'' (۲)

''کوئی بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت کو تکمیل کے مراحل تک نہیں پہنچا سکتا جب تک وہ مناظرے کو چھوڑ نہ دے خواہ وہ اس بارے میں حق بجانب ہی کیوں نہ ہو۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''اَلْمِرَاءُ دَاءٌ دَوِيٌّ وَلَيْسَ فِي الْإِنْسَانِ خَصْلَةٌ شَرٌّ مِنْهُ وَهُوَ خُلُقُ إِبْلِيسَ وَنِسْبَتُهُ فَلَا تُمَارِ فِي أَيِّ حَالٍ كَانَ إِلَّا مَنْ كَانَ جَاهِلًا بِنَفْسِهِ وَبِغَيْرِهِ مَحْرُومًا مِنْ حَقَائِقِ الدِّينِ''

مجادلہ ایک مہلک بیماری ہے اور انسان میں اس سے بری کوئی خصلت نہیں ہے اور یہ ابلیس کی عادت ہے اور اسی سے منسوب ہے۔ پس کسی حال میں بھی مجادلہ نہیں کرے گا مگر وہ شخص جو اپنے آپ اور سامنے والے سے ناواقف ہو اور دین کی حقیقتوں سے ناآشنا ہو۔'' (۳)

جان لو کہ جدال کی حقیقت کسی دوسرے کی بات پر اعتراض کرنا، اس میں خلل ڈالنے کے لئے، لفظاً یا معنًی یا عمداً اس میں ایسی کوئی دینی غرض پنہاں نہیں ہوتی جن کا اللہ نے حکم دیا ہے اور مجادلہ سے اس طرح اجتناب کیا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی بات سنے تو اس کے انکار اور اعتراض کو ترک کردے۔ پس اگر وہ بات درست ہو تو دل سے اس کی تصدیق لازم ہوگی اور اگر اس سے مطالبہ کیا جائے تو اسے سچائی کا اظہار کرنا ہوگا۔ اور اگر وہ بات باطل ہو اور اس کا دینی امور سے کوئی تعلق نہ ہو تو پھر اس بارے میں خاموشی اختیار کرے جب تک نہی عن المنکر کی شرائط اس پر عائد نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ مجادلہ ایذاء رسانی سے جدا نہیں ہوتا اس میں انسان کا غصہ بڑھ جاتا ہے اور اعتراض کرنے والے کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ واپس لوٹے اور اپنی بات کی ہر ممکن طور سے نصرت کرے خواہ وہ حق ہو یا باطل اور اس بات کے کہنے والے پر

۱۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/۱۰۰۔ ۲۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/۱۰۰۔

۳۔ بحار الانوار، ج/۲، ص/۱۳۴۔

بہر طور تنقیص کرے؛ لہٰذا دو مجادلہ کرنے والوں میں اختلاف اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے جیسا کہ دو کتے بھونکنے لگتے ہیں اور ہر ایک دوسرے کو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے، یہ بہت بڑا انتقام ہے اور زبردستی کسی کو خاموش کرنے اور اسے گھائل کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

اس کا علاج یہ ہے کہ وہ تکبر کو ختم کردے جو اسے اظہار فضل پر ابھارتا ہے اور اس درندگی کو الگ کردے جو اسے دوسروں کی تنقیص پر آمادہ کرتی ہے۔ تکبر اور غصہ کے علاج کے لئے جو مفید دوائیں تجویز کی گئی ہیں انھیں استعمال کرے جسے ہم نے اپنی کتاب ''**منار القاصدین فی اسرار معالم الدین**''میں بیان کیا ہے یا اس بارے میں جو دیگر کتابیں تحریر کی گئی ہیں ان کی طرف رجوع کرے۔

اور مناسب نہیں ہے کہ شیطان تمھیں فریب دیدے اور تم سے کہے کہ ''تم حق کو ظاہر کرو اور اس میں منافقت سے اور لگی لپٹی بات سے کام نہ لو'' اس لئے کہ شیطان ہمیشہ احمق لوگوں کو مقامات خیر میں شر کی طرف کھینچ کرلے جاتا ہے۔ تم اس کی خاطر مضحکہ نہ بنو۔ اس لئے کہ اظہار حق بہت اچھی بات ہے بشرطے کہ کوئی اسے قبول کرے اور اس اظہار میں خلوص پنہاں ہو۔ بطور نصیحت احسن طریقہ سے اس بات کا اظہار کیا جائے اور اس میں کسی طرح کا مجادلہ نہ ہو۔

اور نصیحت ایسی صفت اور ہئیت ہے جو نرم مزاجی کی محتاج ہے ورنہ وہ رسوائی اور ذلت بن جائے گی اور اس کا فساد اس کے صلاح (درستی) سے بڑھ کر ہوگا۔

جو اس زمانے کے فقہاء اور صاحبان علم سے مخلوط ہوگا تو اس کی طبیعت میں مناظرہ اور مجادلہ غالب آجائے گا اور خاموش رہنا اس کے لئے دشوار ہو جائے گا بالخصوص جب اس کے برے رفقاء اس کے کان میں یہ ڈال دیں کہ مناظرہ فضیلت کی دلیل ہے تو تم پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں سے اسی طرح فرار کرو جیسے شیر کو دیکھ کر فرار اختیار کرتے ہو۔

۳) طلب علم میں تواضع وانکساری

یہ کہ اس شخص سے علم حاصل کرنے اور استفادہ کرنے سے روگردانی نہ کرے جو منصب، عمر، شہرت، دین یا علم میں اس سے کمتر ہو۔ بلکہ ہر اس فرد سے استفادہ کرے جن سے استفادہ کرنا ممکن ہو اور جو چیز اسے معلوم نہیں اس کے حاصل کرنے میں اس کے عہدے کی بلندی اور اس کی شہرت رکاوٹ نہ بنے ورنہ اس کی شہرت کو نقصان پہنچے گا۔ اس کا علم کم رہ جائے گا اور وہ اللہ کی ناراضی کا مستحق قرار

پائے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''اَلْحِکْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا''(۱)

''حکمت مومن کا گم شدہ سرمایہ ہے وہ جہاں بھی اسے پالے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔''

الطاف حسین حالی نے اس حدیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ:

حکمت کو اک گم شدہ لعل سمجھو جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو

اور کسی نے اس بارے میں کیا خوب کہا ہے:

وَلَیْسَ الْعَمیٰ طُوْلَ السُّؤَالِ وَاِنَّمَا تَمَامُ الْعَمیٰ طُوْلَ السُّکُوْتِ عَلیٰ الْجَهْلِ

''سوال کا طولانی ہونا اندھا پن نہیں ہے بلکہ مکمل طور سے نابینا ہونا جہالت کی بنیاد پر لمبی خاموشی ہے۔''

امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

''مَنْ رَقَّ وَجْهُهُ رَقَّ عِلْمُهُ''(۲)

''جو شخص شرمائے گا اس کا علم بھی کم ہو جائے گا۔''

۴) حق بات پر سر تسلیم خم کر دینا

یہ بہت اہم بات ہے کہ اگر کوئی لغزش ہو جائے تو پلٹ کر حق کی پیروی کرنا خواہ وہ اس جانب توجہ دلائے جو اس سے چھوٹا ہو اس لئے کہ اپنی غلطی کا اعتراف کر لینا اور حق کو تسلیم کرنا علم کی برکتوں کا باعث ہو اور حق کو قبول نہ کر کے اپنی بات پر مصر رہنا ایک طرح کا تکبر ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور اللہ سے دوری اور اس کی بزم سے علیحدگی کا باعث ہو۔

امام محمد باقر علیہ السلام یا امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

''لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِی قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ کِبْرٌ''

''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی تکبر موجود ہو۔''(۳)

۱۔ بحار الانوار، ج/۲، ص/۹۹.
۲۔ الکافی، ج/۲، ص/۱۰۶.
۳۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۱۰.

۵) ہمیشہ باطہارت رہنا

وہ مجلس درس میں حدث وخبث سے پاک ہو کر صاف ستھرے، جسم اور کپڑے کو معطر کر کے، بہترین لباس زیب تن کر کے آئیں۔ اس سے اس کا مقصد علم کی تعظیم وتکریم اور حاضرین مجلس اور فرشتوں کو خوش کرنا ہے، بالخصوص اگر درس مسجد میں ہو رہا ہو اور اس میں جو کچھ رغبت دلائی گئی ہے وہ عامۃ الناس سے متعلق ہو عالم اور طالب علم کے حق میں اس کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

دوسری فصل

طالب علم سے مخصوص آداب

ان کی تین قسمیں ہیں:

- طالب علم کی ذات سے متعلق آداب
- استاد کے متعلق طالب علم کے آداب
- مجلس درس سے متعلق آداب

پہلی قسم

طالب علم کی ذات سے متعلق آداب

اور یہ چند امور ہیں

۱) حسن نیت اور طہارت قلب

طالب علم اپنی نیت کو نیک بنائے اور اپنے دل کو نجاسات سے پاک کرے تا کہ وہ علم کی قبولیت، اس کی حفاظت اور تداوم کے قابل ہو جائے اور کمال یافتہ افراد میں سے ایک شخص نے کہا ہے: ''علم کی خاطر دل کو طیب و طاہر بنانا ایسا ہی ہے جیسے زراعت کے لئے زمین کو گھاس پھوس سے صاف کرنا اس کے بغیر نہ اس میں نمو ہوگا، نہ کچھ اگے گا اور نہ ہی پھلے پھولے گا، ناپاک دل کے ساتھ علم حاصل کرنا ویسے ہی ہے جیسے کوئی شخص ایسی زمین میں کاشت کرنے لگے جو بنجر ہو، صاف ستھری نہ ہو۔''

اور ایک شاعر نے کہا ہے:

شَكَوْتُ اِلىٰ وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِي	میں نے ایک حکیم سے حافظے کی خرابی کی شکایت کی
فَاَرْشَدَنِي اِلىٰ تَرْكِ الْمَعَاصِي	تو اس نے مجھے گناہوں کو چھوڑنے کے لئے کہا
وَقَالَ اعْلَمْ بِاَنَّ الْعِلْمَ فَضْلٌ	اور کہا کہ جان لو علم ایک فضیلت کا نام ہے
وَفَضْلُ اللّٰهِ لَا يُؤْتَاهُ عَاصٍ	اور اللہ کا فضل کسی گناہ گار کو نہیں دیا جاتا

۲) اوقات فراغت کو غنیمت جاننا

اوقات فراغت، تندرستی، جوانی، جسمانی طاقت، ذہانت، ہوش و حواس کی بحالی، مشاغل کی کمی اور اسباب کا مہیا ہونا ان سب کو غنیمت جانے بالخصوص بلند درجہ پانے سے قبل علم و فضل میں شہرت حاصل کرنے سے پہلے کہ وہ درجہ کمال تک پہنچنے میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں بلکہ اس میں کمی واقع ہونے اور اس

کے ختم ہو جانے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔

کسی شخص نے یہ کہا ہے: '' تَفَقَّهُوا قَبْلَ اَنْ تَسُودُوا '' ''قبل اس کے کہ تم سردار بنو فقیہ بن جاؤ۔'' اس لئے کہ سردار بن جانے کے بعد تم علم حاصل کرنے سے کنارہ کشی کروگے یا بلند مرتبہ پالینے کے بعد تمھیں علم حاصل کرتے ہوئے شرم آئے گی اور اس طرح علم تمھارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔

ایک بزرگ عالم نے فرمایا:

''تَفَقَّهُ قَبْلَ اَنْ تَتَرَأَّسَ فَاِذَا رَأَسْتَ فَلَا سَبِيْلَ اِلَى التَّفَقُّهِ''

''تم فقہ حاصل کرلو اس سے پہلے کہ ریاست کی ذمہ داری سنبھالو، اگر تم رئیس بن گئے تو پھر تفقہ کے لئے کوئی سبیل باقی نہیں رہ جائے گی۔''

ایک حدیث میں آیا ہے:

''مَثَلُ الَّذِیْ یَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ فِی صِغَرِہٖ کَالنَّقْشِ عَلَى الْحَجَرِ وَمَثَلُ الَّذِیْ یَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ فِی کِبَرِہٖ کَالَّذِیْ یَکْتُبُ عَلَى الْمَاءِ''(۱)

''اس شخص کی مثال جو کم سنی میں علم حاصل کرتا ہے گویا کہ پتھر پر نقش کے مانند ہے اور اس کی مثال جو بڑا ہو کر علم حاصل کرتا ہے ایسا ہے کہ گویا وہ پانی پر کچھ تحریر کر رہا ہے۔''

ابن عباسؓ سے مروی ہے: کسی عالم کو علم نہیں دیا گیا مگر یہ کہ وہ جوان تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے قول سے جس جانب آگاہی بخشی ہے: ﴿وَ آتَیْنَاهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا﴾(۲) ''اور ہم نے یحییٰ کو بچپن میں ہی قوت فیصل عطا کر دی تھی۔'' تو یہ غلبہ کے اعتبار سے ہے۔ مگر جو شخص بڑا ہو جائے تو اس کے لئے ہرگز یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ طلبِ علم سے روگردانی کرے، کیوں کہ فضل خدا وسعت رکھتا ہے اور اس کا کرم بے انتہا ہے، اس کی سخاوت کا فیضان جاری ہے، اس کی رحمت اور بخششوں کی دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اب اگر وہ اس لائق ہے تو نعمت مکمل ہو جائے گی اور مطلوب حاصل ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ﴾(۳) ''اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اللہ تمھیں علم سے نوازے گا'' اور فرمایا: ﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ ''جب یوسفؑ پختگی کی عمر کو پہنچ گئے ہم نے انھیں قوت فیصلہ اور علم عطا کیا۔''(۴)

۱۔ الجامع الصغیر، ج/۲، ص/۱۵۴
۲۔ سورۂ مریم/۱۲.
۳۔ سورۂ بقرہ/۲۸۲.
۴۔ سورۂ یوسف/۲۲.

اور گذشتہ علماء کی ایک جماعت بڑھاپے میں حصول علم کی طرف مائل ہوئی انھوں نے دین کا فہم حاصل کیا اور وہ دین کے ستون قرار پائے اور علماء و مصنفینِ فقہ میں شمار کئے گئے۔ عاقل کو اپنی زندگی کو غنیمت سمجھنا چاہئے اور اپنی جوانی کو ضائع ہونے سے بچانا چاہئے۔

۳) طلب علم سے روکنے والے تعلقات سے قطع تعلق

جہاں تک ممکن ہو ان مشغولیات سے قطع تعلق کر لے اور ان روابط کو ختم کر دے جو تکمیل علم اور سعی مکمل اور تحصیل علم کے لئے جدوجہد میں آڑے آتی ہیں۔ جتنی روزی میسر ہو اسی پر قناعت کر لے خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔ جو بھی لباس میسر ہو اسی پر گذارا کرے خواہ وہ پرانا ہی کیوں نہ ہو۔ زندگی کی تنگی پر صبر کر کے ہی وسعت علم حاصل ہو سکتی ہے اور بکھری ہوئی آرزوؤں سے دل کو ایک جگہ مجتمع کیا جا سکتا۔ ایک بزرگ نے کہا: ''اگر کوئی شخص اس علم کو عزت نفس کے ساتھ حاصل کرے گا تو وہ یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔''

اسی لئے کہا جاتا ہے:

''اَلعِلمُ لا یُعطِیکَ بَعضَهُ حَتیٰ تُعطِیهِ کُلَّکَ''

''علم تمھیں تھوڑا سا حصہ بھی اس وقت تک عطا نہیں کرے گا جب تک تم اپنے آپ کو مکمل طور سے اس کے سپرد نہ کر دو۔''

۴) ایک مدت تک شادی نہ کرنا

اس وقت تک شادی کو ملتوی رکھے جب تک مدعائے علم حاصل نہ ہو جائے اس لئے کہ شادی ایک بڑی مصروفیت اور عظیم رکاوٹ ہے، بلکہ وہی سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور یہ بات وجدانی تجربے سے ثابت اور واضح امر ہے اس کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ اولاد اور اسباب کی فکر کے ساتھ بھلا کوئی حصول علم کی جانب مکمل طور سے کہاں متوجہ ہو سکتا ہے اور یہ مثال زبان زدِ خلائق ہے:

''لَو کُلِّفتَ بَصَلَةً مَا فَهِمتَ مُسأَلَةً''

''اگر تمھیں ایک پیاز مہیا کرنے کی ذمہ داری دے دی جائے تو تم ایک علمی مسئلہ کو بھی سمجھ نہ پاؤ گے۔''

طالب علم اس بات سے دھوکا نہ کھائے کہ نکاح کی جانب بہت رغبت دلائی گئی ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کوئی ایسا واجب اس سے نہ ٹکرائے جو اس سے افضل ہو اور علم سے بہتر، افضل، ضروری اور

واجب کوئی عمل نہیں ہے۔ بالخصوص ہمارے دور میں اس لئے کہ واجب کفائی کے لئے اگر وہ لوگ آمادہ نہ ہوں گے جن کی وجہ سے یہ واجب کفائی ہے تو یہ واجب عینی ہو جائے گا پھر تمام افراد اس کے مخاطب بن جائیں گے اور اس کے ترک کرنے پر وہ گناہگار ہوں گے۔ جیسا کہ اصول فقہ میں ثابت کیا جا چکا ہے۔(۱)

۵) طلب علم سے روکنے والی معاشرت سے پرہیز

اس کے ساتھ ایسی معاشرت ورہائش کو ترک کردے جو اسے مطلوب سے غافل کردے، ایسی صحبت کا چھوڑ دینا طالب علم کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے بالخصوص اگر وہ اس کا ہم جنس نہ ہو اور خاص طور سے اس شخص کے لئے جس میں فکر کی کمی ہو، جو زیادہ تھکتا اور بیکار رہتا ہو اس لئے کہ مزاج انسان رہزن ہے اور معاشرت کی سب سے بڑی آفت عمر کا بغیر کسی فائدے کے برباد کر دینا ہے اور اگر وہ نااہل ہو تو عزت وآبرو اور دین کی بربادی بھی ہے۔

طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ میل جول نہ رکھے جو نہ فائدہ پہنچا سکتا ہو اور نہ ہی فائدہ حاصل کر سکتا ہو۔ اگر کسی ساتھی کی ضرورت بھی محسوس کرتا ہے تو اسے چاہئے کہ ایسا ساتھی تلاش کرے جو دینی اعتبار سے صالح، پرہیزگار اور ذہین ہو۔ ایسا شخص ہو کہ اگر یہ کچھ بھول جائے تو وہ اسے یاد دلا دے اور اگر اس نے یاد رکھا ہو تو اس کی اعانت کرے۔ اگر اسے کوئی ضرورت ہو تو وہ اس ضرورت کو پورا کرے۔ اگر وہ تنگ دل ہو تو اسے صبر کی تلقین کرے۔ اس کے اخلاق سے عمدہ ملکہ کو حاصل کرے اور اگر ایسا رفیق میسر نہ ہو تو پھر بدترین رفیق کی بہ نسبت تنہائی بہتر ہے۔

۶) طلب علم پر حریص ہونا

علم حاصل کرنے پر حریص ہو، اپنے تمام اوقات اسی تگ ودو میں صرف کرے خواہ رات ہو یا دن، سفر ہو یا حضر، اس کا کوئی لمحہ علم کے حصول کے بغیر نہ گذرے مگر بقدر ضرورت اس کام کے لئے جو لازمی ہو۔ مثلاً کھانا، سونا اور تھوڑی سی استراحت تاکہ تھکن دور ہو جائے۔ ملاقاتی کی دلجوئی ہو اور روزی کا حصول ممکن ہو۔ اس کے علاوہ جس چیز کی احتیاج ہو اسے پورا کرے یا کسی بیماری کے علاج اور دیگر امور کے لئے کہ

۱۔ مصنف نے تمہ کتاب میں جو لکھا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں وہ فرماتے ہیں ''اور اس زمانے میں ایسے قیام کرنے والے کہاں ہیں بلکہ اکثر زمانوں میں حصول علم دین واجب عینی قرار پاتا ہے۔

جس کے ساتھ تعلیم حاصل کرنا دشوار ہو اس کے سوا جو زندگی ہے وہ بے قیمت ہے:

''وَ مَنِ اسْتَوىٰ يَوْمَاهُ فَهُوَ مَغْبُونٌ'' (۱)

''جس شخص کے دو دن مساوی ہوں دھوکا کھا گیا ہے۔''

اور وہ عقل مند نہیں ہے جس کے لئے ان مدارج کا حصول ممکن ہو جس کی وراثت انبیاء کو ملی ہے پھر بھی وہ اس سے محروم رہے اور اسی لئے کہا گیا ہے:

''لا يُسْتَطَاعُ الْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْجِسْمِ''

''جسم کے سکون و راحت کے ساتھ علم حاصل نہیں ہوتا۔''

اور روایت ہے کہ:

''اَلْجَنَّةُ حُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ'' (۲)

''جنت تکلیفوں میں گھری ہوئی ہے۔'' یعنی جنت تکلیفیں اٹھانے کے بعد میسر آتی ہے اور کہا گیا ہے:

''وَلابُدَّ مِنْ شَهَدٍ مِنَ اَلَمِ النحلِ''

''اگر تمھیں شہد حاصل کرنا ہے تو شہد کی مکھی کا ڈنگ سہنا ہوگا۔'' (۳)

۷) بلند ہمتی

طالب علم بلند ہمت ہو، اگر زیادہ کا امکان ہو تو کم پر راضی نہ ہو اور اس مشغولیت میں کسی تاخیر سے کام نہ لے اور فائدہ حاصل کرنے کو موخر نہ کرے خواہ وہ قلیل ہی ہو، اگر اس بات پر قدرت رکھتا ہے چاہے اسے یہ بھی علم ہو کہ بعد والی فرصت میں اسے حاصل کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ تاخیر کے لئے بہت سی آفتیں ہیں اور آنے والے وقت میں وہ اس کے علاوہ دوسری چیزیں سیکھ سکتا ہے یہاں تک کہ اگر اسے حصول درس میں کوئی رکاوٹ درپیش ہو تو وہ مطالعہ اور حفظ میں مشغول ہو جائے اور ایک شے کو دوسری شے سے مربوط نہ کرے۔

۱۔ بحار الانوار، طبع بیروت ۱۴۰۳ھ، ج/ ۶۸، ص/ ۱۷۳۔
۲۔ نہج البلاغہ، خطبہ/ ۱۷۶۔
۳۔ شرح دیوان الحماسۃ، ج/ ۳، ص/ ۱۵۱۱
یہ مصرع متنبی کے شعر کا ہے، دیوان المتنبی، ص/ ۲۱۴۔

تُرِيْدِيْنَ لِقْيَانَ الْمَعَالِي رَخِيْصَةً وَلابُدَّ دُوْنَ الشَّهَدِ مِنْ اِبَرِ النَّحلِ

''تم بلندیوں کے حصول کو بہت ارزاں سمجھتی ہو اگر شہد تک رسائی چاہتے ہو تو شہد کی مکھی کے ڈنگ سے گذرنا ہوگا۔'' اور کہا گیا ہے:

لا تَحْسَبِ الْمَجْدَ تَمراً اَنْتَ آكِلُهُ لَنْ تَبْلُغَ الْمَجْدَ حَتّىٰ تَلْعَقَ الصِّبْرا

''تم مجد و شرف کو کھجور مت سمجھو جسے کھانا تمھیں پسند ہے تم مجد و شرف کو ہرگز حاصل نہیں کر سکتے جب تک ایلوا کا مزا نہ چکھ لو۔''

یہ جان لو کہ اگر وہ ایسے وقت کے لئے تعلیم کو موخر کر دیتا ہے جس میں اسے مکمل فراغت حاصل ہو تو یہ ایسا وقت ہے جسے اللہ نے بعد میں پیدا نہیں فرمایا۔ بلکہ ہر وقت کچھ نہ کچھ رکاوٹ، مانع اور سدّ راہ بن جاتے ہیں۔ تم سے جتنا ممکن ہو ان موانع کو دور کرو قبل اس کے کہ وہ مکمل طور سے تمھیں اس سے جدا کر دیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

''اَلْوَقْتُ سَیْفٌ فَاِنْ قَطَعْتَهُ وَاِلَّا قَطَعَکَ''

''وقت ایک تلوار کی مانند ہے اگر تم نے اسے کاٹ دیا تو کاٹ دیا ورنہ وہ تمھیں کاٹ دے گی۔''

اولیاء اور افاضل میں سے کسی نے کہا ہے:

''کُنْ صَارِماً کَالْوَقْتِ فَالْمَقْتُ فِی عَسیٰ وَاِیَّاکَ تَعَلّیٰ فِهِیَ اَخْطَرُ عِلَّةٍ''

''تم وقت کی طرح کاٹنے والی تلوار بن جاؤ اس لئے نفرت لفظ ''عسیٰ'' میں پوشیدہ ہے یعنی قریب ہے امکان ہے، ہوسکتا ہے اور تَعَلِّیٰ (ٹال مٹول) سے بچو اس لئے کہ یہ خطرناک بیماری ہے۔''

۸) طلب علم میں ترتیب کی رعایت کرنا

علم حاصل کرتے وقت سب سے پہلے بہتر چیز سیکھے، آغاز اس چیز سے کرے جو سب سے اہم ہو اور پھر اس کے بعد جو اہم ہو۔ مقدمات طے کرنے سے پہلے انجام کی فکر میں نہ لگ جائے اور جب تک اعتقادات مضبوط نہ جائیں معقولات اور منقولات میں علماء کے اختلاف کی طرف توجہ نہ دے، اس لئے کہ یہ ذہن کو حیران اور عقل کو پریشان کر دیتا ہے۔

اور جب کسی فن کو حاصل کر رہا ہو تو اس وقت تک اسے نہ چھوڑے جب تک امکان بھر اس فن کی ایک کتاب یا کئی کتابیں اچھی طرح پڑھ نہ لے اور بلاوجہ ایک کتاب سے دوسری کتاب اور ایک فن سے دوسرے فن کی جانب منتقل ہونے سے پرہیز کرے۔ اس لئے کہ یہ اکتاہٹ اور ناکامی کی علامت ہے۔ جب اہلیت ثابت ہو جائے اور معرفت پختہ ہو جائے تو اس کے لئے بہتر ہے کہ پسندیدہ علوم میں سے کسی فن کو نظر انداز نہ کرے اور نہ ہی اس کے انواع میں سے کسی نوع کو چھوڑے۔ بلکہ بنظر تعمق اس کی طرف توجہ مبذول کرے تاکہ اس کے مقصد اور غرض وغایت سے مطلع ہو سکے۔ اس لئے کہ علوم ایک دوسرے سے منسلک ہیں اور اکثر ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ پس اگر زندگی ساتھ دے اور توفیق شامل حال ہو تو اس علم میں کمال حاصل کرے ورنہ سب سے اہم اور اس کے بعد جو اہم ہو، اسے حاصل کرے۔

جان لو کہ پوری زندگی تمام علوم کو حاصل کرنے کے لئے ناکافی ہے تو زیرکی یہی ہے کہ ہر علم میں جو بہتر ہو اسے حاصل کرلو اور اپنی تمام تر صلاحیتوں کو اس علم کی جانب مرکوز کردو جو اشرف علوم میں سے ہو اور وہ ایسا علم ہے جس کا فائدہ اُخروی حیات میں ہوتا ہے اور کمال نفس کا موجب ہوتا ہے، نفس کو اخلاق فاضلہ کے ذریعے پاک و پاکیزہ بناتا ہے، اعمال صالحہ سے آراستہ کرتا ہے اور وہ کتاب وسنت کی معرفت اور مکارم اخلاق اور اسی سے مماثل علم کی جانب رجوع کرنے سے حاصل ہوسکتا ہے۔

دوسری قسم

استاد کے متعلق

طالب علم کے آداب

مقدمہ

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے تھے: ''عالم کا حق یہ ہے کہ اس سے بہت زیادہ سوالات نہ کرو اور اس کا کپڑا پکڑ کر اسے اپنی طرف متوجہ نہ کرو۔ جب تم اس کے پاس جاؤ اور اس کے پاس بہت سے افراد بیٹھے ہوں تو سب کو سلام کرو مگر اسے خاص طور سے سلام مع الاکرام کرو۔ اس کے سامنے بیٹھو۔ اس کے پیچھے نہ بیٹھو اور اپنی آنکھوں سے اس کی جانب اشارہ نہ کرو اور نہ ہی ہاتھوں سے کوئی اشارہ کرو۔ یہ بہت زیادہ نہ دہراؤ کہ فلاں نے یہ کہا ہے فلاں نے یہ کہا ہے جو اس کی بیان کردہ بات کے خلاف ہو اور اس کی لمبی نشست سے ملول نہ ہو عالم کی مثال کھجور کے درخت جیسی ہے کہ تم انتظار کرتے ہو کہ کب اس سے کوئی چیز گر کر تم تک پہونچ جائے اور عالم کو روزہ دار، قائم اللیل اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے مقابل میں بہت بڑا اجر ملتا ہے۔ (۱)

اور حقوق کے بارے میں امام زین العابدین علیہ السلام کی طولانی حدیث میں مروی ہے: اور جو علم میں تمھارا رہنما ہے اس کا تم پر یہ حق ہے کہ اس کی تعظیم کرو اور اس کی بزم کی توقیر کرو اور اس کی باتیں غور سے سنو اور اس کی جانب متوجہ رہو۔ اپنی آواز اس کی آواز پر بلند نہ کرو۔ اگر وہ کسی سے کوئی سوال کرے تو اسے جواب دینے دو تم جواب نہ دینے لگو۔ اس کی بزم میں کسی اور کا تذکرہ نہ کرو اور نہ ہی اس کے حضور کسی کی غیبت کرو۔ اگر تمھارے سامنے کوئی بھی اس کی برائی کرے تو تم اس کی جانب سے دفاع کرو۔ اس کے عیوب پر پردہ ڈالو۔

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۷۔

اس کے فضائل اور خوبیوں کو ظاہر کرو۔ اس کے دشمنوں کی صحبت میں نہ بیٹھو اور اس کے دوستوں سے عداوت نہ رکھو۔ اگر تم نے ان باتوں پر عمل کیا تو اللہ کے فرشتے تمھارے بارے میں گواہی دیں گے کہ تم نے اللہ کی جانب قصد کیا ہے اور تم نے جو کچھ علم حاصل کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، انسانوں کے لئے نہیں۔(۱)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس بات کو نقل کیا ہے کہ انھوں نے خضر علیہ السلام سے کہا: ﴿هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا﴾(۲) ''کیا میں آپ کا اتباع اس شرط پر کرسکتا ہوں کہ آپ کو جو کچھ ہدایت ملی ہے آپ مجھے بھی سکھا دیں۔''

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ﴿سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا﴾(۳)

''انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔''

اس واقعہ میں ایسے گرانقدر آداب بیان ہوئے ہیں جنھیں ایک طالب علم کو اپنے استاد کے ساتھ انجام دینا چاہئے۔ جب کہ موسیٰ علیہ السلام باعظمت، عظیم المنزلت اور اولوا العزم پیغمبر تھے پھر بھی انھوں نے ان آداب کو ملحوظ رکھا جو ایک استاد کے لئے مناسب تھے، حالانکہ یہ طالب علم دوسری جہتوں سے ان سے زیادہ کامل تھا۔

پھر جناب خضرؑ کی جانب سے اس معرفت کے باوجود اور جناب موسیٰؑ کی جانب اس ادب و تواضع کے بعد بھی جناب خضرؑ نے انھیں ایسا عمدہ اور مستحکم جواب دیا جو عظمت و قوت پر مبنی تھا اور موسیٰؑ کے احترام کے منافی تھا بلکہ موسیٰ! کو عاجز اور بے صبر ظاہر کرتا تھا: ﴿إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾(۴) ''اے موسیٰ! آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکیں گے۔''

مختصر سا جملہ بھی بہت سے فوائد کی جانب رہنمائی کرتا ہے کہ استاد کا ادب کیسا ہونا چاہئے اور بہ سببِ علم اس کا اعزاز کیا ہونا چاہئے اور اس کا مقام کیسا باعظمت ہونا چاہئے تاکہ اس کی تاسّی کی جاسکے۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو ہم ایسے آداب بیان کرتے ہیں جو طالب علم کے لیے اپنے استاد کے ساتھ مخصوص ہیں جنھیں علماء نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے جن میں چند امور یہ ہیں:

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۷ ۲۔ سورۂ کہف/۶۶. ۳۔ سورۂ کہف/۶۹. ۴۔ سورۂ کہف/۷۲.

7

۱) نیک اور صالح استاد کا انتخاب

سب سے اہم ادب یہ ہے کہ جس سے علم، اچھے اخلاق اور عمدہ آداب سیکھنا چاہتا ہے اس کے بارے میں غور وفکر کرے اس لئے کہ استاد کا اپنے شاگرد کی تربیت کرنے اور اسے بری عادتوں سے نکال کر اس کی جگہ بہترین عادات سے سنوارنے کی مثال اس کسان جیسی ہے جو زمین سے کانٹے نکالتا ہے اور کھیت میں جو گھاس پھوس اُگ جاتی ہے اسے صاف کرتا ہے تا کہ اس کی کاشت بہترین اور پیداوار زیادہ ہو جائے۔

ہر استاد اس خوبی کا مالک نہیں ہوتا بلکہ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں اس لئے کہ استاد در حقیقت نائب رسولؐ ہوتا ہے اور ہر عالم میں نیابت کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ لہٰذا چاہئے کہ ایسے استاد کا انتخاب کرے جو اہلیت و صلاحیت، دیانت داری، معرفت، پارسائی، بزرگواری، مروت اور تعلیم و تفہیم میں مہارت ظاہر، مشہور اور کامل ہو۔

اور طالب علم ایسے استاد سے دھوکا نہ کھائے جس کے پاس علم تو زیادہ ہو لیکن اس کے پاس تقویٰ، دین اور اخلاق کی کمی ہو اس لئے کہ اس کا نقصان طالب علم کے اخلاق اور دین پر اس جہالت سے کہیں زیادہ ہوگا جسے وہ علم حاصل کر کے دور کرنا چاہتا۔ لیکن اخلاق اور تقویٰ کی کمی کے اثرات دیرپا ہوتے ہیں۔ گذشتہ علماء نے کہا ہے:

''ھٰذَا الْعِلْمُ دِيْنٌ فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَاخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ''

''یہ علم گویا کہ دین ہے لہٰذا غور کرو کہ تم کس سے دین حاصل کر رہے ہو۔'' (۱)

اور جو بات قابل اطمینان ہے وہ یہ کہ اپنے زمانے کے اساتذہ سے زیادہ سے زیادہ نشست و برخاست رکھے اور بحث و گفتگو میں وہ اس کے نظریات، اخلاق اور مباحث کو سراہے اور اسے چاہئے کہ ان اساتذہ سے اجتناب کرے جنھوں نے اساتذہ سے علم حاصل نہیں کیا بلکہ صرف مطالعہ کر کے اپنی علمی صلاحیتوں کو بڑھایا ہے تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نسخوں کی غلطی، لغزش اور تحریف میں مبتلا نہ ہو جائے۔ گذشتہ علماء میں سے ایک عالم نے کہا ہے:

''مَنْ تَفَقَّهَ مِنْ بُطُوْنِ الْكُتُبِ ضَيَّعَ الْاَحْكَامَ''

''جس نے کتابوں کے شکم سے فقہ حاصل کیا اس نے احکام کو برباد کر دیا۔''

۱۔ نہج البلاغہ حکمت/۸۰.

اور دوسرے نے کہا: ''اِیَّاکُمْ وَالصَّحَفِیِّیْنَ الَّذِیْنَ یَاخُذُوْنَ الْعِلْمَ مِنَ الصُّحُفِ فَاِنَّ مَا یُفْسِدُوْنَ اَکْثَرُ مِمَّا یُصْلِحُوْنَ''

''ان لوگوں سے بچو جو براہ راست کتابوں سے علم حاصل کرتے ہیں اس لئے کہ ان کا فساد ان کی اصلاح سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔''

طالب علم کو چاہئے کہ مشہور علماء میں مقید ہونے سے بچے اور گمنام علماء سے بے توجہی کرنے سے پرہیز کرے اس لئے کہ یہ علم کے خلاف ایک طرح کا تکبر ہے جو عین حماقت ہے کیوں کہ ''حکمت مومن کا گم شدہ خزانہ ہے جہاں بھی پائے اسے فوراً حاصل کرلے۔'' اسے غنیمت جانے اور اس کا احسان تسلیم کرے جو حکمت کو اس تک لے آئے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو گمنام ہوتا ہے اس سے برکت کی توقع ہوتی ہے اور اس کا فائدہ عمومی ہوتا ہے اور اس سے جو حاصل کیا جائے وہ مکمل اور وسیع ہوتا ہے۔

جب تم اپنے اسلاف اور اخلاف کا جائزہ لوگے تو جان لوگے کہ اگر استاد متقی، خیر خواہ اور شفیق ہو تو تمھیں وہاں زیادہ منفعت نظر آئے گی اور طلبہ کو زیادہ حصہ ملے گا اور اسی طرح اگر تم تصنیفات پر نظر کروگے تو اگر مصنف زیادہ باتقویٰ ہے تو اس کا فائدہ زیادہ ہوتا ہے اور اس میں منہمک رہنے میں زیادہ کامیابی حاصل ہوتی ہے اور اگر عالم، تقویٰ سے عاری ہوتا ہے تو نتیجہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

۲) استاد؛ حقیقی باپ

اپنے استاد کو اپنا حقیقی باپ اور روحانی باپ مانے کہ روحانی باپ، جسمانی باپ سے زیادہ عظمت والا ہوتا ہے۔ پس اپنی تربیت کے سلسلہ میں اس کے حق کی رعایت اور ادائیگی کے لئے کوشش کرے۔

اسکندر سے دریافت کیا گیا:

''مَا بَالُکَ تُوَقِّرُ مُعَلِّمَکَ اَکْثَرَ مِنْ وَالِدِکَ ؟'' ''تمیں کیا ہوگیا ہے کہ اپنے والد سے زیادہ اپنے استاد کی توقیر کرتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا:

''لِاَنَّ الْمُعَلِّمَ سَبَبٌ لِحَیَاتِیْ الْبَاقِیَةِ وَوَالِدِیْ لِحَیَاتِیْ الْفَانِیَةِ'' ''اس لئے کہ معلم میری باقی رہنے والی حیات کا سبب ہے اور میرا باپ میری فانی زندگی کا باعث ہے۔'' (۱)

۱۔ الذریعہ الی مکارم الشریعہ، ص/ ۱۹۹۔

۳) جہل و نادانی ایک نفسانی بیماری

وہ یہ سمجھے کہ وہ نفسانی مریض ہے۔ اس لئے کہ بیماری در حقیقت فطرت کی گذرگاہ سے انحراف کا نام ہے۔ اور نفس کی طبیعت کسی امر کا جاننا ہے اور نفس جسمانی قوتوں کے اختلاط میں غلبہ کے سبب اپنی طبیعت سے باہر نکل جاتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا استاد اس کی بیماری کے لئے ڈاکٹر کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے کہ وہ اسے طبیعت کی گذرگاہ کی طرف واپس لوٹا ہے۔ لہٰذا استاد اگر کوئی مشورہ دے تو اس کی مخالفت کرنا مناسب نہیں ہے جیسے وہ طالب علموں سے یہ کہے کہ "فلاں کتاب پڑھو" یا یہ کہ "اتنا درس تمہارے لئے کافی ہے۔" اس لئے کہ اگر طالب علم اس کی مخالفت کرے تو گویا وہ ایسے مریض کی مانند ہے جو ڈاکٹر کی تجویز کردہ علاج کی مخالفت کرتا ہے۔

جس طرح بیمار پر لازم ہے کہ نقصان دہ چیزوں اور دوا کو فاسد کرنے والی غذاؤں سے پرہیز کرے خواہ طبیب کی موجودگی میں ہو یا اس کی غیر حاضری میں۔ اسی طرح طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو ان معنوی نجاستوں سے بھی پاک رکھے معلم جن سے طہارت کا خواہاں ہے مثلاً کینہ، حسد، غضب، حرص، تکبر، خود پسندی وغیرہ جیسی بری عادتیں۔

۴) استاد کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھنا

شاگرد اپنے استاد کو احترام، عظمت اور عزت کی نظر سے دیکھے۔ اسلاف میں سے کسی نے کہا ہے: "میں اپنے استاد کے سامنے ان کی ہیبت کی وجہ سے کتاب کی ورق گردانی بھی نہایت آہستگی کے ساتھ کرتا تھا تاکہ وہ ورق کے پلٹنے یا اسے اٹھانے کی آواز نہ سن لیں۔" اور دوسرے عالم نے کہا: "خدا کی قسم! اگر میرے استاد مجھے دیکھ رہے ہوتے تو ان کی ہیبت کے سبب میں ان کے سامنے پانی پینے کی بھی ہمت نہیں کرتا تھا۔"

طالب علموں کو چاہئے کہ استاد کے سامنے نہایت ادب کے ساتھ پرسکون، خضوع کے ساتھ سر جھکا کر، متواضع اور خشوع کے ساتھ بیٹھیں اور بہتر ہے کہ فرش پر بیٹھیں یا ٹانگوں کو موڑ کر سرین کے بل بیٹھیں اور خیال رہے کہ دونوں پیر چھپے رہیں اور کپڑے ڈھیلے ہوں اور استاد کے حضور دیوار یا تکیہ پر ٹیک لگا کر نہ بیٹھیں اور اور نہ ہی استاد پر اپنا ہاتھ رکھیں اور اپنے پہلو کو اور نہ ہی پیٹھ کو اس سے پھرائیں اور اس کے حضور نہ

اس پر ٹیک لگائے پیچھے سے یا پہلو یا پیٹھ پر اور نہ ہی اس کے جسم یا کپڑوں کو ہاتھ سے مس کرے اور نہ ہی اپنا پاؤں یا ہاتھ یا جسم کا کوئی حصہ یا کپڑا استاد کے کپڑے یا مسند یا جانماز سے مس کرے۔

بعض علماء نے کہا ہے: ''استاد کی تعظیم یہ ہے کہ اس کے برابر نہ بیٹھے اور نہ ہی اس کے مصلے یا مسند پر براجمان ہو اور اگر استاد ایسا حکم بھی دے تو تب بھی ایسا نہ کرے مگر یہ کہ اسے یقین ہو جائے کہ حکم کی مخالفت استاد کو ناگوار گذرے گی۔ اس وقت اس کا حکم مان لے اور پھر وہاں چلا جائے جو ادب کے متقاضی ہے۔''

اسی طرح اپنی آستین کو اوپر نہ چڑھائے اور نہ ہی ہاتھ سے استاد کی جانب اشارہ کرے اور نہ ہی اپنے ہاتھوں، پیروں یا اعضائے جسمانی سے کھیلے اور نہ ہی اپنی داڑھی یا منہ پر ہاتھ رکھے اور نہ ہی اپنی ناک سے کھیلے اور نہ ہی اپنا منہ کھولے اور نہ ہی دانتوں کو بجائے اور نہ ہی ہتھیلی سے زمین کو تھپتھپائے اور نہ ہی انگلیوں سے زمین پر نقش و نگار بنائے اور نہ دونوں ہاتھوں کو یکجا کر کے جال بنائے اور نہ ہی کاج سے کھیلے اور نہ ہی انگلیاں چٹخائے اور بلا ضرورت نہ کھنکھارے اور جہاں تک ممکن ہو نہ تھوکے اور نہ ہی ناک صاف کرے اور نہ ہی منہ سے بلغم نکالے بلکہ اسے کسی رومال میں لے لے اور نہ ہی ڈکار لے اور نہ انگڑائی لے اور نہ ہی جمائی لے اور اگر جمائی آجائے تو فوراً منہ کو چھپا لے اور جب چھینک آئے تو کوشش کرے کہ آواز کسی کو نہ پہنچے اور ایسے وقت میں اپنا چہرہ رومال وغیرہ سے چھپا لے اور بلا وجہ اپنی آواز بلند نہ کرے اور استاد کی بزم میں سرگوشی نہ کرے اور نہ ہی کنکھیوں سے کسی کو اشارہ کرے اور نہ ہی بغیر کسی ضرورت کے گفتگو کرے اور نہ ہی ایسی بات نقل کرے جس سے ہنسی آئے یا جس بات میں کوئی نیا پن نہ ہو، نہ کسی سے برے طور سے مخاطب ہو اور نہ ہی اس میں سوءِ ادب ہو بلکہ جب تک سوال نہ کیا جائے وہ گفتگو نہ کرے اور پہلے سے جب تک اجازت نہ لے لے کوئی بات نہ کرے۔ کسی ایسی بات پر نہ ہنسے جس میں کوئی تعجب کی بات نہ ہو اور اگر کوئی تعجب کی بات ہو تب بھی استاد کے سامنے ہنسنے سے اجتناب کرے البتہ بغیر کسی آواز کے مسکرانے پر کوئی قدغن نہیں ہے۔

اور یہ بات جان لو کہ استاد کی تابعداری میں اس کی عزت ہے۔ اس کے سامنے عاجزی اس کے لئے باعث فخر ہے۔ اس کا احترام ملحوظ خاطر رکھنا باعث ثواب ہے اور اس کی خدمت کے لئے آمادہ رہنا شرف ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تَعَلَّمُوْا الْعِلْمَ وَتَعَلَّمُوْا لِلْعِلْمِ السَّکِیْنَۃَ وَالْوِقَارَ وَتَوَاضَعُوْا لِمَنْ تُعَلَّمُوْنَ مِنْهُ'' (۱)

۱۔ کنز العمال، ج/۱۰، ص/۱۴۱، ح/۲۸۷۱۷۔

''تم علم حاصل کرو اور علم حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو تسکین اور وقار سے آراستہ کرو اور جس سے علم سیکھ رہے ہو اس کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔''

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''مَنْ عَلَّمَ اَحداً مَسْالَةً رَقَّهُ قِیْلَ: أَیَبِیْعُهُ وَیَشْتَرِیْهِ ؟قَالَ: بَلْ یَامُرُهُ وَیَنْهَاهُ''(۱)

''جس نے کسی کو ایک مسئلہ سکھایا اس نے اسے اپنا غلام بنالیا۔ سوال کیا گیا: کیا وہ اسے بیچ اور خرید سکتا ہے؟ تو آنحضرتؐ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ اسے حکم دے سکتا ہے اور منع کر سکتا ہے۔''

۵) استاد کی بات کا انکار نہ کرنا

طالب علم استاد سے اجنبیوں جیسا برتاؤ نہ کرے نہ اس پر حکم چلائے اور نہ ہی اس کے رائے کے خلاف کوئی رائے قائم کرے اس لئے کہ وہ صحیح نظریہ میں زیادہ علم رکھتا ہے۔ بلکہ اپنے جملہ امور میں اس کی پیروی کرے اور مکمل طور پر اپنے امور کی لگام اس کے ہاتھ میں دیدے اور اس کی خیر خواہی کا یقین رکھے، اس کی خوشنودی کو ترجیح دے خواہ وہ اس کی ذاتی رائے کے خلاف ہو اور کسی امر میں اس کی رائے اور اس کے انتخاب پر سبقت نہ کرے اور اپنے تمام امور میں اسی سے مشورہ کرے اور اس کے حکم کو بجالائے۔ اس کی رائے اور تدبیر سے باہر نہ جائے خواہ وہ زبان سے ہو یا دل سے۔

بعض علماء نے کہا ہے:

''خطَاءُ الْمُرْشِدِ اَنْفَعُ لِلْمُسْتَرْشِدِ مِنْ صَوَابِهِ فِیْ نَفْسِهِ''

''رہنمائی چاہنے والا اگر اپنی ذات سے درست عمل بھی انجام دے پھر بھی ہدایت کرنے والے کی غلطی اس سے زیادہ منفعت بخش ہوتی ہے۔''(۲)

حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے قصے میں اس نکتہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

۶) استاد کو عزت واحترام کے ساتھ مخاطب قرار دینا

مخاطب ہوتے وقت اور جواب دیتے وقت، اس کی عدم موجودگی اور موجودگی میں اس کی تکریم و تعظیم کو ملحوظ رکھے۔ اور اسے ''تم'' یا ''تم پر'' نہ کہے اور نہ ہی اسے دور سے پکارے۔

۱۔ بحار الانوار، ج/ ۱۰۸، ص/ ۱۶۔ ۲۔ احیاء علوم الدین، ج/ ۱، ص/ ۴۵۔

جب اس سے مخاطب ہو تو اس طرح کہے "یا سیدی" اور "یا استاذ" اور جو جملہ بھی اس جیسا ہو اس سے خطاب کرے اور جب بھی اس سے خطاب کرے تو اس کی تعظیم کو ملحوظ رکھتے ہوئے جمع کا صیغہ استعمال کرے جیسے یہ کہے: "آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں" اور "اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے" اور "آپ نے فرمایا اللہ آپ سے راضی ہو" یا "اللہ آپ سے اس کو قبول کرے" یا "آپ پر اللہ کا کرم ہو۔"

اور اس کی عدم موجودگی میں اس کا نام اس انداز میں لے جس سے اس کی عظمت واضح ہوتی ہو جیسے کہے: "استاد محترم نے فرمایا" وغیرہ۔

۷) ہر اعتبار سے استاد کا خیال رکھنا

اس کے احترام اور عظمت کو اپنے نفس میں محسوس کرے اور اس کی اقتدا کرے۔ اس کی عدم موجودگی میں اور اس مرنے کے بعد بھی اس کی سیرت کو ملحوظ رکھے اور جب تک وہ حیات ہے اس کے لئے ہمیشہ دعا کرتا رہے۔ اس کی اولاد، اس کے رشتہ داروں، چاہنے والوں کا خاص خیال رکھے۔ اس کی زندگی میں اور اس کے مرنے کے بعد بھی۔ اس کی قبر کی زیارت کو پابندی سے جائے اس کے لئے مغفرت طلب کرے، اس کے لئے رحمت طلب کرے۔ اس کی جانب سے صدقہ دے۔ اس کی سیرت و کردار کی راہ کو اپنائے اور اس پر گام زن رہے۔ دین اور علم میں اس کی عادتوں کو ملحوظ رکھے۔ اس کے آداب کا خیال رکھے؛ اسی لئے سب سے اہم بات ایسے استاد کو پالینا ہے جو صالح ہو جس کی اقتدا بہتر طور پر کی جاسکے اور اگر اس کے اوصاف سے متصف ہو کر اس میں اضافہ کر سکتا ہو تو ایسا ہی کرے ورنہ اس کے نقش قدم پر ہی چلتا رہے۔

۸) استاد کا شکریہ ادا کرنا

طالب علم کو چاہئے کہ اپنے استاد کا شکریہ ادا کرے۔ اسے اس چیز سے واقف کرانے پر جس میں کوئی خوبی ہو اور ایسی چیز سے سرزنش کرنے پر جس میں کوئی خامی ہو اور جب استاد اسے ادب کے کسی نکتے سے واقف کرے یا اس کی کسی خامی پر متنبہ کرے جو اس سے سرزد ہوئی ہے اگر اس بات کا اس کو پہلے سے علم بھی ہو پھر بھی استاد پر یہ ظاہر نہ ہونے دے کہ یہ اسے جانتا تھا بلکہ اس سے انجان بن جائے اور استاد کا شکریہ ادا کرے کہ اس نے استاد سے استفادہ کیا اور استاد نے اس کا خیال رکھا تا کہ بوقت ضرورت وہ نصیحت

کرنے سے گریز نہ کرے اگر وہ اس بارے میں معذرت خواہ ہو یعنی ظاہر نہ کرنے کی وجہ سے فساد اور بگاڑ کا امکان ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ شیخ کو اس بات سے آگاہ کر دینا بہت ضروری ہے۔

۹) استاد کی سختیوں پر صبر کرنا

طالب علم استاد کی بے رخی یا بدخلقی پر صبر کرے اور یہ بات رکاوٹ نہ بنے کہ وہ اس کی خدمت میں نہ رہے اور اس سے حسنِ عقیدت اور اعترافِ کمال کو چھوڑ دے۔ البتہ اس پر لازم ہے کہ استاد کے بظاہر ناپسندیدہ افعال کی بہترین تاویل کرے اور انھیں درست قرار دے۔ اس بات سے وہی عاجز رہے گا جس کے پاس توفیق کی کمی ہو۔

وہ اپنے استاد کی بے رخی پر معذرت، توبہ اور استغفار سے آغاز کرے اور وہ اپنے آپ کو اس کی وجہ قرار دے اور اس بارے میں اپنے آپ کو معتوب قرار دے۔ اس طرح وہ استاد کی مودت اور اس کی دل جوئی کو برقرار رکھے گا اور یہ طالب علم کی دنیا اور آخرت دونوں کے لئے زیادہ سودمند ہوگا، بزرگوں میں سے کسی سے مروی ہے:

''مَنْ لَمْ يَصْبِرْ عَلٰى ذُلِّ التَّعَلُّمِ بَقِيَ عُمُرُهُ فِي عَمَايَةِ الْجَهَالَةِ وَمَنْ صَبَرَ عَلَيْهِ اٰلَ اَمْرُهُ اِلٰى عِزِّ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ''(۱)

''جو طلب علمی کے دوران پیش آنے والی ذلت وخواری پر صبر نہیں کرے گا وہ عمر بھر جہالت کے اندھے پن میں رہے گا اور جو اس پر صبر سے کام لے گا اس کا انجام دنیا و آخرت کی عزت پر ہوگا۔''

ایک شاعر نے کہا:

اِصْبِرْ لِدَائِكَ اِنْ جَفَوْتَ طَبِيْبَهٗ وَاصْبِرْ لِجَهْلِكَ اِنْ جَفَوْتَ مُعَلِّمًا

''اگر تم نے طبیب سے بے رخی اختیار کی تو اپنی بیماری پر صبر کرو اور اگر تم نے اپنے استاد سے بے اعتنائی کی ہے تو اپنی جہالت پر صبر کرلو''

ماضی میں اپنے اساتذہ کے سامنے بزرگ علماء کے صبر و تحمل کی عجیب وغریب داستانیں نقل ہوئی ہیں کہ اگر ہم انھیں بیان کریں تو بات بہت بڑھ جائے گی۔

۱۔ عدۃ الداعی، ص/ ۷۱۔

۱۰) استاد سے پہلے کلاس میں حاضر ہونا

طالب علم کو چاہئے کہ اس بات کی کوشش کرے کہ استاد کی تشریف آوری سے پہلے مجلس درس میں حاضر ہو جائے اور اپنے آپ کو اس بات کا عادی بنالے۔ اگر وہ استاد کے گھر کے دروازے پر انتظار کرے کہ استاد برآمد ہوں اور وہ ان کے ساتھ مجلس درس میں جائے تو یہ آسانی کے ساتھ ساتھ افضل بھی ہے اور استاد کے حضور میں حاضری میں دیر کرنے سے اجتناب کرے کہ استاد کو اس کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ اگر یہ بغیر کسی اہم ضرورت کے ایسا کرتا ہے تو گویا اپنے آپ کو نفرت اور مذمت کے لئے پیش کر دیتا ہے۔

۱۱) استاد کی اجازت کے بغیر اس کے پاس نہ جانا

طالب علم کو چاہئے کہ اگر مجلس عام نہ ہو تو استاد کی خدمت میں بغیر اجازت کے نہ آئے خواہ اس وقت استاد تنہا ہو یا اس کے ساتھ کوئی موجود ہو۔ اگر وہ اجازت طلب کرے اور استاد کو علم ہو جائے اور وہ اجازت باریابی نہ دے تو واپس چلا جائے اور بار بار اجازت طلب نہ کرے اور اگر اسے شک ہو کہ استاد کو اس کی آمد کا علم ہے یا نہیں۔ تو صرف تین مرتبہ اجازت کا خواہاں ہو اس میں اضافہ نہ کرے اور یہ کہ طلب اجازت کے تین طریقے استعمال کرے خواہ اس کا تعلق دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹانے سے ہو یا اسے چاہئے کہ انگلیوں کے ناخنوں سے دروازہ کھٹکھٹائے پھر انگلیوں سے دق الباب کرے۔ پھر آہستہ آہستہ کنڈی کھٹکھٹائے۔ پس اگر استاد کی جگہ دروازے سے دور ہو تو پھر اتنی زور سے دروازہ کھٹکھٹانے میں کوئی حرج نہیں کہ استاد سن لے اور اگر وہ اجازت مرحمت کر دے تو اگر بصورت جماعت جارہے ہوں تو پہلے وہ جائے اور سلام کرے جو افضل ہو پھر اس کے بعد وہ جائے جو عمر رسیدہ ہو پھر ہر ایک افضلیت کے اعتبار سے استاد کو یکے بعد دیگرے سلام کریں۔

۱۲) پوری تیاری کے ساتھ استاد کے پاس جانا

شاگرد کو چاہئے کہ جب استاد کے پاس جائے تو مکمل طور سے تیار ہو کر جائے اس کا دل دیگر مصروفیات سے فارغ ہو، وہ مستعد، رغبت کے ساتھ صاف ستھرے ذہن کے ساتھ، اسے نہ اونگھ آرہی ہو نہ وہ غضب ناک ہو اور نہ ہی بھوکا پیاسا ہو یا اس طرح کی کسی دوسری حالت میں نہ ہو۔ وہ پاک صاف ہو کر ضروری امور جیسے مسواک کرنے یا ناخن اور بال کٹوانے اور ناگوار بو کو دور کرنے کے بعد، بہترین لباس زیب تن

کر کے حاضر ہو بالخصوص جب علمی نشست میں جانا چاہتا ہو کیوں کہ یہ مجلس ذکر ہے جہاں جمع ہونا عبادت ہے اور ان امور کا تعلق آداب عبادت سے ہے۔

۱۳) پوری تیاری کے بغیر استاد کے پاس نہ پڑھنا

اگر دل کسی اور کام میں لگا ہوا ہو، تھکن ہو، اونگھ آرہی ہو، بھوک اور پیاس لگی ہو، رنج و محن ہو یا اسی قبیل کی کوئی بات ہو جس کے سبب بحث و تمحیص میں دشواری پیش آئے تو استاد سے کوئی بحث نہ چھیڑے مگر یہ کہ استاد خود ہی اس سے کوئی بحث چھیڑنے کو کہے تو ایسی صورت میں اس کا مثبت جواب دے۔

۱۴) استاد کے حضور آداب

جب طالب علم، استاد کے پاس عمومی نشست کے علاوہ جائے اور استاد کے پاس کوئی مصروف گفتگو ہو اور وہ اسے دیکھ کر خاموش ہو جائے یا استاد کی خدمت میں اس وقت حاضر ہو جب وہ تنہا ہو اور نماز پڑھ رہا ہو یا کوئی اور چیز پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو یا مطالعہ کر رہا ہو یا کچھ لکھ رہا ہو اور وہ اسے دیکھ کر سب کچھ چھوڑ دے۔ لیکن گفتگو کا آغاز نہ کرے یا بات کرنے پر آمادہ نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ اسے سلام کر کے جلدی سے وہاں سے روانہ ہو جائے مگر یہ کہ استاد اسے رکنے کے لئے کہے اگر وہ رک جائے تو وہاں زیادہ دیر تک نہ ٹھہرے مگر یہ کہ استاد اسے خود اس بات کا حکم دے۔ اس ڈر سے کہ کہیں وہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائے جو اللہ والوں کو اللہ سے دور کرنے کے ساتھ ساتھ خدا کی ناراضگی بھی مول لیتے ہیں۔

۱۵) استاد کا انتظار کرنا

جب شاگرد استاد کے گھر پر جائے اور اسے نہ پائے تو اس کا انتظار کرے اور اپنی طرف سے درس کا ناغہ نہ کرے اس لئے کہ اگر کوئی درس چھوٹ گیا تو اس کا بدل ممکن نہیں اور طالب علم استاد کو باہر بلانے کے لئے اس کے گھر کا دروازہ نہ کھٹکھٹائے اور اگر استاد محو خواب ہو تو اس کے بیدار ہو جانے تک انتظار کرے یا واپس چلا جائے اور دوبارہ آئے البتہ رک کر انتظار کرنا زیادہ بہتر ہے۔ استاد کو نہ تو خود بیدار کرے اور نہ ہی کسی سے بیدار کرنے کے لئے کہے اس لئے کہ بزرگوں کا یہی طریقہ رہا ہے۔

۱۶) استاد سے اصرار نہ کرنا

استاد سے اس وقت پڑھانے کی خواہش نہ کرے جب اس کے لئے پڑھانا دشوار ہو اور عادۃً اس وقت پڑھانا ممکن نہ ہو اور نہ ہی دوسروں کو چھوڑ کر استاد سے اپنے لئے علیحدہ وقت کا مطالبہ کرے خواہ وہ رئیس ہی کیوں نہ ہو۔ اس عمل سے استاد طلبہ اور علم کے مقابل میں ایک طرح کی بڑائی کا تصور پیدا ہوتا ہے اور یہ بات سراسر حماقت ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ استاد کو طالب علم سے شرم محسوس ہوتی ہے لہٰذا وہ اس کی خاطر اس وقت اپنے اہم کام کو چھوڑ دیتا ہے ایسی صورت میں طالب علم کامیاب نہیں ہوسکتا۔

۱۷) استاد کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی بات کو غور سے سننا

طالب علم کو چاہئے کہ استاد کی بات توجہ سے سنے، اسے دیکھتا رہے، مکمل طور سے اس کی جانب توجہ مبذول رکھے اور اس کی بات کو اچھی طرح سمجھ لے تاکہ بات کو دوبارہ دہرانے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔ بلاضرورت کسی اور طرف متوجہ نہ ہو نہ ہی داہنی طرف دیکھے اور نہ ہی بائیں جانب نظر کرے۔ اگر کوئی چیخ پکار سنائی دے تو اس میں کسی قسم کا اضطراب رونما نہ ہو اور نہ ہی اس کی جانب متوجہ ہو۔ اس پر لازم ہے کہ غور سے سننے اور سمجھنے میں کوتاہی نہ کرے۔ اس کا ذہن کسی فکر یا بات کی جانب مشغول نہ ہو جائے کہ استاد سے اس بات کو دوبارہ بیان کرنے کے لئے کہنا پڑے کیونکہ یہ بے ادبی ہے۔ بلکہ وہ استاد کی گفتگو کو پورے دھیان کے ساتھ سنے جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ وہ اپنے ذہن کو حاضر رکھے اور پہلی مرتبہ سننے پر اکتفا کرلے۔ کچھ اساتذہ دوبارہ بیان کئے جانے کے مطالبہ پر بھی دوبارہ بیان نہیں کرتے تھے بلکہ اس مطالبہ پر جھڑک دیتے تھے۔ لیکن اگر دور بیٹھے کی وجہ سے استاد کی بات نہیں سن سکا یا غور سے سننے کے باوجود بھی سمجھ نہ سکا تو پھر نہایت لطیف انداز میں معذرت چاہتے ہوئے استاد سے یہ گذارش کرے کہ وہ اس بات کو دوبارہ بیان کردے یا اسے اچھی طرح سمجھا دے۔ اور یہ مناسب نہیں ہے کہ جس بات کو سیکھ چکا ہے اسے دوبارہ سمجھنا چاہے اس سے وقت بھی برباد ہوتا ہے اور بسا اوقات یہ بات استاد کو ناگوار گذرتی ہے۔

۱۸) استاد کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرنا

طالب علم کو چاہئے کہ مکمل طور پر محتاط رہے کہ بزمِ استاد میں کسی کی غیبت کرے یا کسی سے اس کے

بارے میں چغلی کھائی جائے یا استاد اور کسی دوسرے کے مابین ایسی بات کہے جس میں برائی کا پہلو نکلتا ہو جیسے استاد کی عظمت کو گھٹانا یا اس کے بارے میں کچھ کہنا یا جو کچھ اس نے کہا ہے اس کی تردید کرنا یا یہ بات کہے گویا کہ اسے ابھار رہا ہے تا کہ اس کے امور کی جانب وہ توجہ مبذول کرے۔ ''فلاں شخص چاہتا ہے کہ میں اس کے پاس پڑھوں یا میرا ارادہ ہے'' یا ''میں فلاں کے پاس پڑھنا چاہتا تھا لیکن آپ کی خاطر اسے چھوڑ دیا''، وغیرہ۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے یا اس جیسی کسی بات پر عمل کرتا ہے تو گویا وہ مکروہ کام کرتا ہے یا حرام کرتا ہے یا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے اور وہ اپنی حماقت اور ریاکاری کی بنیاد پر زجر و توبیخ، تذلیل ،دھتکارے جانے اور دور کر دیئے جانے کا مستحق ہے۔

۱۹) احترام و اکرام کے ساتھ استاد سے بات کرنا

حتی الوسع استاد سے بہترین انداز میں بات کرنا چاہئے اور اس سے یہ نہیں کہنا چاہئے کہ ''کیوں'' یا ''ہم اس بات کو نہیں مانتے'' یا یہ کہ ''یہ بات کس نے لکھی ہے؟'' یا یہ کہ ''یہ بات کہاں پر ہے'' یا یہ کہ ''اس کے علاوہ بھی کسی اور نے اسے بیان کیا ہے'' یا ''اور کسی جگہ موجود ہے'' یا اسی سے ملتی جلتی باتیں۔ اگر وہ اصل کتاب یا جس نے اس بات کو نقل کیا ہے اسے جاننا اور پہچاننا چاہتا ہے تو نہایت نرمی کے ساتھ استفادہ کی غرض سے اس تک رسائی حاصل کرے اور بہتر ہے کہ یہ درس کے اختتام پر ہو اور اسی طرح یہ بھی لازم ہے کہ طالب علم ''کیوں'' اور ''میں نہیں مانتا'' کی جگہ یہ کہے ''اگر ہم سے یہ کہا گیا تو اس کا کیا جواب دیں گے'' یا یہ کہ ''اگر ہمیں اس بات سے روک دیا گیا'' یا ''اگر ہم سے اس طرح کا سوال کیا گیا''۔ ''اگر اس قسم کا اعتراض کیا گیا'' تا کہ پتا چلے کہ طالب علم حسنِ ادب اور لطفِ عبارت کے ساتھ جواب کو سمجھنا چاہتا ہے۔

جب استاد کسی قول یا دلیل پر مصر ہو اور وہ بات اس پر واضح نہ ہو یا سہواً وہ ایسی بات کہہ رہا ہو جو درست نہ ہو تو ایسی صورت میں بھی طالب علم کو اپنے چہرے یا آنکھوں میں تغیر رونما نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی کسی دوسرے کی طرف ایسا اشارہ کرنا چاہئے کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ استاد کی بات کو تسلیم نہیں کرتا۔ بلکہ بظاہر اس سے نہایت خندہ پیشانی سے پیش آنا چاہئے اس لئے انسانوں میں عصمت صرف انبیاء اور اولیاء سے مخصوص ہے۔

اگر استاد، طالب علم سے اقرار لینے اور تاکید کی غرض سے کوئی سوال کرے مثلاً یہ کہے کہ ''کیا تم نے

ایسا نہیں کہا؟ یا ''کیا تمھاری یہ مراد نہیں ہے؟'' تو اسے چاہئے کہ فقط ''نہیں'' کہہ کر یا اسی طرح کچھ کہہ کر اس کی بات کو رد نہ کرے بلکہ خاموش ہو جائے یا توریہ کرتے ہوئے ایسا لطیف کلام کرے جس سے استاد پر اس کا مقصد واضح ہو جائے۔ اگر وہ اپنے مقصود اور قول کی وضاحت نہیں کرنا چاہتا تو اس طرح کہے: ''اب میں کہنا چاہتا ہوں'' یا یہ کہے: ''میں اس بات کا اس طرح پلٹتا ہوں'' اور اپنے استاد کی بات دہرائے اور یہ نہ کہے کہ ''میں نے یہ کہا تھا'' یا یہ کہ ''میری یہ مراد تھی'' اس لئے کہ اس طرز کلام سے استاد کی بات کی تردید لازم آتی ہے۔

جب استاد سے گفتگو کرے تو ناروا عبارتوں اور الفاظ سے دوری کرے جس کے بعض افراد عادی ہو جاتے ہیں۔ جیسے: ''آپ کو کیا ہو گیا ہے؟'' ''آپ نے سمجھ لیا؟'' اور ''آپ نے سنا؟'' ''آپ جانتے ہیں؟!'' ''جناب عالی!'' وغیرہ۔

۲۰) جلد بازی نہ کرنا

اور جب استاد کوئی گنجلک مسئلہ بیان کرے جس کے بعد اس کی وضاحت ہونی تھی اور اس نے وضاحت نہ کی ہو یا کوئی ایسی بحث ہو جس میں کوئی اشکال ہو اور اس اشکال کو دور نہ کیا ہو یا کچھ اعتراضات ہوں جن کا جواب دینا تھا اور اس نے انھیں نظر انداز کر دیا تو ان باتوں کا ذکر کرنے میں عجلت سے کام نہ لے اور جوابات نہ دینے کی وجہ سے اس کا پیچھا نہ کرے بلکہ طالب علم پر لازم ہے کہ نہایت لطیف انداز میں ان امور کی جانب اشارہ کرے جیسے یہ کہے: ''آپ نے اعتراضات کے جوابات کی جانب توجہ نہیں فرمائی'' اور اس طرح کے دیگر جملات سے یاد دہانی کرا دے اگر استاد کو یاد آ گیا تو ''فبہا اور درست'' ورنہ اس بارے میں سکوت اختیار کرنا بہتر ہے مگر یہ کہ استاد خود اجازت مرحمت فرمائے یا طالب علم کو پتا چل جائے کہ استاد اس بات کو ترجیح دے رہا ہے۔

اگر استاد سبقتِ لسانی کی بنیاد پر کسی جملے میں تحریف کر دے جس سے تحقیر کا پہلو نکلتا ہو تو ایسی صورت میں طلبہ کو ہنسنا نہیں چاہئے اور نہ ہی مذاق اڑانا چاہئے اور نہ اس بات کو دہرانا چاہئے اور نہ ہی کنکھیوں سے دوسروں کی جانب اشارہ کرنا چاہئے اور نہ ہی استاد کی جانب اشارہ کرنا چاہئے۔ بلکہ جو کچھ ہوا اس پر غور نہ کرے، اسے دل میں نہ بسائے، اس جانب کان نہ لگائے اور کسی اور کو نہ سنائے اس لئے کہ بسا اوقات زبان سبقت کر جاتی ہے اور وہ معصوم نہیں ہے بالخصوص جب نادانستہ طور پر کوئی بات سامنے آ جائے جن

باتوں کو بیان کیا گیا ہے اگر کوئی استاد کے ساتھ انھیں بجا لاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو محرومی، مصائب اور نقصان کے لئے تیار رکھے اور ایسا شخص زجر و توبیخ، سزا، قطع تعلقی اور ملامت کا مستحق ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ، فرشتوں، انبیاء اور خاصانِ خدا کی ناراضگی کا سبب بھی بنے گا۔

۲۱) استاد پر سبقت نہ کرنا

اگر استاد سے یا کسی اور سے کوئی سوال کیا جائے تو اس کی تشریح کرنے یا سوال کا جواب دینے میں استاد پر سبقت نہ کرے، بالخصوص اس وقت جب اس کے علاوہ کوئی دوسرا استاد سے سوال کر رہا ہو۔ اسے چاہئے کہ توقف کرے۔ اس میں مقابلہ نہ کرے اور نہ ہی یہ ظاہر کرے کہ اسے اس بات کا زیادہ علم ہے یا استاد سے پہلے اسے اس بات کا ادراک ہو گیا ہے۔ اگر پتا چل جائے کہ استاد طالب علم کے جواب دینے کو ترجیح دے رہا ہے یا استاد نے شروع سے ہی اس مسئلہ کو اس کی جانب پھیر دیا ہے اور اس سے جواب دینے کی خواہش کی ہے تو ایسی صورت میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۲۲) استاد کی بات نہ کاٹنا

طالب علم کو چاہئے کہ استاد کی گفتگو کو منقطع نہ کرے خواہ وہ کچھ بھی کہہ رہا ہو، بلکہ صبر سے کام لے۔ جب استاد اپنی بات مکمل کر لے تو گفتگو شروع کرے۔ جب استاد اس سے یا اہل مجلس سے محو گفتگو ہو تو کسی اور سے بات نہ کرے بلکہ اس کا قصد یہ ہونا چاہئے کہ استاد کی گفتگو کو توجہ سے سنے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرے۔

۲۳) استاد کی باتوں کو غور سے سننا

جب طالب علم یہ سنے کہ استاد کسی مسئلہ میں کوئی حکم بیان کر رہا ہو یا کوئی انوکھا نکتہ بتا رہا ہو یا کوئی حکایت سنا رہا ہو یا شعر پڑھ رہا ہو اور وہ طالب علم کو یاد بھی ہو تب بھی اسے چاہئے کہ استاد کی باتوں پر اسی طرح کان لگائے غور سے سنتا رہے جیسے وہ ابھی اس سے استفادہ کر رہا ہے، وہ اس کا پیاسا ہے اور اس سے محظوظ ہو رہا ہے گویا کہ اس نے اس سے پہلے اسے سنا ہی نہیں تھا۔ ایک بزرگ کا کہنا ہے: ''اِنَّ الشَّابَّ لَيَتَحَدَّثُ بِحَدِيثٍ فَاَسْتَمِعُ لَهُ كَاَنِّي لَمْ اَسْمَعْهُ وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ قَبْلَ اَنْ يُولَدَ'' ''ایک جوان کوئی بات بتا رہا تھا تو اسے میں اتنا غور سے سن رہا تھا کہ گویا کہ میں نے وہ بات سنی ہی نہیں تھی حالانکہ وہ بات میں اس کی پیدائش سے پہلے ہی سن چکا تھا۔''

اگر استاد طالب علم سے یہ دریافت کرے کہ یہ بات اسے یاد ہے یا نہیں تو جواب میں ''ہاں'' نہ کہے کیونکہ اس سے استاد سے بے نیازی کا پتا چلتا ہے اور جواب میں ''نہیں'' بھی نہ کہے کیوں کہ ایسا کہنا جھوٹ ہے بلکہ اسے کہنا چاہئے: ''میں اس سلسلہ میں استاد سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں'' یا یہ کہے: ''میں آپ کی زبانی سننا چاہتا ہوں'' یا یہ کہے: ''مجھے واقعہ سنے کافی عرصہ گذر چکا ہے'' یا یہ کہے: ''آپ سے مجھے صحیح واقعہ کا علم ہوگا'' وغیرہ وغیرہ

پس اگر یہ پتا چلے کہ استاد خوش ہو کر دریافت کر رہا ہے اور اسے اس واقعہ کا علم ہے یا اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ وہ اس داستان کو مکمل کر دے اور اس طرح وہ طالب علم کی یادداشت یا حافظے یا معلومات بیان کرنے کا امتحان لینا چاہتا ہے تو استاد کی غرض کا اتباع کرتے ہوئے اس کی مرضی کو پورا کرنے کے لئے اور اپنی طرف اس کی توجہ کو بڑھانے کے لئے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۲۴) بے موقع سوال نہ کرنا

طالب علم بے موقع کسی شے کے بارے میں سوال نہ کرے ایسا کرنے والا جواب کا حق دار نہیں ہوتا۔ مگر یہ کہ استاد کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ اس بات کو ناپسند نہیں کرتا لیکن اس کے باوجود بہتر ہے کہ ایسا نہ کرے اور سوال سے متعلق اکتا دینے والا اصرار نہ کرے۔ استاد سے راستے میں سوال نہ کرے۔ جب تک وہ منزل مقصود تک نہ پہنچ جائے۔ بلکہ جب استاد مطمئن اور فارغ البال ہو تو اس وقت سوال کرنے کو غنیمت سمجھے اور اپنے سوال میں نرم لہجہ اختیار کرے اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

''حُسْنُ السُّوَالِ نِصفُ الْعِلْمِ''(۱) ''بہترین سوال کرنا آدھا علم ہے۔''

۲۵) شبہہ کی وضاحت کے لئے سوال کرنا

جس چیز کے بارے میں اشکال واعتراض ہو تو اس بارے میں سوال کرنے سے نہ شرمائے بلکہ اس کی مکمل وضاحت طلب کرے جو شخص شرماتے ہوئے سوال کرے گا دوسروں کو جواب دیتے وقت اس کا علم بھی شرمائے گا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے: ''اِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ عَلَيْهِ قُفْلٌ وَمِفْتَاحُهُ الْمَسْأَلَةُ''(۲) ''یقیناً اس علم پر تالے لگے ہوئے ہیں اور اس کی کنجی سوال کرنا ہے۔

۱۔ بحار الانوار، ج/۱، ص/۲۲۴۔ ۲۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۰۔

۲۶) سوچ سمجھ کر جواب دینا

جب استاد طالب علم سے کہے: ''کیا تم نے سمجھ لیا'' تو وہ اس کے جواب میں فوراً ''جی ہاں'' نہ کہے، جب تک اس پر مقصود مکمل طور سے واضح نہ ہو جائے تاکہ وہ جھوٹ سے بچے اور فہم فوت نہ ہونے پائے اور وہ یہ کہنے سے بھی نہ شرمائے کہ ''ابھی یہ بات مجھ پر واضح نہیں ہوئی'' اس لئے کہ جستجو اور طلب سے اس کو فوری اور دیر پا مصلحتیں حاصل ہو جائیں گی فوری فائدہ یہ ہوگا کہ مسئلہ سمجھ میں آجائے گا اور استاد پر طالب علم کی توجہ، رغبت، کمال عقل، پارسائی اور اس کی نفسانی خوبیاں واضح ہو جائیں گی۔ اور دیر پا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کے دل میں ایک درست ثبوت دائمی طور پر فراہم ہو جائے گا اور طالب علم اس پسندیدہ طریقے اور بہترین اخلاق کا عادی بن جائے گا۔ خلیل بن احمد عروضی نے کہا ہے:

''مَنْزِلَةُ الْجَهْلِ بَيْنَ الْحَيَاءِ وَالْاَنَفَةِ'' ''حیا اور نخوت کے درمیان جہالت کا بسیرا ہوتا ہے۔''

۲۷) استاد کے سامنے کوئی چیز نہ پھینکنا

شاگرد استاد کی جانب کوئی شے پھینک کر نہ دے جیسے کتاب یا کاغذ یا ان کے علاوہ کوئی اور شے۔ اگر استاد دور ہو تو اس کی جانب اپنا ہاتھ نہ پھیلائے اور نہ ہی استاد کو مجبور کرے کہ کسی چیز کو لینے یا کچھ دینے کے لئے اس کی طرف ہاتھ پھیلائے۔ بلکہ کھڑے ہو کر اس کے پاس جائے۔ استاد تک پہونچنے کے لئے کھسکے نہیں۔ جب اس کے سامنے کھڑا ہو یا بیٹھا ہو تو زیادہ قریب نہ جائے۔

جب استاد اسے کوئی شے عطا کرے تو اسے دائیں ہاتھ سے لے اور اگر وہ بھی استاد کی خدمت میں کچھ پیش کرے تو دائیں ہاتھ سے دے۔ اگر کوئی کاغذ ہو تو اسے لپٹا ہوا نہ دے بلکہ اسے کھول کر دے مگر یہ کہ اسے یہ علم و گمان ہو کہ استاد اسے لپٹا ہوا لینا چاہتا ہے۔ اور اگر استاد سے کوئی کاغذ لے تو جلدی ہی اسے کھلا ہوا لے قبل اس کے کہ وہ اس کاغذ کو لپیٹے یا بند کرے۔ اگر استاد کی خدمت میں کوئی کتاب پیش کرے تو اس شکل میں ہو کہ وہ کتاب کو پلٹے بغیر کھول کر پڑھنے کے لئے آمادہ ہو اور اگر کوئی خاص جگہ اور صفحہ ہو تو اسے کھول کر دینا چاہئے اور اس کے لئے جگہ متعین کر دینی چاہئے۔ اگر اسے لکھنے کے لئے قلم دے رہا ہے تو دینے سے قبل اسے لکھنے کے لئے تیار ہونا چاہئے اور اس کی خوبیاں موجود ہونی چاہئیں اور اگر استاد کے سامنے دوات رکھے تو اسے کھلا ہوا ہونا چاہئے، سر پوش ہٹا کر کتابت کے لئے آمادہ۔ اگر اسے چھری دے رہا

ہو تو دھار اس کی طرف نہ کرے اور نہ ہی دستہ اس کی جانب ہو اور وہ اپنے ہاتھ دھار پر رکھے ہوئے ہو بلکہ وہ چوڑائی میں ہو اور اس کی دھار اس کی طرف ہو اور یہ دستہ کو پکڑے ہوئے جو پیکان سے متصل ہو اور اس کے دستے کو لینے والے کے دائیں ہاتھ میں دے دے۔ استاد کی موجودگی میں جانماز پر نہ بیٹھے اور اگر نماز کے لئے پاک جگہ میسر ہو تو اس پر نماز نہ پڑھے مگر یہ کہ جانماز رکھنے اور اس پر نماز پڑھنے کی عادت بن چکی ہو اور جب استاد کی خدمت میں مصلیٰ پیش کرے تاکہ وہ اس پر نماز پڑھے تو اِسے چاہئے کہ اسے کھول کر دے اور بہتر ہے کہ استاد کے لئے مصلیٰ بچھا دے۔ بعض علماء کا کہنا ہے اگر مصلیٰ بچھا رہا ہو اور اس میں محراب کی تصویر بنی ہو اگر ممکن ہو تو اسے قبلہ کی سمت میں رکھے جب استاد نماز ختم کر کے کھڑا ہو تو جماعت کا فرض ہے کہ مصلیٰ لینے میں سبقت کرے اگر وہ مصلیٰ اس کے ساتھ جاتا ہو اور اگر ضرورت پڑے تو اس کے ہاتھ یا شانے سے خود لے لے۔ اگر استاد پر شاق نہ گذرے تو اس کی نعلین نے آئے اور ان سب امور میں اس کی خدمت کرنے اور اس کی ضرورت پوری کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے تقرب کا خواہاں ہو۔ کہا گیا ہے: ”چار باتیں ایسی ہیں کہ کوئی شریف آدمی اس میں ناک بھوں نہیں چڑھائے گا خواہ وہ کتنا ہی دولت مند کیوں نہ ہو: بزم میں اپنے والد کے احترام میں کھڑا ہونا۔ اس عالم کی خدمت کرنا جس سے علم حاصل کر رہا ہے۔ جو بات نہ جانتا ہو اس کے بارے میں سوال کرنا اور مہمان نوازی کرنا۔“

۲۸) استاد کے احترام میں کھڑا ہونا

استاد کے کھڑے ہوتے ہی طالب علم بھی کھڑا ہو جائے اور جب تک استاد کھڑا رہے نہ بیٹھے اور اگر استاد کھڑا ہو یا بیٹھا ہو تو یہ اس کے سامنے دراز نہ ہو بلکہ مطلقاً اس کے سامنے نہ لیٹے مگر یہ کہ سونے کا وقت ہو جائے اور اس کی اجازت مل جائے اور بہتر یہ ہے کہ جب تک استاد سو نہ جائے طالب علم بھی نہ سوئے اور اگر استاد اسے سونے کا حکم دے تو اس کے حکم کی پابندی کرے۔

۲۹) استاد کے ساتھ چلنے کی کیفیت

جب طالب علم اپنے استاد کے ساتھ کہیں جا رہا ہو تو رات میں اس کے آگے چلے اور دن میں پیچھے چلے مگر یہ کہ جو وقت کا تقاضا ہو اس کے مطابق عمل کرے یا استاد جیسا حکم دے طالب علم اسی کے مطابق عمل کرے۔

یہ بات مُسلّم ہے کہ ایسی نشیبی زمینوں پر جن کے بارے میں واقفیت نہیں ہے جیسے کیچڑ والی اور

جہاں پر حوض ہو اور خطرناک زمینوں پر طالب علم استاد سے آگے آگے چلے اور یہ کہ استاد کے لباس کو بارش میں بھیگنے سے بچائے اور اگر استاد کسی تنگ جگہ پر ہو تو اسے اپنے ہاتھوں سے بچائے خواہ یہ اس کے آگے ہو یا پیچھے۔ اگر طالب علم آگے آگے چل رہا ہے تو تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد استاد کی طرف متوجہ رہے اور اگر وہ تنہا ہو اور استاد اس سے چلتے ہوئے گفتگو کر رہا ہو تو استاد کی دائیں طرف یا بائیں طرف تھوڑا سا آگے بڑھ کر اس کی جانب متوجہ رہے اور اگر مشاہیر اور برگزیدہ لوگوں میں سے کوئی قریب آ رہا ہو اگر استاد کو آگاہی نہ تو اس کو اس بات سے آگاہ کر دے۔ اس کے پہلو بہ پہلو نہ چلے مگر یہ کہ ضروری ہو یا خود اس کی مرضی ہو اور اگر دونوں سواری پر ہوں تو کندھے اور رکاب کے نزدیک آ جانے سے اجتناب کرے اور اپنے کپڑوں کو اس کے کپڑوں سے چمٹائے نہ رکھے۔ موسم گرما میں اسے سایہ کی جانب رکھے اور موسم سرما میں اسے دھوپ کی طرف رکھے۔ چبوترے وغیرہ پر اسے دیوار کی جانب رکھے اور جب استاد طالب علم سے مخاطب ہو تو طالب علم کو اس طرح اس کے سامنے چلنا چاہئے کہ اس وقت سورج کی کرنیں استاد کے چہرے کو اذیت نہ پہنچائیں۔ اگر استاد کسی سے محو گفتگو ہو تو ان کے درمیان نہ چلے بلکہ ان دونوں سے پیچھے ہو کر چلے یا آگے بڑھ جائے۔ ان کے قریب نہ ہو۔ ان کی باتیں نہ سنے اور اس جانب متوجہ نہ ہو۔ اگر وہ اسے بھی گفتگو میں شامل کر لیں تو دوسری جانب سے آ کر شامل ہو اور ان کے درمیان میں چیرتا پھاڑتا ہوا داخل نہ ہو۔

جب استاد کے ساتھ دو افراد چل رہے ہوں اور دونوں پہلو بہ پہلو ہوں تو جو ان سے بڑا ہے اسے داہنی طرف ہونا چاہئے اور اگر پہلو بہ پہلو نہ ہوں تو بڑے کو آگے اور چھوٹے کو استاد سے پیچھے ہونا چاہئے۔

۳۰) استاد کو سلام کرنے کی کیفیت

اگر استاد سے راستے میں ملاقات ہو جائے تو سلام سے ابتدا کرے اور اسے آواز دے کر نہ پکارے اور نہ ہی دور سے اسے سلام کرے اور نہ ہی پیچھے سے اسے سلام کرے۔ بلکہ اس کے نزدیک آ جائے اور پھر سلام کرے۔ کسی راستے پر چلنے سے پہلے اس سے مشورہ کرے خود اسے مشورہ نہ دے اور اس کے مشورہ پر تیزی سے عمل پیرا ہو۔ اس کی رائے کو رد کئے بغیر مگر یہ کہ اظہار رائے کی ضرورت محسوس کرے۔ استاد نے جو راستہ دکھایا ہے وہ غلط ہو تو اس پر لازم ہے کہ نہایت نرمی، حسن ادب سے استاد سے یہ کہے: ''بظاہر یہ مجھے درست نظر آتا ہے'' اور یہ نہ کہے: ''کہ میرا نظریہ یہ ہے'' یا ''یہی صحیح ہے'' وغیرہ وغیرہ۔

جان لو کہ یہ وہ آداب تھے جن میں سے کچھ کے بارے میں روایات موجود ہیں بلکہ ان کی افضلیت اور اہمیت کو ثابت کرتی ہیں اور باقی وہ ہیں جن کا استنباط کسی ایسے ذریعے سے کیا جاتا ہے جن پر احکام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان جیسی محکم عادت وخصلت کی رعایت کی جائے اور اللہ ہی توفیق عطا کرنے والا ہے۔

تیسری قسم

طالب علم کے آداب درس کے دوران

یہ آداب مندرجہ ہیں:

۱) تعلیم کا آغاز؛ حفظ قرآن سے

سب سے اہم ادب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب عزیز کے حفظ کرنے سے آغاز کرے اور نہایت محکم حفظ کرے کیونکہ وہی علوم کی اصل اور سب سے زیادہ اہم ہے اس لئے کہ اسلاف کا طریقہ رہا ہے کہ ایسے شخص کو فقہ وحدیث کی تعلیم نہیں دیتے تھے جو حافظ قرآن نہ ہو۔

جب قرآن حفظ کرلے تو اس کے علاوہ کسی اور ایسے مشغلہ سے احتراز کرے جو قرآن کی فراموشی کی جانب لے جائے یا نسیان سے دوچار کردے۔ بلکہ اسے پڑھتے رہنے اور ہر روز دہرانے کا عہد کرلے۔ پھر کچھ دنوں میں پھر ہمیشہ جمعہ کے دن تلاوت کو معمول بنائے۔ حفظ کرنے کے بعد اس کی تفسیر اور تمام علوم میں کوشش کرے۔ اس کے بعد ہر فن میں مختصر طور پر حفظ کرے اور اس میں آغاز وانجام دونوں کا خیال رکھے۔ جو سب سے زیادہ اہم ہیں انھیں پہلے اور اسی اہمیت کے اعتبار سے حفظ کرتا رہے، کہ ہم انشاء اللہ خاتمہ میں اس کی تفصیل بیان کریں گے۔

پھر جن چیزوں کو حفظ کیا ہے ان کی تشریحات کے لئے اساتذہ سے رجوع کرے اور ہر موضوع کے بارے میں اس پر اعتماد کرے جس کی تحقیق زیادہ اور معلومات وسیع ہوں۔

۲) اپنی توانائی کا خیال رکھنا

مطالعہ کرتے وقت انھیں چیزوں پر اقتصار کرے جن کو سمجھ سکتا ہو۔ جن کی جانب اس کا ذہنی رجحان

ہو۔ طبیعت پر گراں نہ گذرے اور ایسے مشاغل سے اجتناب کرے جو فکر کو پراگندہ اور ذہن کو حیران کر دیں جیسے کتابوں کی کثرت اور تصنیفات کا تنوع، اس طرح اس کا وقت ضائع ہوگا اور اس کا ذہن منتشر ہو جائے گا۔

جس کتاب کو پڑھ رہا ہے اور جس فن کو سیکھ رہا ہے اس جانب مکمل توجہ مبذول کرے تا کہ اس میں پختہ ہو جائے۔ ناسمجھ پن سے بچنے اور تبدیلی سے محفوظ رہنے کے لئے جو وقت کو برباد کرنے اور ناکامی کے علاوہ کچھ نہیں ایسے امور سے دوری کرے اور اسی باب میں مخالفین کی کتب بھی آتی ہیں جو معقولات سے متعلق ہیں، فہم کے درست ہونے، رائے کے حق پر ثابت ہونے اور ذہن کے جواب سے اچھی طرح واقف ہونے سے قبل ان کے مطالعہ سے دوری کرے اور یہ وہ چیز ہے جو ہر فرد کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔

۳) اپنے ساتھ قلم رکھنا

اپنے ساتھ دوات، قلم اور قلم تراشنے کے لئے چھری رکھے تا کہ استاد جس کی تصحیح کرائے بہ اعتبار لغت واعراب وغیرہ اسے تحریر کرلے اور اگر استاد کسی لفظ کو تبدیل کر دے اور اس کو خیال ہو یا علم ہو کہ یہ تبدیلی صحیح نہیں ہے تو ماقبل لفظ کی تکرار کرے تا کہ استاد اس جانب متوجہ ہو جائے یا یہ کہ سوالیہ انداز میں صحیح لفظ کو استعمال کرے۔ پس اگر یہ غلطی استفتاء کے پرچوں پر ہو اور سوال کرنے والا مسافر یا گھر سے دور ہو اور بے پر کی اڑانے والا ہو تو اسے چاہئے کہ فی الحال استاد کی تنبیہات کو اشارے کے طور پر تحریر کرے پھر اسے تصریحی طور پر لکھ لے اس لئے کہ اسے ترک کر دینا استاد سے خیانت ہے اور حتی الامکان استاد کا خیر خواہ رہنا چاہئے۔

۴) اوقات کو تقسیم کرنا

طالب علم جو کچھ حاصل کر رہا ہے اس میں شبانہ روز کے اوقات کی تقسیم بندی کر دے اور حفظ کرنے کے لئے بہترین وقت میں طلوع فجر سے پہلے کا وقت ہے اور تحقیق کے لئے صبح کا وقت اور تحریر کے لئے دوپہر کا وقت اور مطالعہ اور مباحثہ کے لئے رات کا وقت اور دن کا بچا ہوا وقت ہے۔ علماء نے کہا ہے اور تجربہ بھی اس پر شاہد ہے کہ رات کے وقت یاد کرنا دن کے وقت حفظ کرنے سے زیادہ سود مند ہوتا ہے۔ بھوک کا عالم سیری

کے عالم سے زیادہ مفید ہوتا ہے اور وہ جگہ جو لہویات سے دور ہو جیسے شور وغل، ہریالی، نباتات، بہتی ہوئی نہریں اور راستے کا وہ اوپری حصہ جس میں چہل پہل زیادہ ہو یہ سب دل کی فراغت میں مانع ہوتے ہیں۔ ان سے دوری ان کی قربت سے زیادہ سودمند ہے۔

۵) پڑھائی کی شروعات کا وقت

درس کے لئے صبح سویرے آمادہ ہو، اس لئے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے: ''بُورِکَ لِاُمَّتِی فِی بُکُورِهَا '' (۱) صبح سویرے کا وقت میری امت کے لئے بابرکت بنایا گیا ہے۔ ایک روایت ہے ''اُغْدُوا فِی طلبِ العِلْمِ فَاِنِّی سَالْتُ رَبِّی اَنْ یُبَارِکَ لِاُمَّتِی فِی بُکُورِهَا '' (۲) علم حاصل کرنے کے لئے صبح سویرے روانہ ہو جاؤ کیونکہ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت کے لئے صبح کے وقت کو بابرکت بنادے۔ تعلیم کا آغاز جمعرات سے کرے (۳) اور ایک روایت میں ہے ہفتہ یا جمعرات سے کرے (۴) اور دوسری روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اُطْلُبُوا الْعِلْمَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ فَاِنَّهُ یُیَسِّرُ لِطَالِبِهٖ '' (۵) ''تم بروز دوشنبہ (پیر) علم حاصل کرو اس لئے کہ یہ طالب علم کو آسانی فراہم کرتا ہے۔'' اور چہارشنبہ (بدھ) کے بارے میں بھی روایت کی گئی ہے: '' مَامِنْ شَیءٍ بُدِئَ یَوْمَ الْاَرْبَعاءِ اِلَّا وَقَدْ تَمَّ '' (۶) جس چیز کا آغاز بروز چہارشنبہ کیا جائے وہ مکمل ہو کر رہے گا اور اگر یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض علماء نے یکشنبہ (اتوار) کو اختیار کیا ہے لیکن ہمیں اس کے ماخذ کا پتا نہیں چلا۔

۶) حدیث اور علوم حدیث کی طرف توجہ

طالب علم سماع حدیث کا بہت جلد اہتمام کرے اور حدیث اور علوم حدیث کی مشغولیت کو ترک نہ کرے۔ اس کی اسناد، اس کے رجال، اس کے معانی، اس کے احکام، اس کے فوائد، اس کی لغت، اس کی تاریخ، اس کی صحیح احادیث، حسن احادیث، ضعیف احادیث، مسند، مرسل اور تمام انواع حدیث پر نظر کرے اس لئے کہ شریعت کا علم رکھنے والے اور احکام کی وضاحت کرنے والے کے لئے یہ ایک بازو کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا دوسرا بازو قرآن ہے۔ صرف حدیث سننے پر اکتفا نہ کرے بلکہ روایت سے زیادہ درایت پر

۱۔ الجامع الصغیر، ج/۱، ص/۲۶۔
۲۔ کنز العمال، ج/۱۰، ص/۲۵۰۔
۳۔ تحف العقول، ص/۸۰۔
۴۔ بحار الانوار، ج/۱۰۰، ص/۴۱۔
۵۔ کنز العمال، ج/۱۰، ص/۲۵۰۔
۶۔ تعلیم المتعلم، ص/۱۵۔

توجہ دے اس لئے حدیث کو بیان کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کا مقصد اسے سمجھنا ہے۔

۷) سعی پیہم

طالب علم اس سلسلے میں بہت زیادہ سعی و کوشش اور طلب کرے اور چستی دکھائے، بلند ہمتی سے کام لے اور انبیاء کی وراثت میں کم پر اکتفانہ کرے اور فراغت، دلچسپی پھرتی اور جوانی کو بے کاری کے عارضے سے قبل اور ریاست کی رکاوٹوں سے پہلے غنیمت جانے اس لئے کہ بے کار ہو جانا بدترین بیماری اور عاجز کر دینے والا مرض ہے۔

۸) اپنے آپ کو کمال یافتہ نہ سمجھنا

اس بات سے طالب علم مکمل طور پر خبردار رہے کہ جو اپنے آپ کو عین کمال کی نظر سے دیکھتا ہے اور اساتذہ سے بے نیاز سمجھتا ہے اگر غور کرے تو یہ اس کے لئے عین نقص، واقعی جہالت اور حماقت کا عنوان ہے اور علم ومعرفت کی کمی کی دلیل ہے۔ ایسے شخص پر لازم ہے کہ اپنے استاد کے درس میں ضرور شریک ہو۔ بلکہ اگر ممکن ہو تو اس کی تمام نشستوں میں شرکت کرے کیونکہ اس سے سوائے خیر و اضافے اور ادب کے حصول کے اور کچھ نہیں۔ اسے ایسے مختلف اور منتشر فوائد سے آگاہی حاصل ہوگی جنھیں وہ کتابوں کی ورق گردانی میں نہیں پائے گا۔ جس طرح امام علی علیہ السلام نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے: ''لَا تَمَلُّ مِنْ طُوْلِ صُحْبَتِهٖ فَـاِنَّمَا هُوَ النَّخْلَةُ تَنْتَظِرُ مَتىٰ يَسْقُطُ عَلَيْكَ مِنْهَا مَنْفَعَةٌ''(۱) ''تم اس کی طولانی صحبت سے درماندہ نہ ہو جاؤ اس کی مثال کھجور کے درخت کی سی ہے کہ تم منتظر رہتے ہو کہ نہ جانے کب اس کا پھل تم پر آ گرے۔

۹) کلاس میں حاضر ہونے کے آداب

جب استاد کی بزم میں حاضر ہو تو حاضرین کو اس طرح سلام کرے کہ سب کو سنائی دے اور استاد کو مخصوص طریقے سے زیادہ اہتمام واحترام سے سلام کرے۔ حاضرین کو پیچھے چھوڑتا ہوا استاد کے قریب نہ بیٹھے مگر یہ کہ اس کی منزلت اس بات کا تقاضا کرے۔ بلکہ آخر کلاس میں بیٹھ جائے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ پس اگر استاد یا حاضرین اس سے آگے آنے کا تقاضا کریں یا اس کا مقام آگے بیٹھنا ہو یا اسے معلوم ہو کہ استاد اور جماعت اس بات کو ترجیح دیتی ہے اور استاد کے قریب اس کا بیٹھنا بتقاضائے مصلحت ہے

۱۔ الکافی، ج ۱، ص ۳۷۔

اور استاد سے اس کا جو مباحثہ ہوگا اس سے حاضرین کو فائدہ پہنچے گا یا یہ کہ عمر میں بڑا ہو یا بڑی فضیلت اور خوبی کا مالک ہو تو ایسی صورت میں آگے جانے میں کوئی حرج نہیں۔

اپنی منزلت کے مطابق استاد کے قریب بیٹھنے کی کوشش کرے تا کہ اس کی باتوں کو بغیر کسی دشواری کے مکمل طور سے سمجھ سکے۔ لیکن استاد سے اس طرح قربت حاصل نہ کرے جو سوء ادب میں شمار ہو۔

یہ سمجھ لو کہ طالب علم جب بھی درس گاہ میں پہلے آ جائے اور کسی جگہ بیٹھ جائے تو وہ اس کا حق دار بن جاتا ہے۔ دوسرے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسے اس کی جگہ سے ہٹا دے خواہ وہ ادب کے اعتبار سے اس سے زیادہ حق دار ہو۔ کہا گیا ہے اس کے بعد وہ باقی بچتا ہے جو اس سے زیادہ حق دار ہے جیسے وہ پیشہ ور افراد جو بازار یا راستے میں اپنا سامان بیچنے کے لئے کوئی جگہ مخصوص کر لیتے ہیں اس کے وقتی نہ آنے کے سبب اس کا حق ساقط نہیں ہوتا خواہ وہ درس سے ایک دن یا دو دن غائب رہنے کے بعد دوبارہ واپس آ جائے۔

تبصرہ

جس وقت بحث و تمحیص ہو رہی ہو بعض لوگوں نے حلقہ علم کو ان مقامات میں شمار کیا ہے جہاں سلام نہیں کرنا چاہئے۔ افاضل کی ایک جماعت نے اسے اختیار کیا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ جواب سلام انھیں اس بحث اور حضور قلب سے غافل کر دے گا جس میں وہ محو تھے بالخصوص جب کوئی سوال معرض بحث ہو اس کا منقطع کر دینا ان کے نزدیک نقصان دہ ہو اور یہ ان اکثر موارد کی طرح ہے جن کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ اس موقع پر سلام نہ کیا جائے۔''(۱)

لیکن یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اگر کوئی شاگرد ایسے وقت، درس میں شامل ہونا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ بصورتِ امکان جلسہ گاہ میں ایسی جگہ کا انتخاب کرے جو استاد کی نگاہ سے مخفی ہو تا کہ استاد درس سے فارغ ہونے تک اس کی جانب متوجہ نہ ہو۔ اس طرح استاد سے حق ادب کے ساتھ ساتھ حق بحث بھی ادا ہو جائے گا تا کہ مصروفیات میں مزید اضافہ نہ ہو۔

۱۰) کلاس میں بیٹھنے کے آداب

حاضرین مجلس سے ادب سے پیش آئے اور اپنے رفقاء، معاصرین بالخصوص اپنے سے بڑوں کا احترام

۱۔ الکافی، ج/۲، ص/ ۶۴۵ و بحار الانوار، طبع بیروت ۱۴۰۳ھ، ج/۷۳، ص/ ۸۔۹۔

کرے اس لئے کہ ان سب سے مؤدب رہنا۔ استاد سے مؤدب رہنا اور اس کی مجلس درس کا احترام ہے۔ اس کی بزم میں کسی کے لئے مزاحم نہ ہو اور نہ ہی کسی کو اس کی جگہ سے اٹھائے۔ اگر کوئی دوسرا شخص اسے اپنی جگہ پر بٹھانا چاہے تو اسے قبول نہ کرے۔ نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کسی کو اس کی نشست سے اٹھا دیا جائے اور دوسرا شخص وہاں بیٹھ جائے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوْا وَ تَوَسَّعُوْا'' ''اور تم پر لازم ہے کہ گنجائش پیدا کرو اور آرام سے کھل کر بیٹھو۔''(۱) ہاں اگر وہ ایسے شخص کی بزم میں ہو جہاں پر اس کا آگے بیٹھنا حاضرین کی بھلائی کی خاطر ہو اور جو ایثار کر رہا ہے اس کے ایثار کو قرائن سے جان لے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور حلقہ کے درمیان میں نہ بیٹھے اور نہ ہی بلا ضرورت کسی کے آگے جا کر بیٹھے اور نہ ہی دو بھائیوں کے درمیان یا باپ بیٹے کے مابین یا دو قریبی اشخاص کے درمیان یا دو ساتھیوں کے مابین بیٹھے مگر یہ کہ ان کی مرضی شامل ہو جیسا کہ روایت کی گئی کہ: ''نَهىٰ اَنْ يَجْلِسَ الرَّجُلُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا'' ''آنحضرتؐ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص دو افراد کے درمیان بیٹھے مگر یہ کہ وہ خود اس کی اجازت دے دیں۔''(۲)

۱۱) آنے والے کا احترام

حاضرین کو چاہئے کہ جب بھی کوئی شخص آئے تو اسے خوش آمدید کہیں اور اسے بیٹھنے کی جگہ دیں اور اس جیسے فرد کی جیسی تکریم ہونی چاہئے ویسی اس کی تکریم کریں۔ جب اس کے لئے نشست میں گنجائش پیدا کر دی جائے اور جگہ تنگ ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے آپ کو سمیٹ لے پھیل کر نہ بیٹھے اور آگے بڑھ کر یا پیچھے ہٹ کر حلقہ کے دائرے سے باہر نہ نکلے۔

۱۲) استاد کی حمایت

اگر طلبہ میں سے کوئی غیر کو ادب سکھانے کے لئے برا سلوک کرے تو اسے استاد کے علاوہ کوئی اور نہ جھڑکے مگر یہ عمل اشارے سے انجام پائے یا ان کے درمیان رازداری کے ساتھ بطور نصیحت۔ اگر کوئی شخص استاد کے خلاف کوئی بات کرے تو جماعت کو ایسے شخص کی سرزنش کرنی چاہئے اسے روکنا چاہئے اور بقدر امکان استاد کی حمایت کرنی چاہئے اگرچہ استاد یہ ظاہر کرنا چاہے کہ اس نے اسے معاف کر دیا ہے۔

۱۔ صحیح مسلم، ج/۴، ص/۱۷۱۴۔

۲۔ سنن ابی داؤد، ج/۴، ص/۲۶۲، ح/۴۸۴۴۔

۱۳) استاد کے سامنے پڑھنے میں نوبت کی رعایت کرنا

جب استاد کے سامنے پڑھے تو مقدم ہو یا موخر اپنی باری کا لحاظ رکھے اور جس کی نوبت ہے اس کی رضامندی کے بغیر آگے نہ جائے۔ روایت ہے کہ ایک انصاری نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کچھ پوچھنے کے لئے آیا اور قبیلۂ ثقیف کا شخص بھی آیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اے برادر ثقفی! انصاری نے تم سے پہلے مسئلہ دریافت کیا ہے تم بیٹھ جاؤ تا کہ تمھاری ضرورت سے پہلے ہم انصاری کی ضرورت پوری کر دیں۔''(۱)

کہا گیا کہ اپنی باری کسی کو نہ دے اس لئے کہ قرب میں ایثار کرنا ایک طرح کا نقص ہے۔ پس اگر استاد کسی وقت مصلحت دیکھے اور اس کے بارے میں اشارہ کرے تو اس کی کامل رائے اور درست مقصد کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس کے حکم کو بجالائے۔

کہا گیا ہے پہلے آنے والے کے لئے مستحب ہے کہ اجنبی کو خود پر مقدم کرے۔ اس کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور اس ذمہ داری کو واجب سمجھتے ہوئے، اسی طرح بعد میں آنے والے کو کوئی ضروری امر درپیش ہو اور پہلے آنے والے کو اس کا علم ہو تو وہ اس کو خود پر مقدم کر دے۔

۱۴) کتاب اپنے ساتھ رکھنا

طالب علم وہ کتاب لے کر آئے جسے وہ استاد سے پڑھتا ہے اور کتاب خود اٹھائے اور پڑھنے کے دوران اسے کھلا ہوا زمین پر نہ رکھے بلکہ دونوں ہاتھوں پر رکھ کر پڑھے اور اس وقت تک پڑھنا شروع نہ کرے جب تک استاد سے اجازت نہ مل جائے۔ جب استاد اسے اجازت مرحمت کر دے تو ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ'' اس کے بعد ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' پھر ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' پھر ''وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ وَآلِهِ الطَّاهِرِیْنَ'' کہہ کر درس کا آغاز کرے۔ اس کے بعد وہ استاد، ان کے اساتذہ، علمائے کرام، تمام مسلمانوں اور اپنے لئے دعا کرے۔ اگرچہ کتاب کے مصنف کے لئے دعا کرنا بہتر ہے پس اگر طالب علم کتاب شروع کرتے وقت بسبب نادانی یا نسیان ان چیزوں کو بھول جائے ہم نے جن کا ذکر کیا ہے تو استاد کو چاہئے کہ

۱۔ تذکرۃ السامع، ص/ ۱۵۹.

اس سے طالب علم کو متنبہ کرے۔اسے سکھائے اور یاد دلائے؛اس لئے کہ آداب میں یہ بہت اہمیت کا حامل ہے اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب بھی کسی اہم امر کا آغاز کیا جائے تو سب سے پہلے اللہ کا نام لیا جائے پھر حمد خدا بجالائے اور یہ بہت اہم ہے (۱)

۱۵) دوستوں کے ساتھ علمی مباحثہ کرنا

جو استاد کی مجلس میں پابندی سے جانے والے رفقاء ہیں وہ آپس میں مذاکرہ و مباحثہ کریں اس لئے کہ اس میں فوائد،ضوابط اور قواعد وغیرہ ہیں اور وہ آپس میں استاد کے کلام کا مباحثہ کریں اس لئے کہ مباحثہ میں بیش بہا منفعت ہے جو حفظ پر مقدم ہے۔

درس ختم ہونے کے بعد ذہن کے منتشر ہونے سے قبل اور دلوں کی پراگندگی سے پہلے جو شاذ و نادر باتیں انھوں نے سنی ہیں ان کے ذہن سے نکل جانے سے پہلے مباحثے میں عجلت سے کام لیں، پھر انھیں کبھی کبھی مذاکرہ کرتے رہنا چاہئے۔طالب علم کو علم میں ماہر بنانے والی چیز مباحثے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے۔اگر کوئی ایسا شخص نہ ملے جس سے مباحثہ کر سکے تو وہ خود اپنے آپ سے مباحثہ کرے اس مفہوم کی تکرار کرے جو اس نے سنا ہے اور قلب پر اسے جاری کرے تا کہ وہ اس کے دل میں پیوست ہو جائے اس لئے کہ مفہوم کی تکرار دل پر اسی طرح ہے جس طرح لفظ کی تکرار زبان پر ہوتی ہے۔بہت کم ایسا ہوا ہے کہ وہ کامیاب ہوا ہو جس نے بس استاد کے سامنے تعقل و تفکر سے کام لیا ہو پھر اسے چھوڑ دیا ہو اور وہاں سے اٹھ گیا اور دوبارہ اسے دہرایا نہ ہو۔ہم نے جس مباحثے کا ذکر کیا ہے وہ استاد کی مجلس درس سے الگ ہونا چاہئے یا اسی جگہ پر ہو مگر استاد کے چلے جانے کے بعد اس طرح کہ وہ ان کی آواز کو نہ سنے۔اس لئے کہ طلبہ کو استاد کو اس طرف مشغول رکھنا اور اسے سنانا ادب کی کمی اور جسارت ہے۔لیکن اگر استاد اسی میں مصلحت سمجھتا ہے اور اس بات کا حکم دیتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تتمہ: طلاب کے درمیان ادب کی رعایت کرنا

طلبہ کو چاہئے ان آداب کا خیال رکھیں یا ان سے نزدیک رہیں اور بالخصوص اپنے بزرگوں اور تجربہ کار افراد کے ساتھ جس طرح ان میں سے جو صاحب علم ہوں کسی خاص شعبۂ علم سے ان کا تعلق ہو یا کسی

۱۔الکشاف، ج/۱،ص/۳ اور در منشور، ج/۱،ص/۱۲۔

خاص فن میں کمال رکھتے ہوں کہ وہ اپنے رفقاء کی رہنمائی کریں اور انھیں رغبت دلائیں کہ وہ اجتماع، مباحثہ اور حصول علم میں کوشاں ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی رہنمائی سے اللہ تبارک وتعالی اس کے علم میں برکت عطا کردے اور اس کا دل روشن ہوجائے اور اس کے نزدیک مسائل میں پختگی پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ خداوند عالم کی جانب سے ثواب جزیل اور نگاہ کرم وعطائے جمیل ہوجائے اور اگر ان پر ان میں سے کسی شے سے بخل سے کام لے گا تو جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کے خلاف ہوجائے گا۔ اس کا علم محکم نہ ہوگا اور اگر محکم ہوگیا تو سودمند نہ ہوگا اور اللہ اس میں برکت عطا نہیں کرے گا اور سلف اور خلف (۱) کی جماعتوں میں اس بات کا تجربہ کیا جاچکا ہے۔

آپس میں ایک دوسرے سے حسد نہ کریں اور نہ ہی انھیں حقیر جانیں اور نہ ہی اس کے مقابلہ میں فخر و مباہات کریں اور نہ ہی اپنی فہم وفراست اور ان سے آگے بڑھ جانے پر خود پسندی سے کام لیں اس لئے کہ یہ بھی ان ہی کی طرح تھا۔ اس کے بعد اللہ نے اس پر اپنا کرم کیا ہے۔ اس پر حمد خدا بجالائے اور دائمی شکر سے اس میں اضافہ کی دعا کرے۔ اگر یہ اس طرز کو اپنائے گا اور اس کی اہلیت کامل ہوجائے گی اور اس کی فضیلت مشہور ہوجائے گی تو وہ اس کے بعد کے زینوں پر بلند ہوتا چلا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے اسباب فراہم کرے گا۔

۱۔ سلف جمع اسلاف، آباء واجداد باپ دادا، خلف جانشین وارث اور قائم مقام.

تیسری فصل

معلم سے مخصوص آداب

یہ جان لو کہ تعلیم وہ بنیاد ہے جس پر دین قائم ہے اور وہ نہایت اہم عبادات میں سے ہے اور اس کے آداب کی تین قسمیں ہیں:

۱) معلم کی ذات سے متعلق آداب
۲) طلبہ سے متعلق استاد کے آداب
۳) مجلس درس سے متعلق معلم کے آداب

معلم کی ذات سے متعلق آداب

۱) تدریس کی صلاحیت سے پہلے تدریس نہ کرنا

استاد اس وقت تک تدریس کے لئے آمادہ نہ ہو جب تک اس میں مکمل صلاحیت پیدا نہ ہو جائے اور اس کے نیکوکار اساتذہ اس بات کی شہادت نہ دے دیں۔ ایک مشہور حدیث میں آیا ہے:

''اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ''(۱)

''جو بغیر عطا کے سیر ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے فریب کا لباس زیب تن کرنے والا۔''

اور ایک مرد فاضل نے کہا ہے: ''مَنْ تَصَدَّرَ قَبْلَ اَوَانِهِ فَقَدْ تَصَدّىٰ لِهَوَانِهِ''

''جو وقت سے پہلے صدر مجلس بننا چاہتا ہے وہ اپنی ذلت کا خواہاں ہوتا ہے۔''

اور دوسرے نے کہا ہے: ''مَنْ طَلَبَ الرِّيَاسَةَ فِيْ غَيْرِ حِيْنِهِ لَمْ يَزَلْ فِيْ ذُلٍّ مَا بَقِيَ''

''جو شخص وقت آنے سے پہلے ریاست طلب ہوتا ہے وہ پوری زندگی ذلت وخواری میں مبتلا رہتا ہے۔''

ایک شاعر نے کہا:

لَا تَطْمَحَنَّ اِلَى الْمَرَاتِبِ قَبْلَ اَنْ ‏ تَتَكَامَلَ الْاَدَوَاتُ وَالْاَسْبَابُ

اِنَّ الثِّمَارَ تَمُرُّ قَبْلَ بُلُوْغِهَا ‏ طَعْماً وَهُنَّ اِذَا بَلَغْنَ عَذَابُ

''تم کسی منصب کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو جب تک اس کے حالات اور اسباب پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ جائیں؛ اس لئے کہ پھل پکنے سے پہلے مزے میں ترش ہوتے ہیں اور جب پک جاتے ہیں تو شیریں ہو جاتے ہیں۔''

۱۔ سنن ابی داود، ج/۴، ص/۳۰۰۔

۲) علم کو کم اہمیت نہ سمجھنا

نااہلوں کو علم کی پیشکش کر کے اس کی ذلت وخواری کا باعث نہ بنے مگر یہ کہ کسی ضرورت کے تحت ایسا کیا ہو اور کسی دینی مصلحت کے تقاضوں سے اس جانب مائل ہوا ہو۔

۳) اپنے علم پر عمل کرنا

استاد اور شاگرد کے درمیان مشترک آداب کے ذیل میں بیان شدہ آداب سے بڑھ کر اپنے علم پر عمل کرے۔ ارشاد رب العزت ہے: ﴿أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ﴾(۱)

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہو؟''

امام جعفر صادق علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے قول ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾(۲) کے ذیل میں وارد ہوا ہے کہ اس سے مراد ''مَنْ لَمْ يُصَدِّقْ فِعْلُهُ قَوْلَهُ فَلَيْسَ بِعَالِمٍ ''(۳) ''جس کا فعل اس کے قول کی تصدیق نہ کرے وہ عالم نہیں ہے۔''

اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

''اَلْعِلْمُ مَقْرُوْنٌ اِلَى الْعَمَلِ فَمَنْ عَلِمَ عَمِلَ وَمَنْ عَمِلَ عَلِمَ وَالْعِلْمُ يَهْتِفُ بِالْعَمَلِ فَإِنْ اَجَابَهُ وَاِلَّا ارْتَحَلَ ''(۴)

''علم عمل کے ساتھ جڑا ہوا ہے پس جو جانتا ہے عمل کرتا ہے اور جو عمل کرتا ہے وہ جانتا ہے اور علم عمل کے لئے پکارتا ہے اگر اس کا مثبت جواب دیا تو ٹھیک، ورنہ علم رخصت ہو جاتا ہے۔''

اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

''اِنَّ الْعَالِمَ اِذَا لَمْ يَعْمَلْ بِعِلْمِهِ زَلَّتْ مَوْعِظَتُهُ عَنِ الْقُلُوْبِ كَمَا يَزِلُّ الْمَطَرُ عَنِ الصَّفَا''(۵)

''اگر عالم اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا تو اس کی نصیحتیں دلوں سے اسی طرح پھسل جاتی ہے جس طرح بارش چٹان پر باقی نہیں رہتی۔''

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''قَصَمَ ظَهْرِي رَجُلَانِ :عَالِمٌ مُتَهَتِّكٌ وَجَاهِلٌ مُتَنَسِّكٌ ''(۶)

۱۔ سورۂ بقرہ/۴۴۔ ۲۔ سورۂ فاطر/۲۸۔ ۳۔ الکافی، ج/۱، ص/۳۶۔
۴۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۴۔ ۵۔ الکافی، ج/۱۔ ۶۔ احیاء علوم الدین، ج/۱، ص/۵۲۔

''دوطرح کے لوگوں نے میری کمر توڑ ڈالی! ایک بدچلن عالم اور دوسرے زہد وتقویٰ اختیار کرنے والا جاہل۔''

۴) زیادہ سے زیادہ حسن خلق سے پیش آنا

عمدہ اخلاق کی زیادتی، مکمل نرمی اور نفس کی تکمیل کے لئے فراخ دلی سے کوشش کرنا اس لئے کہ اس دور میں صالح علماء، انبیائے کرام کے مانند ہیں۔ جب ایسا ہے تو استاد کو جان لینا چاہئے کہ اس نے اپنی گردن میں عظیم امانت کو آویزاں کرلیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ بن مریم نے فرمایا: ''اے حواریو! مجھے تم سے ایک کام ہے۔ اسے پورا کرو۔ انھوں نے جواب دیا: اے روح اللہ! آپ کی ضرورت پوری کردی گئی، حضرت عیسیٰ اپنی جگہ سے اٹھے اور ان کے پیروں کو دھونے لگے حواریوں نے کہا: اے روح اللہ! ہم اس کا آپ سے زیادہ حق رکھتے ہیں تو آپؑ نے فرمایا: انسانوں کی زیادہ خدمت کرنے کا حق عالم کو پہنچتا ہے، میرے تواضع کا مقصد یہ ہے کہ میرے بعد، تم بھی لوگوں سے اسی طرح تواضع سے پیش آؤ۔'' پھر آپؑ نے فرمایا:

''بِالتَّوَاضُعِ تُعْمَرُ الْحِکْمَۃُ لا بِالتَّکَبُّرِ وَ کَذَالِکَ فِی السَّھْلِ یَنْبُتُ الزَّرْعُ لا فِی الْجَبَلِ''(۱)

''حکمت و دانائی کو تواضع سے بسایا جاسکتا ہے نہ کہ تکبر سے۔ اسی طرح بیج ہموار زمین میں اگتے ہیں نہ کہ پہاڑ پر۔''

۵) شاگردوں سے حسن ظن رکھنا

استاد کسی کو نیت کی نادرستی کی بنیاد پر تعلیم سے منع نہ کرے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر مبتدی طلبہ میں نیت کی درستی بہت دشوار ہوتی ہے اس لئے کہ ان کے ارادے کمزور ہوتے ہیں اور مستقبل کی سعادت کے ادراک سے ان کے ذہن قاصر ہوتے ہیں اور صحیح علم کے حصول کے اسباب وعوامل سے وہ بہت کم مانوس ہوتے ہیں۔ اگر انھیں تعلیم سے روک دیا گیا تو وہ علم کے وافر حصے سے محروم ہوجائیں گے باوجودیکہ علم کی برکت سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ جب وہ علم سے مانوس ہوجائیں تو تصحیح بھی ہوجائے گی۔ کسی نے کہا ہے:

''طَلَبْنَا الْعِلْمَ لِغَیْرِ اللّٰہِ فَاَبیٰ اَنْ یَکُوْنَ اِلاَّ لِلّٰہِ'' ''ہم نے علم تو غیر خدا کے لئے حاصل کیا تھا لیکن اس نے سوائے اللہ کے کسی اور کا ہونے سے انکار کردیا۔''

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۴۱.

اس کا مفہوم یہ ہے کہ انجام کار وہ علم اللہ کے لئے ہو گیا۔

لیکن اگر استاد، طالب علم کی نیت کے فاسد ہونے کو محسوس کرے تو اسے چاہئے کہ موعظۂ حسنہ سے اسے بتدریج راہ راست پر لے آئے اور اسے اس علم کے خطرات سے متنبہ کرے جو اللہ کے لئے نہیں ہے اور کبھی کبھی اس بارے میں وارد ہونے والی حدیثیں اسے پڑھ کر سنائے، یہاں تک کہ معلم طالب علم کو صحیح مقصد تک لے جا سکے۔ پس اگر استاد کامیاب نہ ہو سکے اور اس سے مایوس ہو جائے تو کہا گیا ہے کہ ایسی حالت میں اسے چھوڑ دے اور حصول علم سے روک دے اس لئے کہ یہ علم اس کے شر میں اضافہ کا باعث ہوگا۔

۶) پڑھانے میں بخل نہ کرنا

جب مستحق موجود ہو تو اسے دولت علم سے مالا مال کرے اور بخل سے کام نہ لے اس لئے کہ خداوند عالم نے علماء سے وہی عہد و پیمان لیا ہے جو انبیائے کرام سے لیا تھا کہ پیغام خدا کو لوگوں پر واضح کریں اور اسے پوشیدہ نہ رکھیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا: میں نے کتاب حضرت علیؑ میں پڑھا ہے:

''اِنَّ اللّٰهَ لَمْ یَاخُذْ عَلَی الْجُهَّالِ عَهْداً بِطَلَبِ الْعِلْمِ حَتّٰی اَخَذَ عَلَی الْعُلَمَاءِ عَهْداً بِبَذْلِ الْعِلْمِ لِلْجُهَّالِ لِاَنَّ الْعِلْمَ کَانَ قَبْلَ الْجَهْلِ''(۱)

''اللہ تبارک و تعالیٰ نے جاہلوں سے اس وقت تک علم حاصل کرنے کا عہد نہیں لیا جب تک کہ علماء سے یہ عہد نہ لے لیا کہ وہ جاہلوں کو علم کی دولت سے مالا مال کریں گے اس لئے کہ علم جہالت سے پہلے موجود تھا۔''

جابر جعفی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے امام علیہ السلام نے فرمایا:

''زَکوٰةُ الْعِلْمِ اَنْ تُعَلِّمَهُ عِبَادَ اللّٰهِ'' علم کی زکوٰۃ یہ ہے کہ تم اسے اللہ کے بندوں کو سکھاؤ۔(۲)

۷) قول و فعل کے درمیان مخالفت سے پرہیز کرنا

اگر معلم کے پاس کوئی شرعی عذر بھی ہو تب بھی اس کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں ہونا چاہئے مثلاً یہ کہ وہ کسی شے کو حرام سمجھتا ہو اور اسے بجا لائے یا کسی چیز کو واجب جانتا ہو اور اسے ترک کر دے، یا یہ کہ کسی امر کو مستحب گردانتا ہو اور اس پر عمل نہ کرے اگر چہ اس کا طرز عمل شریعت کے حسب حال اور مطابق دین ہو (پھر

۱۔ صحیح مسلم، ج/۴، ص/۱۷۱۲۔ ۲۔ صحیح مسلم، ج/۴، ص/۱۷۱۲۔

بھی اس کے کردار اور گفتار کی دورخی اور تضاد سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی) دین کے احکام وقوانین شخصیات کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں تو ایسے وقت میں اگر امر کے مشتبہ ہونے کا خوف ہو تو سامع کے دل سے وسوسۂ شیطانی کو دور کرنے کے لئے مخالفت کے اسباب کی وضاحت لازمی وضروری ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اتفاق ہوا۔ جب کسی صحابی نے رات کے وقت آپ کو دیکھا کہ اپنی کسی بیوی کے ساتھ اس کے گھر تشریف لے جارہے ہیں تو آنحضرتؐ کو خوف لاحق ہوا کہ کہیں اس صحابی کو ابلیس شبہے میں نہ ڈال دے اور وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ نبی کی بیوی نہیں ہے۔ تو اس وقت آنحضرتؐ نے اس صحابی سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''یَا فُلَانُ هٰذِهِ زَوْجَتِیْ فُلَانَة''(۱) ''اے فلانے یہ میری فلاں زوجہ ہے۔''

اگر چہ عالم ومعلم کے احکام واوامر کو سننے والے پر لازم ہے کہ شبہہ اور وسوسہ کو ذہن میں آنے سے پہلے اعتراض نہ کرے اور اگر اس کے پاس اعتراض کے لئے معقول وجہ اور عذر بھی ہو پھر بھی اس سے روگردانی کرے۔ ہاں اگر فساد کا اندیشہ ہو تو پھر تنقید کا حق رکھتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عالم اور طالب علم کی مثال مہر اور موم کی سی ہے کہ مہر میں جو نقش اور تصویر ہوگی وہ موم میں منعکس ہو جائے گی۔ ہم نے خود اس نفش کی قبولیت کو اساتذہ اور طلبہ کے مابین دیکھا ہے مختلف اساتذہ کے اخلاق وکردار میں جو اختلاف ہوتا ہے وہی طلبہ کے کردار میں منعکس ہو جاتا ہے: ﴿وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ﴾(۲) ''اور ان باتوں کی اطلاع ایک باخبر ہستی کے علاوہ کوئی اور نہیں دے سکتا۔''

۸) بغیر کسی جھجک کے اظہار حق کرنا

مخلوقات خداوند عالم میں سے کسی کی چاپلوسی کئے بغیر باعتبارِ طاقت اظہار حق کرنا۔ پس اگر یہ دیکھے کہ کوئی شخص حق سے ہٹا ہوا ہے یا اطاعت میں کوتاہی کر رہا ہے تو پہلے اسے نہایت نرمی سے پند ونصیحت کرے اس کے بعد سختی سے کام لے اور اگر وہ نہ مانے تو پھر اسے اس کے حال پر چھوڑ دے اور اگر اس سے کچھ فائدہ نہ ہو تو نہی کے ذریعہ رسائی حاصل کرے اور امر بالمعروف کے مراتب کے لحاظ سے اسے حق کی جانب پلٹائے۔

ہمیں اکثر جو غفلت دکھائی دیتی ہے، وہ جہالت کا غلبہ ہے اور دینی فرائض کی معرفت سے کوتاہی اور شرعی ذمہ داریوں کو پورا نہ کرنا اور دین حنیف سے انحراف اور نماز کی کما حقہ ادائیگی سے دوری ہوگئی ہے۔

۱۔ سورۂ فاطر/۱۴۔ ۲۔ صحیح مسلم، ج/۴، ص/۱۷۱۲۔

اس کا سبب علماء کا کما حقہ اظہار حق سے کوتاہی کرنا ہے۔ اصلاح خلق کے لئے اپنے آپ کو تھکانے سے اجتناب کرنا اور خدا کے راستے پر چلانے کے لئے حکمت اور بہترین موعظت سے کام نہ لینا ہے۔

کسی عالم نے کہا ہے اور کیا خوب کہا ہے: گھر میں بیٹھ رہنے والا ہر شخص خواہ وہ کہیں بھی ہو وہ ناپسندیدہ امر سے خالی نہیں ہے اس لئے کہ وہ لوگوں کی رہنمائی، انھیں دین کی نشانیوں کو سکھانے اور نیکی کی طرف راغب کرنے سے دور ہے۔ اس لئے کہ اکثر لوگ شریعت اور واجبات عینی مثلاً نماز اور اس کی شرائط سے ناواقف ہیں بالخصوص دیہات اور صحرا کے باشندے۔ لہٰذا واجب کفائی ہے کہ ہر شہر اور دیہات میں کوئی ایسا شخص ہونا چاہئے جو انھیں دین کی تعلیم دے اور نرمی کے ساتھ ان کی رہنمائی کرے اور انھیں تعلیم دینے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کرے اور بہترین برتاؤ کے ساتھ لوگوں سے پیش آئے اور اپنی باتوں کو منوانے کے لئے ہر وسیلہ بروئے کار لائے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان لوگوں کی ذات اور ان کے مال پر طمع کی نظر نہ کرے اس لئے کہ اگر ان لوگوں کو پتا چل گیا کہ عالم کی نظر ان کی ذات اور ان کے مال پر ہے تو وہ اس کی ذات اور اس کے علم سے کنارہ کش ہو جائیں گے اور اس وجہ سے ان کا امر مضمحل ہو جائے گا لیکن اگر عالم فی سبیل اللہ کام کا آغاز کرے گا اور امر خداوندی کی بجا آوری کے لئے یہ عمل بجالائے گا تو ہر خاص و عام کے دل میں یہ بات جاگزیں ہو جائے گی اور وہ لوگ اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں گے اور سیدھی راہ پر گامزن ہو جائیں گے۔

طلبہ سے متعلق استاد کے آداب

اوراس میں بہت سے امور شامل ہیں:

۱) ادب سکھانے میں تدریج کا خیال رکھنا

استاد کو چاہئے کہ طلبہ کو بتدریج عمدہ آداب اور پسندیدہ اخلاق سے آشنا کرائے اور آداب دینی اور مخفی دقائق سے ان کی تربیت کرے اور انھیں خفی اور جلی امور میں صیانت اور حفاظت کا عادی بنائے بالخصوص اگر ان میں راست روی کی صلاحیت کو محسوس کرے۔

استاد کا پہلا کام یہ ہے کہ طالب علم کو عمل اور جدوجہد میں اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ اسے خالصۃً لوجہ اللہ انجام دے اور یہ کہ ہر لحہ وہ اللہ تعالیٰ کی زیرنگرانی کام کو انجام دیتا رہے اور مرتے دم تک ہمیشہ اس پر باقی رہے گا۔ معلم طالب علم کو بتائے کہ اس امر سے اس پر معارف کے دروازے کھل جائیں گے، اس کا شرح صدر ہو جائے گا، اس کے دل سے حکمت اور لطائف کے چشمے جاری ہو جائیں گے، اس کی حالت اور اس کے علم میں برکت عطا کر دی جائے گی اور اسے توفیق مل جائے گی کہ اس کا قول، فعل اور حکم درست قرار پائے۔ استاد کو چاہئے کہ اس بارے میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں وہ طالب علم کو پڑھ کر سنائے اور اس ضمن میں رہنمائی کرنے والی مثالیں بھی بیان کرے۔ طالب علم میں دنیا سے بے رغبتی پیدا کرائے۔ اس کے تعلق سے اس کا رخ موڑ دے۔ اسے سہارا بنانے اور اس کے بناؤ سنگار سے دھوکا کھانے سے اسے روکے۔ اسے یاد دلائے کہ یہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی رہنے والی ہے۔ عقلاء اور اللہ کے نیک بندوں کی یہ روش رہی ہے کہ وہ باقی رہنے والی چیز کے لئے تیاری کرتے ہیں اور فنا ہو جانے والی شے سے روگردانی کرتے ہیں۔ اس دنیا کو ایک ظرف اور کمال حاصل کرنے کے لئے ایک زراعت گاہ قرار دیا گیا ہے اور

اسے علم وعمل کے حصول کا زمانہ بنایا گیا ہے تاکہ اعمال صالحہ کے ذریعہ آنے والے گھر (آخرت) کے لئے اس کی منفعت کو محفوظ کرلے۔

۲) شاگردوں کو علم کی طرف رغبت دلانا

طلبہ کو علم کی طرف مائل کرے اور انھیں علم اور علماء کے فضائل کی یاددہانی کرائے اور یہ تبائے کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اور وہ روز قیامت نور کے منبروں پر ہوں گے۔ انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ اسی طرح وہ سب کچھ جو آیات اور احادیث، آثار، اشعار اور امثال کی صورتوں میں علم اور علماء کے فضائل سے متعلق بیان ہوا ہے ان تمام باتوں سے طلبہ کو آگاہ کرے۔

۳) شاگردوں کو بداخلاقی سے روکنا

معلم کو چاہئے کہ طلبہ کو بری عادتوں سے روکے اور ان اعمال سے بھی منع کرے جن کا بجالانا شریعت کی رو سے حرام یا مکروہ ہے یا وہ امور جو حالات کو بگاڑنے یا علمی مشغولیات سے دور کرنے یا سوءادب کا باعث ہوں یا زیادہ باتیں بنانے سے جو بے فائدہ ہوں یا نامناسب افراد کی صحبت اختیار کرنے سے یا اس جیسے امور سے۔ لیکن یہ تنبیہ وتوبیخ بقدر امکان اشارات وکنایات میں ہو۔ توضیح وتشریح کا طریق اختیار نہ کیا جائے۔ از روئے رحمت ہو نہ بطریق سرزنش۔ اس لئے کہ صراحت ووضاحت، ہیبت ورعب کو ختم کرنے کا باعث ہوگی اور خلاف اخلاق امور کو اختیار کرنے کی جرأت دلائے گی اور حرص کو ابھارے گی کہ وہ ان امور پر اصرار کرتا رہے۔ اب اگر طالب علم اپنی ذکاوت وذہانت سے ان مذکورہ باتوں سے اشارات وکنایات کے ذریعے باز آگیا تو یہ معلم کی بڑی کامیابی وکامرانی ہے۔ ورنہ اسے پوشیدہ طور سے ان امور سے منع کرے اور اگر طالب علم باز نہ آئے تو پھر علانیہ ان باتوں سے روکے اور اگر مناسب حال ہو تو اسے سختی سے منع کرے تاکہ وہ اور اس کے علاوہ دوسرے افراد ان باتوں سے رک جائیں اور ہر سننے والا مودّب ہو جائے۔ پس اگر طالب علم ان باتوں سے نہ رکے تو اس صورت میں اسے اپنے پاس سے دور کردینے میں کوئی حرج نہیں اور اس سے روگردانی روا ہے تاکہ وہ واپس نہ آئے بالخصوص اگر یہ خوف ہو کہ طلبہ میں اس کے بعض رفقاء کہیں اس جیسے نہ بن جائیں۔

اسی طرح معلم کو چاہئے کہ طلبہ سے عہد لے کہ طلبہ ایک دوسرے سے کیسا سلوک کریں، سلام کرنے

میں، گفتگو کرتے وقت حسن تکلم، باہمی الفت، نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون اور طلبہ جو امور انجام دینا چاہیں استاد ان سب میں ان پر نظر رکھے۔ استاد جس طرح طلبہ کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ دینی معاملات میں اللہ سے کس طرح رابطہ استوار کیا جاتا ہے اسی طرح انھیں یہ بھی سکھائے کہ دنیاوی امور میں لوگوں سے کس طرح پیش آنا چاہئے۔ دینی اور دنیوی امور دونوں فضیلتوں میں ان کی تکمیل کرے۔

۴) طلاب سے نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آنا

معلم طلبہ کے سامنے اپنی بڑائی کا اظہار نہ کرے بلکہ ان کے ساتھ نہایت نرمی اور خاکساری کے ساتھ پیش آئے۔ ارشاد رب العزت ہے:

﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾(۱)

''اور جو صاحبان ایمان آپ کا اتباع کرلیں ان کے لئے اپنے شانوں کو جھکا دیجئے۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''اِنَّ اللّٰہَ اَوحیٰ اِلَیَّ اَن تَواضَعُوا''(۲)

''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی ہے کہ میں تم لوگوں کو آگاہ کروں کہ تم تواضع سے کام لو۔''

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰہُ عَبْداً بِعَفْوٍ اِلاَّ عِزاً وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلاَّ رَفَعَهُ اللّٰہُ''(۳)

''صدقہ دینے سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی اور عفو و مغفرت کے ذریعہ اللہ بندے کی عزت میں اضافہ کردیتا ہے۔ جب بھی کوئی اللہ کے لئے تواضع وانکساری سے کام لیتا ہے تو اللہ اسے بلندی عطا کرتا ہے۔''

جب تواضع کا یہ حکم عام انسانوں کے لئے ہے تو پھر ان لوگوں کے لئے کیسا ہوگا جو استاد کے لئے اولاد کے مانند ہیں اور ہمیشہ اس کے ساتھ ہیں اور نفع بخش علم حاصل کرنے میں انھیں اپنے استاد پر پورا بھروسا ہے، اس کے ساتھ ساتھ انھیں ایک دوسرے کی ہم نشینی اور ایک دوسرے سے ملاقات اور محبت کا شرف اور

۱۔ سورۂ شعراء/ ۲۱۵.   ۲۔ سنن ابی داؤد، ج/۴، ص/۲۷۴، ح/ ۴۸۹۵.

۳۔ مسند احمد بن حنبل، ج/۲، ص/ ۳۸۶.

مودت کی صداقت حاصل ہے۔اور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لِينُوا لِمَنْ تُعَلِّمُوْنَ وَلِمَنْ تَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُ''(۱)

''تم نرمی کا سلوک کرو اس سے جس کو تم تعلیم دیتے ہو اور اس سے تم جس سے تعلیم حاصل کرتے ہو۔''

معلم پر لازم ہے کہ دوسروں سے زیادہ طلبہ کے ساتھ حسن سلوک روا رکھے اور جب ان سے ملاقات کرے تو مہربانی سے پیش آئے، مسکراہٹ، خندہ پیشانی اور خوش روئی کو اپنا شعار بنائے۔ حسن مودّت سے پیش آئے، محبت سے آگاہ کرے۔ اپنی شفقت کا اظہار کرے اور حسب امکان اپنے علم اور جاہ ومنزلت سے طلبہ پر احسان کرے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان طلبہ میں سے اگر کوئی نظر نہ آئے یا حلقہ درس میں شریک افراد میں سے کوئی معمول سے زیادہ غائب رہے تو استاد اس کے بارے میں دریافت کرے، اس کے حالات سے باخبر ہو اور اس کے نہ آنے کا سبب معلوم کرے اور اگر اس کے بارے میں اطلاعات فراہم نہ ہو سکیں تو اس کی طرف کسی کو روانہ کرے یا خود بنفس نفیس اس سے ملنے جائے اور یہ امر افضل ہے جیسا کہ رسول اکرم ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ جاری رکھتے تھے۔ اگر غائب ہونے والا بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ اگر غمگین ہو تو اس کے غم کو ہلکا کرے یا اگر وہ سفر پر گیا ہوا ہو تو اس کے اہل خانہ کی خبر گیری رکھے اور اس سے جن لوگوں کا تعلق ہے ان کے احوال سے باخبر ہو۔ ان کے ساتھ رابطہ رکھے۔ ان کی حاجت روائی کرے اور امکان بھر ان سے ملتا جلتا رہے۔ اگر وہ کسی شے کے ضرورت مند نہ ہوں پھر بھی ان سے مودّت اور دعا کا رشتہ قائم رکھے۔

اور اس میں سے یہ بھی ہے کہ استاد، طلبہ اور حاضرین مجلس کے نام، کنیت، القاب ان کے وطن اور حالات سے واقف ہو اور ان کے لئے کثرت سے دعا کرے۔

اور ایک مسلسل حدیث میں وارد ہوا ہے کہ نام، کنیت، شہر اور کہاں مقیم ہے اس کے بارے میں سوال کرنا کافی ہے۔(۲)

اور مناسب ہے کہ ان میں سے ہر ایک سے اس طرح مخاطب ہو بالخصوص جیسے فاضل جلیل۔ اس کی

۱۔احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/۱۵۳۔ ۲۔یعنی وہ حدیث جس کی سند اس طرح ہے ''حدثنی شیخی فلان وسالنی عن اسمی و کنیتی وبلدی واین انزل'' ملاحظہ کرو، احیاء علوم الدین، ج/۳۲۳۔

کنیت اور پسندیدہ نام سے اسے یاد کرے اور اس طرح خطاب کرے جس میں اس کی تعظیم وتوقیر ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کی تکریم کے سبب ان کی کنیت سے انھیں پکارتے تھے۔ اگر معلم ایسا کرے گا تو ان کے سینے کو کھول دے گا، ان کے سوالات کے جوابات شرح وبسط کے ساتھ فراہم کرے گا۔ ان کی محبت کو اپنی طرف جذب کرلے گا اور اس میں مزید اضافہ وہ معلم کرے گا جو طالب علم کی فلاح کا خواہاں ہوگا اور جو امور اس کے لئے مناسب اور درست ہیں انہیں ظاہر کرے گا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس وصیت کو عملی جامہ پہنائے گا:

”اِنَّ النَّاسَ لَکُمْ تَبَعٌ وَاِنَّ رِجَالًا یَاتُوْنَکُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ یَتَفَقَّهُوْنَ فِی الدِّیْنِ، فَاِذَا اَتَوْکُمْ فَاسْتَوْصُوْا بِهِمْ خَیْراً“ (۱)

”لوگ تمھارے پیروکار ہیں اور وہ حضرات مختلف جگہوں سے تمہارے پاس ”تفقہ فی الدین“ کے لئے آتے ہیں جب وہ تمھارے پاس آئیں تو انھیں بھلائی کی تلقین کرو۔“

بہرکیف عالم کی نسبت متعلم سے ایسی ہی جیسی طبیب کی مریض سے ہوتی ہے۔ پس ایسے امور انجام دینا چاہئے جن سے مریض کی شفایابی کو ممکن بنایا جاسکے۔ اس لئے کہ نفسانی جہالت کی بیماری، جسمانی بیماری سے زیادہ طاقت ور ہوتی ہے۔

۵) تعلیم میں سخاوت سے کام لینا

معلم نے جو علم حاصل کیا ہے اسے خرچ کرنے میں سخاوت سے کام لے۔ آسانی کے ساتھ طالبان علم تک اسے پہنچائے۔ طالبان علم کو فائدہ پہنچانے کے لئے، نرمی، نصیحت اور اہم امور کی جانب رہنمائی کے ساتھ ساتھ ان سے لطف وکرم کا برتاؤ کرے۔ طلبہ کو اس بات کا لالچ دلائے کہ وہ علم کی جس دولت سے آشنا کر رہا ہے اس کے نہایت عمدہ فوائد ہیں۔ معلم کو چاہئے کہ طلبہ کو جس علم کی ضرورت ہے یا وہ جس علم سے متعلق اس سے سوال کر رہے ہیں اگر طالب علم اس کا اہل ہو تو استاد اس علم سے دریغ نہ کرے۔

اور طلبہ جن علوم ومعارف کے اہل نہیں ہیں استاد کو چاہئے کہ انھیں طلبہ سے مخفی رکھے اس لئے کہ وہ معلومات ان کے ذہن کی پراگندگی اور حالت کی خرابی کا سبب بن جائیں گی۔ اگر طالب علم اس بارے میں استاد سے دریافت کرے تو استاد کو چاہئے کہ اسے آگاہ کردے کہ یہ علم اس کے لئے نقصان دہ ہے۔

....

۱۔ کنزالعمال، ج/۱۰، ص/۲۴۶، حدیث/۲۹۳۱۴.

استاد نے کنجوسی کی وجہ سے اس علم سے اسے محروم نہیں کیا ہے بلکہ یہ کام ازراہ شفقت ولطف وکرم ہے۔ پھر اس کے بعد طالب علم کو محنت اور حصول علم کی رغبت دلائے تاکہ وہ اس علم کو حاصل کرنے کی اہلیت پیدا کرلے۔

اور لفظ ''ربانی'' کی تفسیر میں یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ:

''اَلَّذِیْ یُرَبِّیْ النَّاسَ بِصِغَارِ الْعِلْمِ قَبْلَ کِبَارِہٖ''(۱)

''ربانی وہ ہے جو لوگوں کی تربیت بڑے علم سے پہلے چھوٹے علم کے ذریعہ کرتا ہے۔''

۶) شاگردوں کو واجب کی انجام دہی سے پہلے غیر واجب میں مشغول ہونے سے روکنا

استاد کا طالب علم کو اس بات سے روکنا کہ ضروری کاموں سے پہلے غیر ضروری کاموں میں مصروف نہ ہو جائے اور واجب عینی سے قبل واجب کفائی کو اختیار نہ کرے۔ اس پر یہ فرض عین ہے کہ اپنے قلب کی اصلاح کرے اور تقویٰ کے ذریعہ اپنے باطن کو پاک وپاکیزہ بنائے۔ لیکن استاد پر لازم ہے کہ پہلے اپنے نفس کا مواخذہ کرے تاکہ طالب علم پہلے مرحلہ میں اس کے اعمال کی اقتدا کرے۔ اس کے بعد اس کی باتوں سے استفادہ کرے۔ اسی طرح استاد طلبہ کو علوم میں عدم ترتیب سے روکے یعنی ان کی استعداد اور صلاحیت کے اعتبار سے علوم کی جانب ان کی رہنمائی کرے جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔

۷) طلاب کو تعلیم دینے پر حریص ہونا

استاد کو چاہئے کہ طلبہ کو علم کے زیور سے آراستہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار اور مستعد رہے۔ انھیں مطالب کے سمجھانے، مفاہیم سے آشنا کرنے اور ان کے اذہان وعقول کو علم سے قریب لانے کے لئے اپنی پوری توانائی صرف کرے اور اس کا خاص اہتمام کرے اور جب تک اس سے زیادہ ضروری اور اہم کام درپیش نہ ہو اس کام کو اپنی حاجتوں اور مصلحتوں پر ترجیح دے اور اپنی نصیحت بے دریغ ان پر خرچ کرے۔ ان میں سے ہر ایک کو اس کی فہم وفراست اور یادداشت کے مطابق سمجھائے اور سکھائے۔ پس جو طالب علم ممتاز اور ذہین ہو تو اسے اشارات وکنایات کے ذریعہ سمجھائے اور ان کے علاوہ دیگر طلبہ کے لئے وضاحت سے کام لے۔

۱۔ صحیح بخاری، ج/۲، ص/۳۱

۸) طلب علم میں مشغول رہنے کی تشویق کرنا

استاد کو چاہئے کہ طلبہ کو آمادہ کرے کہ وہ ہر وقت مصروف رہیں اور ان سے مطالبہ کرے کہ کچھ وقت درس کو دہرانے کے لئے مخصوص کریں۔ استاد نے جو اہم مسائل اور مباحث ان سے بیان کئے ہیں ان کے بارے میں طلبہ سے سوال کرے۔ ان میں سے جن طلبہ کو دیکھے کہ انھوں نے درس کو یاد کیا ہے اور اس جانب توجہ مبذول کی ہے ان کی تکریم وتجلیل اور تعریف وتوصیف کرے اور اگر انھیں اپنے حال کی تباہی، خود پسندی اور غرور کا خطرہ نہ ہو تو اس بات کو علانیہ کہے۔ جس طالب علم کو دیکھے کہ اس نے کوتاہی کی ہے اسے تنہائی میں ڈانٹے ڈپٹے اور اگر مصلحت دیکھے تو مجمع عام میں بھی ان کی سرزنش کرے اس لئے کہ استاد کی مثال طبیب کی سی ہے۔ وہ دوا کا استعمال وہیں کرتا ہے جہاں اس کی ضرورت ہوتی ہے اور فائدہ پہنچاتی ہے۔

۹) دقیق مسائل بیان کرنا

استاد کو چاہئے کہ اپنے شاگردوں اور شرکاء کے سامنے دقیق مسائل اور عجیب نکات جو اس کی نظر میں سود مند ہوں، وہ پیش کرے اور اس طرح ان کی عقول کا امتحان لے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ فاضل کی فضیلت واضح ہو جائے گی نیز اس وسیلے سے ان کی مشق وتمرین میں اضافہ ہوگا اور فکر وفہم کی صلاحیت پیدا ہوگی۔ امتحان میں ناکام ہو جانے والوں کی سرزنش نہ کرے مگر یہ کہ اگر مصلحت دیکھے تو اس بارے میں باز پرس کرسکتا ہے۔

ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَۃً لا یَسْقُطُ وَرَقُھَا اِنَّھا مِثْلُ الْمُسْلِمِ حَدِّثُوْنِی مَا ھِیَ؟ فَوَقَعَ النَّاسُ فِیْ شَجَرِ الْبَوَادِیْ .... ثُمَّ قَالُوا حَدِّثْنَا مَا ھِیَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ؟قَالَ ھِیَ النَّخْلَۃُ''(۱)

''درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور یہ مسلمان کی مانند ہے تم بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ لوگوں نے صحرا کے درختوں کو دیکھنا شروع کیا پھر انھوں نے آنحضرتؐ سے کہا: یارسول اللہ! آپ فرمائیے وہ کون سا درخت ہے؟ تو آنحضرتؐ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔''

۱۔ صحیح بخاری، ج/۲، ص/۱۲۔

اسی طرح جب وہ سبق کی تشریح سے فارغ ہو جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ درس سے متعلق مسائل طلبہ کے سامنے پیش کرے اور جو کچھ انھیں سمجھایا تھا اسے دہرانے کے لئے کہے تاکہ وہ اس طرح ان کی ذہانت وفطانت اور جو کچھ تشریح کی تھی اس کو یاد رکھنے کا امتحان لے سکے۔ اگر درست جواب کے ذریعہ طالب علم کے فہم وفراست کا استحکام ظاہر ہو جائے تو اس بات پر اس کی تعریف کرے اور جس نے درس کو نہیں سمجھا ہے نرمی کے ساتھ اسے دوبارہ سمجھائے۔

استاد کے لئے مناسب ہے کہ طلبہ کو حکم دے کہ اجتماعی طور سے درس میں شریک ہوں اس لئے کہ اجتماعی درس کا فائدہ انفرادی درس سے حاصل نہیں ہوتا اور انھیں حکم دے کہ درس سے فارغ ہونے کے بعد آپس میں اس درس کو دہرائیں تاکہ وہ درس ان کے ذہن نشین ہو جائے۔

۱۰) بحث کے دوران شاگردوں کے ساتھ انصاف سے کام لینا

معلم پر لازم ہے کہ بحث کے دوران شاگردوں کے درمیان انصاف سے کام لے۔ ان میں سے اگر کوئی عمدہ بات کہتا ہے تو خواہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اس کی افادیت کا اعتراف کرے، اس لئے کہ انصاف، علم کی برکت کی وجہ سے ہے۔ اسلاف میں سے کسی نے کہا ہے:

''مِنْ بَرَکَةِ الْعِلْمِ وَ آدَابِهِ الْاَنْصَافُ ،وَمَنْ لَمْ يُنْصِفْ لَمْ يُفْهِمْ وَلَمْ يَتَفَهَّمْ''

''علم کی برکت اور اس کے آداب میں سے انصاف کرنا ہے۔ جس نے انصاف نہیں کیا، اس نے نہ سمجھایا اور نہ ہی سمجھا۔''

استاد کو چاہئے کہ بحث اور تقریر کے دوران طالب علم کے ساتھ رہے اور جہاں سے سوال آ رہا ہے اسے سنے خواہ کہنے والا کمسن ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے سننے سے اعراض نہ کرے۔

استاد پر لازم ہے کہ اگر کوئی طالب علم زیادہ علم حاصل کرتا ہے تو اس بنیاد پر ان میں سے کسی سے حسد نہ کرے بالخصوص اپنے بیٹے یا کسی اور کے مقابل میں۔ اس لئے کہ حسد کرنا حرام ہے اور اس سے حسد کیسے ہوگا جو بیٹے کی جگہ پر ہے اور اس کی فضیلت استاد کی جانب لوٹتی ہے اور اس میں معلم کا نہایت وافر حصہ ہے اس لئے کہ وہ اس کا مربی ہے اور اس کی تعلیم وتربیت کی وجہ سے اسے آخرت میں ثواب جزیل ملے گا اور وہ دنیا میں مسلسل دعا اور بہترین تعریف وتوصیف کا مستحق قرار پائے گا۔ ہم نے نہ دیکھا اور نہ ہی سنا کہ اساتذہ میں سے کسی نے اپنے بیٹے کو دوسرے طلبہ سے افضل قرار دیا ہو اور وہ لڑکا کامیاب ہوا ہو؛ اس لئے

کہ معاملہ خدا کے ہاتھ میں اور علم ﴿فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾(۱)
''اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تو بڑے فضل کا مالک ہے۔''

۱۱) طلاب میں بعض کو بعض پر برتری نہ دینا

طلبہ اگر صفات میں استاد کے مساوی ہوں۔ سن وسال، خوبیوں اور دینی اعتبار سے یکساں ہوں تو استاد پر لازم ہے کہ وہ طلبہ کے سامنے یہ ظاہر نہ ہونے دے کہ اس کے نزدیک بعض طالب علم دوسرے طالب علم سے افضل ہیں اسی لئے وہ ان کی طرف زیادہ توجہ دیتا ہے اور اسے ان سے زیادہ الفت ومودّت ہے۔ اس لئے یہ بات نفسانی اعتبار سے پریشان کن ہوگی اور دل کو متنفر بنا دے گی۔ اب اگر ان میں سے کچھ طلبہ حصول علم کا زیادہ شوق رکھتے ہیں، بہت محنت کرتے ہیں، نہایت مودّب ہیں تو استاد کو چاہئے کہ ایسے طالب علم کی تکریم کو ملحوظ رکھے۔ ان کی افضلیت کو ظاہر کرے اور اس بات کو واضح کر دے کہ ان طلبہ کی توقیر وتکریم کا سبب یہ ہے کہ وہ ان خوبیوں کے مالک ہیں اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے طلبہ زیادہ مستعد اور تعلیم کی جانب راغب رہیں گے اور یہ عمل دوسرے طلبہ کو اس امر پر ابھارے گا کہ وہ ان اضافی صفات اپنے اندر بھی پیدا کرلیں۔

۱۲) طلاب کو زیادہ روی سے روکنا

جب استاد یہ محسوس کرے کہ طالب علم نے حصول علم کی جو روش اختیار کی ہے وہ اس کی طاقت، استعداد، صلاحیتوں اور ذاتی تقاضوں سے بالاتر ہے اور اسی وجہ سے معلم یہ سمجھتا ہے کہ طالب علم درس سے متنفر نہ ہو جائے اور اس کی طبیعت اچاٹ نہ ہو جائے۔ لہٰذا ایسی صورت میں معلم پر لازم ہے کہ نہایت نرمی اور خندہ پیشانی سے اسے سمجھائے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول اسے سنائے:

''اِنَّ الْمُنبَتَّ لا اَرْضاً قَطَعَ وَلا ظَهْراً اَبْقَى''(۲)

اگر کسی نے اپنی سواری کو تھکا دیا ہے تو اس نے نہ تو مسافت طے کی ہے اور نہ ہی سواری کی حفاظت کی ہے۔

اسی طرح مثالیں بیان کر کے اسے سمجھائے اور اسے آمادہ کرے کہ وہ نرمی، میانہ روی اور اپنی جدوجہد میں اعتدال پیدا کرے۔

۱۔ سورۂ جمعہ/۴۔ ۲۔ الکافی، ج۲، ص۸۷۔

اگر استاد یہ محسوس کرے کہ طالب علم اپنی جدوجہد کے سبب اکتا گیا ہے یا تنگ دل ہو گیا ہے اور اسی قسم کی کسی پریشانی سے دوچار ہے تو اسے حکم دے کہ وہ استراحت کرے۔ اپنے مشاغل کم کر دے اور اسے سختی سے منع کرے کہ وہ ایسا علم حاصل نہ کرے اور ایسی کتاب نہ پڑھے جو اس کے فہم سے بالاتر ہو یا اس کی عمر اس کی متقاضی نہ ہو۔

اگر کوئی طالب علم کسی علم کے حصول کے لئے استاد سے مشورہ کرے اور استاد اس کی قوت ادراک اور حافظے سے ناآشنا ہو تو استاد کو چاہئے کہ اس وقت تک مشورہ نہ دے جب تک وہ اس کے ذہن کو آزمانہ لے اور اس کی حالت سے واقفیت حاصل نہ کرلے۔

۱۳) جن علوم سے ناواقف ہے طلاب کے سامنے ان کی برائی نہ کرنا

اگر معلم کسی خاص فن میں ماہر ہو تو اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ طالب علم کے سامنے دوسرے علوم وفنون کی برائیاں اور خرابیاں بیان کرے جیسا کہ اکثر جاہل معلمین کی عادت ہے ''اس لئے کہ انسان اس چیز کا دشمن ہوتا ہے جس کا اسے علم نہیں ہوتا۔''

اسی طرح استاد کو چاہئے کہ جو طریقۂ تعلیم اس کے قبضے میں نہیں ہے اس سے بھی طالب علم کو آشنا کرے۔ اگر یہ محسوس کرے کہ اس کے پاس دوسروں کے مقابل میں کم درجہ علم ہے تو اسے چاہئے کہ طالب علم کو اس علم کے ماہر کے پاس بھیج دے۔ اس طرح کی رہنمائی مسلمانوں کی نصیحت، علم اور دین کی حفاظت کے لئے ضروری اور لازمی ہے اور یہ معلم کے کمال کی مکمل دلیل ہے اور طالب علم کے لئے صالح ملکہ پیدا کرنے کا باعث ہے۔

۱۴) اگر شاگرد کسی دوسرے استاد سے سبق لے تو ناراض نہ ہونا

یہ بات سب سے اہم ہے کہ جو طالب علم کسی معلم کے پاس پڑھتا ہے اگر وہ کسی اور معلم سے بھی درس حاصل کرتا ہے کسی ایسی مصلحت کے تحت جسے وہ طالب علم اچھی طرح جانتا ہے تو معلم طالب علم کی اس بات سے غمگین اور رنجیدہ نہ ہو۔ یہ ایک ایسی مصیبت ہے جس میں اکثر جلیل اساتذہ مبتلا ہو جاتے ہیں اور وہ بھی اس میں مبتلا ہوتے ہیں جن کی نیت میں فساد اور ذہن میں فتور ہوتا ہے اور مقصد للہیت نہیں ہوتا اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ تعلیم سے ان کا مقصد نہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی تھی اور نہ ہی ثواب کا حصول تھا۔ درحقیقت معلم ایک ایسا بندہ ہے جسے دوسرے بندوں تک آقا کے پیغام کو پہنچانے پر مامور کیا گیا

ہے۔ پس اگر آقا کسی دوسرے غلام کو پیغام کی ادائیگی کے لئے بھیج دے تو پہلے کو ناراحت نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ اس بات سے آقا کے نزدیک اس کی منزلت کم نہ ہوگی بلکہ اس کی قدر و منزلت میں مزید اضافہ ہوگا جب آقا یہ دیکھے گا کہ یہ دونوں آقا کے حکم کو تسلیم کر رہے ہیں۔

یہ اس وقت ممکن ہوگا جب دوسرا معلم اہل ہو، لیکن اگر وہ جاہل یا فاسق یا بدعتی یا غلطیوں کا پتلہ ہو اور وہ طالب علم کو ایسی خراب صفات و عادات سے آشنا کرے جسے اس کے سابقہ حاصل کردہ علم پر کسی طرح ترجیح نہ دی جاسکے تو ایسی صورت میں صحیح اور کامیاب مقصد کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسی چیزوں سے دھوکا کھانے سے بچنا بہتر ہے: ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾(۱)

''اور اللہ خوب جانتا ہے کہ خرابی کرنے والا کون ہے اور اصلاح کرنے والا کون ہے۔''

۱۵) باصلاحیت طالب علم کو تدریس کا موقع دینا

جب طالب علم، اپنے علم کو پایۂ تکمیل تک پہنچادے اور تعلیم دینے کا اہل ہو جائے اور تعلیم حاصل کرنے سے بے نیاز ہو جائے تو استاد پر یہ لازم ہے کہ اس کا نظام کار معین کرے، محافل اور اجتماعات میں اس کی تعریف و توصیف کرے۔ لوگوں کو حکم دے کہ اسے مصروف رکھیں۔ اس سے علم حاصل کریں اس لئے کہ جاہل اس کی حالت سے مانوس نہیں ہوگا اور اطمینان حاصل نہیں کرے گا جب تک معلم تعلیم کے درپے نہ ہو اور جس کے احوال کا علم ہے اس بارے میں رہنمائی نہ کرے۔ استاد کو چاہئے کہ طالب علم کے مفصل حالات سے اپنی معلومات کے مطابق لوگوں کو آگاہ کرے اور اس کے تقویٰ، عدالت وغیرہ سے بھی لوگوں کو مطلع کرے، اسی طرح ان باتوں سے بھی باخبر کرے کہ لوگوں کو اس سے علم حاصل کرتے وقت کن امور سے واسطہ پڑے گا۔ انتظام علم اور حالات کی درستی کے لئے یہ سبب عظیم ہے۔

اسی طرح اگر استاد اس کی جانب سے آزادی کے ساتھ تدریس کی جانب میلان دیکھے اور یہ محسوس کرے کہ وہ اس درجہ اور مرتبہ سے کم استعداد رکھتا ہے اور اسے مزید علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے تو استاد پر لازم ہے کہ طالب علم کو تدریس سے باز رکھے اور اس پیشہ کو اس کے لئے مناسب نہ جانے اور تنہائی میں اس عمل سے شدت کے ساتھ منع کرے۔ اگر استاد اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو تو علانیہ طور

۱۔ سورۂ بقرہ/ ۲۲۰.

سے اسے روکے تاکہ وہ صحیح مقصد تک رسائی حاصل کرلے۔ اپنے کام پر واپس جائے اور کمال تک پہنچنے کے لائق ہوسکے۔

اس بات کا خلاصہ یہ ہے کہ استاد، شاگرد کے لئے ایسا ہی ہے جیسا طبیب، مریض کے لئے ہوتا ہے، طبیب ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہے کہ بیماری اور مرض کی تشخیص کرلے تاکہ اس کا علاج کرسکے اور اس مریض کو جیسی دواؤں کی ضرورت ہے انھیں مہیا کی جائیں اور حالات کی تفصیل احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتی، ہے بلکہ استاد اپنی ذہانت سے اس مسئلہ کو حل کرے گا وہ ہر مقام کی مناسبت سے جو مناسب جانے گا، اقدام کرے گا اور ہر بیماری کا کامیاب علاج اور دوائے شافی مہیا کرے گا اور اللہ معین و مددگار ہے۔

1

دوران درس، معلم کے آداب

یہ آداب مندرجہ ذیل ہیں:

۱) تدریس کے لئے وقار وسکینہ کے ساتھ گھر سے نکلنا

جب استاد درس دینے کے لئے روانہ ہو تو نہایت آمادگی اور تیاری کے ساتھ ہو۔ اس کا لباس پر وقار ہو، کپڑے اور جسم نظیف ہوں۔ اس کے لئے سفید پوشاک زیب تن کرنا باعث فضیلت ہے۔ وہ لباس فاخرہ کی جانب توجہ مبذول نہ کرے۔ بلکہ ایسا لباس ہو جو باوقار ہو اور دل جس کی جانب مائل ہو جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ نماز عیدین اور نماز جمعہ کے ائمہ جماعت کو کیسا لباس پہننا چاہئے اور کتاب الکافی میں ''بَابُ التَّجَمُّلِ وَالزِّی'' میں اس بارے میں صحیح روایات بیان کی گئی ہیں اور ایسا لباس پہننے کی غرض علم کی عظمت اجاگر کرنا اور شریعت کو محترم بنائے رکھنا ہے۔ استاد کو چاہئے کہ وہ خوشبو لگائے، داڑھی میں کنگھی کرے اور ہر عیب لگانے والی شے کو زائل کرے۔ گذشتہ علماء کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی ان سے حدیث کا علم حاصل کرنے آتا تھا تو وہ غسل کرتے، خوشبو لگاتے، نیا لباس زیب تن کرتے، سر پر عمامہ رکھتے پھر اپنے تخت پر جلوہ افروز ہوتے اور عود کی دھونی دی جاتی یہاں تک کہ وہ درس سے فارغ ہو جاتے اور فرماتے: ''اُحِبُّ اَنْ اُعَظِّمَ حَدِيثَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ وَ سَلَّم.''

''میں یہ چاہتا ہوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی عظمت کو قائم رکھوں۔''

۲) تدریس پر جاتے وقت ماثور دعا پڑھنا

درس کے ارادے سے گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے:

''اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوذُ بِکَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضِلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزِلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْھَلَ اَوْ یُجْھَلَ عَلَیَّ عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ وَ لَا اِلٰہَ غَیْرُکَ '' اس کے بعد کہے ''بِسْمِ اللّٰہِ حَسْبِیَ اللّٰہُ وَ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ جَنَانِی وَ اَدِرِ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِی ''

''یا اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں کسی کو گمراہ کروں یا مجھے کوئی گمراہ کرے یا یہ کہ میں پھسل جاؤں یا مجھے پھسلایا جائے یا میں ظلم ڈھاؤں یا مجھ پر ظلم ڈھایا جائے یا یہ کہ میں جہالت دکھاؤں یا میرے خلاف جہالت کا مظاہرہ کیا جائے۔'' تیرا پناہ لینے والا معزز ہے۔''اور تیری توصیف جلیل القدر ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے ــــــ اللہ کے نام سے آغاز ہے، میرا خدا کافی ہے میں نے خدا پر توکل کیا ہے۔ کوئی طاقت وقوت نہیں سوائے اللہ کے جو بلند اور باعظمت ہے۔ اے اللہ! میرے دل کو پائدار رکھ اور میری زبان پر حق کو جاری فرما'' اور جب تک بزم میں پہنچے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے۔

۳) کلاس میں حاضر افراد کو سلام کرنا

جب کلاس میں پہنچے تو جملہ حاضرین کو سلام کرے اور اگر وہ مسجد ہو تو دو رکعت تحیہ مسجد کی نماز پڑھے ورنہ یہ نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے اور اس کام کی اہلیت رکھنے کی بنیاد پر دو رکعت نماز پڑھتا ہوں۔ یا نماز حاجت پڑھے، راست روی، تایید ایزدی، غلطیوں سے محفوظ رہنے کے لئے یا مطلق طور پر نماز ادا کرے کیوں کہ ''اَلصَّلٰوۃُ خَیْرُ مَوْضُوْعٍ '' ''نماز بہترین عمل ہے۔'' لیکن خصوصی طور سے اس عمل کے لئے اس کا مستحب ہونا ثابت نہیں ہے۔ اگر چہ بعض علماء نے اسے مستحب قرار دیا ہے۔ اس کے بعد توفیق خدا، اعانت اور حفاظت کی دعا کرے۔

۴) سکون واطمینان کے ساتھ بیٹھنا

استاد کو چاہئے کہ نہایت اطمینان، وقار، تواضع اور خشوع کے ساتھ نگاہ نیچی کئے ہوئے پیروں کو موڑ کر ایڑیوں کے بل بیٹھے۔ چار زانو ہو کر کولھے کے بل نہ بیٹھے اور نہ ہی اپنی پسند سے ایسی نشست اختیار کرے جو شریعت میں ناپسندیدہ ہے۔(۱) اور بغیر کسی عذر کے اپنے دونوں پاؤں اور نہ ہی کوئی ایک پاؤں پھیلائے اور درس کے دوران نہ تو پہلو کی طرف سے ٹیک لگائے اور نہ ہی پیٹھ کے پیچھے کوئی تکیہ لگائے اور اسی طرح

....

۱۔ بحار الانوار طبیروت، ج/۲،ص/۴۶۹۔

کوئی اور کام نہ کرے۔ لیکن اگر درس نہ ہو رہا ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے اس لئے کہ طالب علم اولاد کے مانند ہوتے ہیں۔

۵) قبلہ رخ بیٹھنا

کہا گیا ہے کہ قبلہ رو ہو کر بیٹھے اس لئے کہ یہ باعث شرف ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: "خَیرُ الْمَجَالِسِ مَا اسْتُقْبِلَ بِهِ الْقِبْلَةُ" (۱) "بہترین نشست وہ ہے جس میں قبلہ رو ہو کے بیٹھا جائے۔" اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ استاد کا قبلہ کی طرف پشت کرنا بہتر ہے تا کہ طلبہ کا رخ قبلہ کی جانب رہے اس لئے کہ ان کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔

۶) تعلیم علم اور تبلیغ احکام کی نیت کرنا

درس کا آغاز کرنے سے قبل بلکہ گھر سے نکلتے وقت یہ نیت کرے کہ وہ علم سکھانے، اس کی اشاعت کرنے، شریعت کے فائدوں کو پھیلانے اور دینی احکام کی تبلیغ کے لئے روانہ ہو رہا ہے جو بطور امانت اس کے سپرد کی گئی ہے اور جس کے بیان کرنے کا اسے حکم دیا گیا ہے۔ استاد کو چاہئے کہ مباحثہ کے ذریعہ اپنے علم میں اضافہ کرتا رہے، درست باتوں اور حق کی جانب واپسی کا اظہار کرے۔ وہ طلبہ اور متعلمین کے اجتماع میں ذکر خدا کرتا رہے اور علماء گذشتہ اور سلف صالحین کے لئے دعا کرتا رہے اور ان کے علاوہ جو مقاصد ہوں انھیں سامنے لائے۔ وہ ان اہداف کو پیش نظر رکھنے کی وجہ سے کئی گنا ثواب کا مستحق ہوگا اس لئے کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے جود و کرم سے ہمارے اعمال کی اصلاح کرے۔ ہمارے اقوال کو درست راہ پر چلائے اور ہمارے باطن اور مقاصد کو اپنے فضل و کرم سے خالص اپنے لئے قرار دے۔

۷) پڑھاتے وقت ایک خاص حالت کی رعایت کرنا

بقدر امکان یہ کوشش کرے کہ ایک جہت میں براجمان ہو تا کہ وہ اپنے جسم کو پیش قدمی اور بے جگہ ہونے اور اضطراب و بے چینی سے محفوظ رکھے۔ اپنے دونوں ہاتھوں کو موڑنے اور انگلیوں کو باہم الجھانے سے بچائے اور اپنی آنکھوں کو بلا ضرورت ادھر ادھر نہ گھمائے۔

۱۔ المبسوط، ج/۸، ص/۹۰.

زیادہ مذاق کرنے اور ہنسنے سے بچتا رہے کیونکہ اس سے ہیبت میں کمی واقع ہوتی ہے اور احترام باقی نہیں رہتا، حیا جاتی رہتی ہے اور دلوں سے عزت واحترام کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔ اگر مزاح کم کیا جائے تو یہ پسندیدہ عمل ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۱) اور ان کے بعد تشریف لانے والے ائمہ کرام علیہم السلام کا عمل تھا۔ (۲)

اور ہنسنا بھی اسی ضمن میں آتا ہے آنحضرت اس طرح ہنستے تھے کہ آپ کی ڈاڑھ نظر آتی تھی۔ لیکن کبھی بھی آپ کی ہنسی کی آواز باہر نہیں آتی تھی اور متوسط طریقے سے مسکراتے تھے۔ (۳)

۸) ایسی جگہ بیٹھنا جہاں سے سب دیکھیں

استاد ایسی جگہ بیٹھے جہاں سے تمام حاضرین کو اس کا چہرہ نظر آئے اور خطاب کرتے وقت وہ ان کی جانب خصوصی طور سے توجہ دے سکے، نظریں گھما سکے اور وہ جس سے گفتگو کر رہا ہو یا سوال کر رہا ہو یا کسی بارے میں بحث کر رہا ہو اس کی جانب خصوصی التفات اور توجہ مبذول کر سکے خواہ وہ طالب علم عمر میں چھوٹا ہو یا کم حیثیت کا مالک ہو۔

۹) ہمنشینوں سے خوش اخلاقی سے پیش آنا

شرکائے بزم سے استاد کا اخلاق دوسرے افراد کی بہ نسبت زیادہ اچھا ہونا چاہئے۔ ان میں جو علم یا عمر یا تقویٰ اور شرف کی حیثیت سے دوسروں سے برتر ہو تو استاد پر لازم ہے کہ ان کی توقیر کرے۔ جس طرح نماز جماعت کی امامت میں انھیں مقدم رکھا جاتا ہے اسی ترتیب سے نشستوں میں ان کی رفعت ومنزلت کو قائم رکھے اور کلاس میں دوسرے شرکاء سے مہربانی کا برتاؤ کرے۔ ان کی تکریم روا رکھے۔ استاد کو بہترین سلام، خندہ پیشانی، مسکراہٹ اور بشاشت کے ساتھ ان کے احترام کے لئے کھڑا ہونا چاہئے اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ اگرچہ بعض روایات اس گمان کا سبب بنی ہیں۔ (۴)

۱۔ مکارم الاخلاق، ص/۲۱.
۲۔ شرح ابن الحدید نہج البلاغہ، ج/۱، ص/۲۵
۳۔ مکارم الاخلاق، ص/۲۱.
۴۔ جیسا کہ سنن ابی داؤد، ج/۴، ص/۳۸۵ میں ابی امامہ سے مروی ہے "خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مُتَوَكِّئًا عَلٰى عَصًا فَقُمْنَا إِلَيْهِ فَقَالَ لَا تَقُومُوا كَمَا تَقُومُ الْأَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا"

۱۰) پڑھانے سے پہلے قرآن مجید کی چند آیات کی تلاوت کرنا

درس وتدریس کے آغاز سے قبل برکت حاصل کرنے کے لئے قرآن کریم کی کچھ آیتوں کی تلاوت کرے۔ بعض علماء سورہ الاعلیٰ کی تلاوت کو معمول بناتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ اس سورہ میں لفظ ''اَعْلیٰ'' ''قَدَّرَ فَهَدیٰ'' ''وَسَنُقْرِءُکَ فَلا تَنْسیٰ'' ''فَذَکِّرْ'' اور اللہ تعالیٰ کا قول ''صُحُفِ اِبْرَاهِیْمَ وَمُوْسیٰ''، تعلیم کے مقصد زیادہ قریب اور فال نیک ہے۔ تلاوت کے بعد اپنے لئے حاضرین مجلس کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرے۔ اس کے بعد ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ'' کہے اس کے بعد ''بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم'' اور پھر ''اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ'' اور اس کے بعد ''وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الطَّاهِرِیْنَ وَاَصْحَابِهِ الْمُنْتَجَبِیْنَ'' کہے۔ اس کے بعد علماء گزشتہ اور سلف صالحین اور خاص طور سے اساتذہ کرام، اپنے والدین اور حاضرین کے لئے دعا کرے اور کسی مدرسہ یا عمارت میں ہو تو وقف کرنے والے کے حق میں دعا کرے۔ اگر چہ اس بارے میں کوئی خاص حدیث وارد نہیں ہوئی ہے لیکن اس میں خیر عظیم اور برکت ہے اور یہ ایسی جگہ ہے جہاں دعائیں مستجاب ہوتی ہیں اور اس میں ماسبق علماء کی اقتدا بھی ہے وہ حضرات اس امر کو محبوب اور پسندیدہ قرار دیتے تھے۔

۱۱) سبق کو سمجھانے کے لئے سب سے آسان طریقہ اپنانا

استاد کو چاہئے کہ درس کی تفہیم کے لئے آسان راستوں کا انتخاب کرے اور اس کے الفاظ دل نشین اور شیریں ہوں، آسان ہوں، واضح ہوں، قابل فہم ہوں۔ جن مطالب کو مقدم ہونا چاہئے انھیں پہلے بیان کرے اور جنھیں موخر رکھنا ہے انھیں بعد میں بیان کرے۔ مقدمات کو ترتیب سے بیان کرے جن پر فکری تحقیق کا دارومدار ہے۔ جہاں ٹھہرنا مناسب ہو وہاں پر توقف کرے اور جہاں عبارت مربوط ہونی چاہئے وہاں تسلسل کے ساتھ بیان کرے۔ حاضرین کی ضرورت کے تحت جن الفاظ ومعانی کی تفہیم میں دشواری ہو انھیں دوبارہ بیان کرے۔ جب مسئلہ کی وضاحت کر چکے تو تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو جائے تاکہ اگر کسی کے ذہن میں اس مسئلہ کے بارے میں کوئی بات ہو تو وہ بیان کر سکے۔

اگر دینی امور کے بارے میں کوئی اعتراض ہو تو ایسا نہ کرے کہ ایک نشست میں شبہات بیان کرے اور اس کے جواب کو دوسری نشست کے لئے اٹھا رکھے، بلکہ دونوں کو ایک ساتھ بیان کرے یا دونوں کو بعد

میں بیان کرے بالخصوص اس وقت جب درس میں خاص و عام سب شریک ہوں اس لئے کہ احتمال ہے کہ کوئی شریک جلسہ دوبارہ اس جگہ نہ آئے اور شبہہ و اعتراض اس کے ذہن میں رہ جائے اور اس کا جواب اسے نہ مل سکے اور اس طرح یہ مسئلہ فتنہ کا سبب بن جائے۔

۱۲) زیادہ اہم کو مقدم کرنا

اگر معلم کے ذمے مختلف دروس ہوں تو اسے چاہئے کہ ان میں سے پہلے اشرف اور اہم کا انتخاب کرے اور بالتدریج انھیں طالب علموں کو پڑھائے۔ ترتیب اس طرح ہونی چاہئے کہ پہلے اصول دین پھر تفسیر پھر حدیث پھر اصول فقہ پھر نحو پھر معانی۔ اسی طرح دوسرے علوم بھی ترتیب اور ضرورت کے اعتبار سے پڑھائے جائیں۔ ہم ان شاء اللہ ایک مخصوص باب کے ذیل میں اس ترتیب اور تدریج کی وضاحت کریں گے۔

۱۳) سبق کو زیادہ طولانی نہ کرنا

استاد کو چاہئے کہ اپنے درس کو اتنا طویل نہ بنائے کہ طلبہ اکتا جائیں اور ان کے لئے سبق کا سمجھنا اور یاد رکھنا مشکل ہو جائے۔ اس لئے کہ درس کا مقصد فائدہ پہنچانا اور سمجھانا ہے اور درس کے طولانی ہونے کی وجہ سے یہ مقصود فوت ہو جائے گا۔ اور نہ ہی درس اتنا مختصر ہو کہ اس کے بعض بیانات نامکمل [illegible] جائیں اور ان کا سمجھنا اور یاد رکھنا ممکن نہ رہے تو اس طر[illegible] بھی مقصو[illegible] سود حاصل نہ ہوگا۔

۱۴) فکر کو پراکندہ اور پریشان کرنے والا سبق نہ دینا

اگر معلم کسی پریشانی، بے چینی اور فکری اضطراب سے دوچار ہو تو اسے درس نہیں دینا چاہیے جیسے بیمار ہو یا بھوکا ہو یا پیاسا ہو یا رفع حاجت کے لئے نہ جا سکتا ہو، خوشی کی انتہا ہو یا غم کی شدت یا غضب ناک ہو یا اونگھ آ رہی ہو یا اضطراب ہو یا سردی لگ رہی ہو یا گرمی لگ رہی ہو جو باعث اذیت ہوں۔ یہ وہ عوامل ہیں جن کی وجہ سے معلم بحث و بیان کو کما حقہ بیان کرنے سے قاصر رہے گا اور مطلوب حاصل نہ ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ فتویٰ دیتے وقت ان عوارض کی وجہ سے فتویٰ نہ دے سکے۔

۱۵) حاضرین کو تکلیف دینے والی کوئی چیز کلاس میں نہ ہو

مجلس درس میں ایسی کوئی چیز نہ ہو جو حاضرین کی اذیت کا باعث ہو جیسے دھنواں یا غبار یا چیخ پکار یا

دھوپ جو شدید گرمی کا سبب بنے یا اسی قسم کی کوئی دوسری چیز جو مطلوب تک رسائی میں رکاوٹ بنے، بلکہ سامعین اور حاضرین ہر اس بات سے محفوظ رہیں جو فکر کی پراکندگی اور دل کی پریشانی کا موجب ہوتا کہ تدریس کے مقصد کو کماحقہ حاصل کیا جا سکے۔

۱۶) سبق دیتے وقت طلاب کی مصلحت کا خیال رکھنا

استاد کو چاہئے کہ کلاس کے وقت کو آگے پیچھے کرنے میں طلبہ کی مصلحت کو مدنظر رکھے۔ اگر معلم کو اس وقت کوئی اور ضروری کام درپیش نہ ہو اور مزید تکلیف کا باعث بھی نہ ہو اور یہ بھی ضروری ہے کہ معلم کے لئے جو مطالعہ اور تصنیف و تالیف کے لئے موزوں وقت ہے وہ تدریس کے وقت سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے لہٰذا ایسے وقت میں درس نہ رکھا جائے۔

۱۷) آواز میں میانہ روی کا خیال رکھنا

استادِ کو چاہئے کہ دوران درس اپنی آواز کو ضرورت سے زیادہ بلند نہ کرے اور نہ ہی اپنی آواز کو اتنا پست رکھے کہ کچھ لوگ مطالب کو اچھی طرح سمجھنے سے قاصر رہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے: ''اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الصَّوتَ الْخَفِیضَ وَ یُبْغِضُ الصَّوتَ الرَّفِیعَ'' (۱)

''بے شک اللہ دھیمی آواز کو پسند فرماتا ہے اور اونچی آواز کو ناپسند کرتا ہے۔''

۱۸) کلاس کو سوء ادب سے محفوظ رکھنا

استاد کو چاہئے کہ مجلس درس کو شور و غل سے محفوظ رکھے اس لئے کہ غلطیاں شور و غل کے تحت ہوتی ہیں۔ آواز بلند ہونے، مباحثہ میں بے ادبی اور گستاخی کئے جانے، بحث و مباحثہ کا رخ تبدیل ہو جانے، ایک مسئلہ کی تکمیل سے قبل دوسرے مسئلہ کی طرف پلٹ جانے سے محفوظ رکھے۔ اگر کسی بحث کرنے والے سے ایسی باتیں ظاہر ہونا شروع ہوں تو ان کے پھیلنے سے پہلے اور لوگوں کے غیظ و غضب میں آنے سے پہلے ہی نہایت نرمی کے ساتھ اس معاملہ کو رفع دفع کر دے۔ تمام حاضرین سے مخاطب ہو کر انھیں یاد دلائے کہ ان باتوں کا پھیلانا کس قدر قبیح ہے اور یہ باتیں دشمنی، بغض و حسد کا سبب ہیں جو فکری انتشار کو جنم دیتی ہیں اور ان کی وجہ سے دین رخصت ہو جاتا ہے۔ واجب و ضروری ہے کہ یہ اجتماع خالصۃً لوجہ اللہ ہو تا کہ

۱۔ کنز العمال، ج/۳، ص/۵۶۹.

اس کے ذریعہ دنیاوی فوائد کے ساتھ ساتھ اخروی سعادت بھی حاصل ہو جائے۔

۱۹) بے ادبی کرنے والے کی سرزنش کرنا

اگر استاد یہ محسوس کرے کہ کوئی طالب علم بحث کے دوران حد سے تجاوز کر رہا ہے یا وہ کسی سے جھگڑا کر رہا ہے یا اس کا اخلاق برا ہے یا حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد بھی وہ انصاف سے کام نہیں لے رہا ہے یا بلا وجہ شور وغوغا کر رہا ہے، حاضرین یا غائبین کے بارے میں گستاخی کر رہا ہے یا وہاں موجود اپنے سے برتر شخص پر اپنی بڑائی چاہ رہا ہے یا محو خواب ہے یا دوران درس کسی دوسرے سے بات کر رہا ہے جو کسی طور سے مناسب نہیں یا ہنس رہا ہے یا کسی کا مذاق اڑا رہا ہے یا کوئی ایسا کام انجام دے رہا جس کی وجہ سے حلقہ درس میں شریک طلبہ کے اخلاق میں خلل واقع ہو رہا تو ان سب باتوں پر ایسے طالب علم کی سختی سے سرزنش کرے اور اگر ان امور کو درست نہیں کیا گیا تو فساد کا باعث ہوگا۔

۲۰) طلاب سے نرمی سے پیش آنا

استاد پر لازم ہے کہ طلبہ سے گفتگو کرتے اور ان کے سوالات کو سنتے وقت نہایت شفقت ومہربانی سے پیش آئے۔ پس اگر سوال کرنے والا اعتراض کو پیش کرنے یا حیا یا علم کی کمی کی وجہ سے اس بارے میں کچھ تحریر کرنے سے عاجز ہو اور صرف مفہوم بیان کر رہا ہو تو معلم کو چاہئے کہ سب سے پہلے اس کے مقصود کو واضح کرے اور اعتراض کے سبب کی وضاحت کرے اور اپنے علم کے مطابق اس کا جواب دے۔ اگر طالب علم کا مقصود غلط ثابت ہو جائے تو معلم اس سے احتمالات کے بارے میں سوال کرے اور اس سے کہے: ''کیا اس بات سے تمھاری مراد یہ تھی''۔ اگر طالب علم ہاں کہے تو پھر اس اعتراض کا جواب دے ورنہ دوسرے احتمالات بیان کرے۔ اور اگر طالب علم کوئی پھسپھسا سا سوال کرے تو استاد اس کی ہنسی نہ آڑائے اور نہ ہی سوال کرنے والے کی تحقیر کرے۔ یہ ایسا امر ہے جس کی کوئی تدبیر نہیں اور یاد کرے کہ سب کا یہی حال تھا جب انھوں نے علم حاصل کیا تو یہ باتیں سمجھ میں آنے لگیں۔

۲۱) اس کے پاس آنے والے اجنبی سے محبت سے پیش آنا

اگر کوئی مسافر استاد کے پاس حاضر ہو تو اس سے ادب کے ساتھ پیش آئے اور خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرے تا کہ اس کا سینہ کشادہ ہو جائے اس لئے کہ آنے والا سہما ہوا، دہشت زدہ ہوگا بالخصوص اگر علماء کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہو اور اس کی طرف اجنبیت کے ساتھ نظر نہ کرے کیونکہ یہ عمل اس کے لئے

خجالت کا باعث ہوگا اور اسے سوال کرنے سے روک دے گا اور اگر وہ باصلاحیت ہے تو اس کے باوجود بھی بحث میں حصہ لینے سے گریز کرے گا۔

۲۲) دوران درس آنے والے عالم کے احترام کا خیال رکھنا

اگر کوئی عالم اور دانش مند جلسۂ درس میں آجائے اور معلم اگر درس کا آغاز کر چکا ہو تو فوراً درس کو روک کر اس کے بیٹھنے کا انتظار کرے اور اگر وہ درس کے دوران آئے جب درس کا آغاز ہو چکا ہو تو اس کے لئے درس کو دہرائے یا مقصد درس کی وضاحت کرے اور اگر وہ عالم اس وقت آئے جب درس اختتام کے قریب ہو اور جماعت قیام کے لئے تیار ہو کہ اس کے پہنچتے ہی روانہ ہو جائے گی تو معلم کو چاہئے کہ باقی بچے ہوئے درس کو موخر کر دے اور اس کے بیٹھنے تک کسی دوسری گفتگو میں مصروف ہو جائے پھر وہ درس کا اعادہ کرے یا باقی ماندہ درس کو تکمیل تک پہنچائے تا کہ آنے والا بیٹھنے کے بعد حاضرین جلسہ کے کھڑے ہو جانے پر شرمندہ نہ ہو۔

۲۳) جس چیز کے بارے میں نہیں جانتا اگر سوال کیا جائے تو ''نہیں جانتا'' کہنا

آداب درس میں سب سے ایک اہم بات یہ ہے کہ اگر استاد سے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جائے جو اس کے علم میں نہ ہو یا درس میں ایسی بات پیش آجائے جس سے وہ لاعلم ہو تو استاد پر لازم ہے کہ وہ ''مجھے یہ بات معلوم نہیں'' یا ''مجھ پر یہ بات واضح نہیں'' یا ''یہ بات میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے'' یا ''میں اس بارے میں دوبارہ غور کروں گا''۔ ''اس نے اس بات کا احاطہ نہیں کیا ہے۔'' عالم جس بات کو نہیں جانتا ہے اس کے علم کا تقاضا ہے کہ وہ یہ کہے: ''میں نہیں جانتا۔ اللہ اس بات سے زیادہ باخبر ہے۔''

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

اِذَا سُئِلْتُمْ عَمَّا لا تَعْلَمُوْنَ فَاهْرَبُوا قَالُوا: وَكَيْفَ الْهَرَبُ؟ قَالَ: تَقُولُونَ: اَللّٰهُ اَعْلَمُ:

''اگر تم سے وہ بات دریافت کی جائے جو تمھارے علم میں نہیں ہے تو تم اس سے راہ فرار اختیار کر لو دریافت کیا گیا کہ راہ فرار کس طرح اختیار کی جائے؟ فرمایا: تم کہو: واللہ اعلم۔''(۱)

ایک دانش مند کا قول ہے: ''یَنبَغِی لِلعَالِمِ اَن یُوَرِّثَ اَصحَابَهُ لا اَدرِی'' عالم کے لئے یہ بات مناسب ہے کہ اپنے اصحاب کو ''لا ادری'' کا وارث بنائے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ جملہ کثرت سے کہے

۱۔ سنن دارمی، ج/۱، ص/۶۳.

تا کہ انھیں یہ جملہ کہنے میں آسانی ہو اور وہ اس کے عادی بن جائیں اور ضرورت کے وقت اسے استعمال کریں۔ یہ بات جان لو کہ عالم کا ''میں نہیں جانتا'' کہنا اس کی منزلت کو کم نہیں کرتا بلکہ اسے بڑھاتا اور رفعت عطا کرتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت کو دوبالا کرتا ہے۔ یہ اس عالم پر فضل وکرم خداوندی ہے کیونکہ اس نے حق کو تھامے رکھا ہے اور اس کا دامن نہیں چھوڑا ہے۔

''لا ادری'' وہ نہیں کہتا ہے جس کے پاس علم کم ہوتا ہے اور تقویٰ اور دین کی کمی ہوتی ہے اس لئے کہ وہ اپنی کم علمی کے سبب ڈرتا ہے کہ ایسا کہنے سے لوگوں کی نگاہوں سے گر جائے گا جبکہ یہ سوچنا بھی ایک طرح کی جہالت ہے۔

۲۴) غلط فہمی کی طرف متوجہ کرانے میں جلدی کرنا

استاد نے اگر کوئی تقریر کی ہو یا کسی سوال کا جواب دیا ہو اور اس کی درستی کے بارے میں اسے شک ہو تو اس پر لازم ہے کہ حاضرین کے جانے سے پہلے اس کے فاسد اور غلط ہونے پر انھیں مطلع کرے اور اس بارے میں کسی قسم کی شرم وحیا محسوس نہ کرے یا کسی اور بات کے سبب اس عمل سے باز نہ رہے اور اس کا نفس امارہ جو برائی پر ابھارتا ہے کہیں اسے اس امر کو موخر کرنے اور کسی دوسرے موقع پر اٹھا رکھنے کے لئے مجبور نہ کرے۔ اس لئے کہ یہ نفس کا دھوکا اور ابلیس لعنۃ اللہ علیہ کی تلبیس (شبہہ میں مبتلا کرنا، اخفائے حقیقت کرنا) ہے اور کئی اعتبارات سے اس میں بہت زیادہ نقصانات پوشیدہ ہیں۔

۲۵) سبق ختم ہونے کی طرف متوجہ کرنا

معلم کو چاہئے کہ جب درس سے فارغ ہو رہا ہو یا فارغ ہونے کا ارادہ کر رہا ہو تو طالب علم اور حاضرین کو اس طرح متوجہ کرے کہ انھیں پتہ چلے کہ درس اختتام پذیر ہو گیا۔ اسلاف کی یہ عادت رہی ہے کہ وہ ایسے وقت میں کہا کرتے تھے: ''وَاللّٰهُ اَعْلَمُ''

اور بعض علماء کا یہ کہنا ہے کہ بہتر ہے کہ درس کے اختتام سے قبل ایسی بات کہے جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ اب درس ختم ہو رہا ہے جسے کہ وہ یہ کہے: ''یہ درس کی آخری بات ہے'' یا ''اس کے بعد جو کچھ ہے ہم اسے انشاء اللہ بعد میں بیان کریں گے'' اور اسی سے ملتے جلتے کہے تا کہ اس کا قول ''وَاللّٰهُ اَعْلَمُ خَالِصَةً لله تَعالیٰ'' کا ذکر رہے اور اس مفہوم پر صادق آئے۔ لہٰذا معلم کو چاہئے کہ ہر درس کا آغاز ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' سے کرے تا کہ آغاز وانجام دونوں وقت ذکر خدا جاری وساری ہو۔

۲۶) سبق کو وعظ و نصیحت پر ختم کرنا

معلم کو چاہئے کہ درس کو ایسے ذکر پر ختم کرے جو دل میں نرمی پیدا کردے اور آنکھیں ڈبڈبا جائیں۔ ایسی باتیں ہوں جو حکمتوں اور پند و نصائح سے تعلق رکھتی ہوں اور دل کی پاکیزگی کے سامان فراہم کریں تا کہ لوگ جب منتشر ہوں تو خشوع و خضوع اور اخلاص کے ساتھ منتشر ہوں اس لئے کہ نرمی اور خشک بحث و مباحثہ جو اخلاقی امور سے عاری ہو وہ دل میں قوت تو پیدا کرتی ہے لیکن وہ قوت بعد میں سختی اور سنگ دلی میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اخلاقی اور اصلاحی مطالب، طالب علم کو ہر وقت علم کی جانب مائل رکھیں گے اور اسے طلب کمال کی راہ دکھائیں گے اور معلم کے اخلاقی نصائح سے بڑھ کر اور کوئی شے زیادہ مفید اور سودمند نہیں ہے۔

۲۷) درس کو دعا پر ختم کرنا

معلم نے مجلس درس کو جس طرح دعا سے شروع کیا تھا اسی طرح دعا پر ختم کرے کیونکہ اب وہ قبولیت کا زیادہ حقدار اور قریب ہے۔ اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے طلبہ کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ رکھا ہے اور انھیں اپنے ثواب کے لئے مخصوص کرلیا ہے۔ معلم اور طلبہ کو یہ چاہئے کہ اپنی دعاؤں میں ائمہ راشدین، علمائے سابقین اور بالعموم مسلمانوں کو شامل رکھیں اور یہ کہ ان کے تمام اعمال خالصۃً لوجہ اللہ ہوں اور اس کی رضامندی و خوشنودی سے قریب لے جانے والے ہوں۔

۲۸) طلاب کے اٹھنے کے بعد تھوڑی دیر ٹھہرنا

معلم پر لازم ہے کہ حاضرین کے اٹھ جانے کے بعد تھوڑی دیر اپنی جگہ پر موجود رہے اس لئے کہ اس میں معلم اور طلبہ دونوں کے لئے فوائد اور آداب مضمر ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہے:

۱) اگر کسی کے ذہن میں سوال کا کوئی حصہ بچ رہا ہے تو درس کے اختتام کے بعد اس فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے وہ استاد سے دریافت کرسکتا ہے۔

۲) اگر کسی طالب علم کو استاد سے کوئی کام ہو اور وہ درس کے ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا تو یہ موقع اس کے لئے غنیمت ہوگا کہ وہ اپنی بات استاد سے کہے۔

۳) معلم جب طلبہ کے بعد روانہ ہوگا تو اسے بھیڑ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور تکلفات کی زحمت ختم

ہو جائے گی جو پہلے نکلنے کی صورت میں سامنے آتی اور اس کے آگے جانے میں یہ قباحت ہے کہ پیچھے چلنے والے طلبہ کے جوتوں کی آواز کہیں معلم کے دل میں عجب وخود پسندی پیدا نہ کردے جو بہت بڑے خطرے کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے۔

۴) اگر معلم کے پاس کوئی سواری ہو تو وہ ان کے درمیان سوار ہونے کی کوشش نہیں کرے گا۔ اس کے علاوہ بہت سے دیگر امور۔

۲۹) طلاب کو مرتب اور منظم رکھنے کے لئے ایک چالاک ناظر مقرر کرنا

معلم کو چاہئے کہ طلبہ کے لئے کسی ایسے شخص کو ناظر مقرر کرے جو ذہین اور چاق و چوبند ہو جو حاضرین درس کو ان کے درجات کے اعتبار سے ان کی جگہوں پر بٹھائے، سونے والوں کو جگائے، غافل کو ہشیار کرے اور انھیں مشورہ دے کہ کون سی بات مناسب ہے اور کون سا کام نامناسب ہے۔ وہ لوگوں سے کہے کہ درس کی سماعت پر توجہ دیں اور خاموشی سے سنیں۔ اسی طرح استاد ان کے لئے اپنا ایک نائب اور جانشین مقرر کرے جو جاہلوں کو علم سکھائے اور جو لوگ معلم کے درس کو دوبارہ پڑھنا چاہتے ہوں انھیں اس درس سے آگاہ کرے اور جو لوگ عالم سے سوال کرنے اور مسائل دریافت کرنے یا درس لینے سے شرماتے ہوں وہ ان کے لئے تمام چیزیں مہیا کرے۔ اس سے عالم کے وقت کی بچت بھی ہوگی اور طالب علموں کے منافع اور مصالح بھی پورے ہو جائیں گے۔

۳۰) کلاس سے جاتے وقت ماثور دعا پڑھنا

معلم جب مجلس درس سے اٹھے تو کہے "سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِکَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوبُ اِلَیْکَ"

"اے اللہ تو پاک و پاکیزہ اور لائق حمد و ستائش ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔ میں تجھی سے طلب مغفرت کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔"

﴿سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِینَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِینَ﴾(۱)

۱۔ الصافات/۱۸۰۔۱۸۲۔

’’آپ کا پروردگار جو مالک عزت ہے ان کے بیانات سے پاک وپاکیزہ ہے اور ہمارا سلام تمام مرسلین پر ہو۔اور ساری تعریف اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔‘‘

اس چیز کو بعض علماء نے سنت نبوی کے عنوان سے نقل کیا ہے۔(۱) اور بعض روایات میں آیا ہے کہ سورۂ صافات کی یہ تین آیتیں نشست کا کفارہ ہیں۔(۲)

جس طرح ان کی تلاوت کرنا عالم کے لئے مستحب ہے اسی طرح ہر شریک درس وجلسہ کے لئے جو جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہے یہ امر استحباب رکھتا ہے۔لیکن عالم کے حق میں اس کی زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

۱۔ کتاب من لا یحضرہ الفقیہ، ج/۳،ص/ ۲۳۸، الجامع الصغیر، ج/۲،ص/۱۱۲

۲۔ الکافی، ج /۲،ص/ ۴۹۶، کتاب من لا یحضرہ الفقیہ، ج /۳،ص/ ۲۳۸، مجمع البیان، ج /۸،ص/۴۶۲، بحار الانوار، ج /۷۲،ص/ ۴۶۸

دوسرا باب

کتابت اور کتابوں کے بارے میں

اس میں کچھ مسائل ہیں:

۱) لکھنے کی طرف رغبت دلانا

بہت سی احادیث میں کتابت کی تشویق کی گئی ہے اور کتابت کرنے پر بے انتہا ثواب کا وعدہ بھی کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا: ''قَیِّدُوا الْعِلْمَ'' ''تم علم کو مقید کرلو'' سوال کیا گیا'' ''وَمَا تَقْیِیْدُہٗ'' ''اس کو قید کرنے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ''کِتَابَتُہٗ'' ''اس کو تحریری شکل میں لانا۔ (۱)

روایت ہے کہ انصار میں سے ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا کرتا اور آپؐ سے حدیثیں سنا کرتا تھا وہ اسے پسند آتی تھیں لیکن اسے یاد نہیں ہوتی تھیں۔ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کی شکایت کی تو آنحضرتؐ نے فرمایا: ''اِسْتَعِنْ بِیَمِیْنِکَ اَوْمَأَ بِیَدِہٖ اَیْ خَطَّ'' (۲) ''تم اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لو'' اور اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا یعنی لکھ لو۔

حضرت امام حسن بن علی علیہما السلام سے مروی ہے کہ آپ نے اپنی اور اپنے بھائی کی اولاد کو بلوایا اور فرمایا: ''اِنَّکُمْ صِغَارُ قَوْمٍ وَیُوْشِکُ اَنْ تَکُوْنُوا کِبَارَ قَوْمٍ آخَرِیْنَ فَتَعَلَّمُوا الْعِلْمَ فَمَنْ لَمْ

۱۔ مجمع الزوائد، ج/۱، ص/۱۹۶

۲۔ سنن ترمذی، ج/۵، ص/۳۹

یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ اَنْ یَحْفَظَهُ فَلْیَکْتُبْهُ "(۱) "تم سب قوم کے خردسال فرزند ہو اور وہ وقت دور نہیں کہ تم دوسری قوم کے لئے بزرگوں میں شمار کئے جاؤ۔ تم پر لازم ہے کہ تم علم (حدیث) حاصل کرو پس اگر تم میں سے کوئی اسے یاد کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ انھیں لکھ لے۔"

ابو بصیر سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

"اُکْتُبُوا فَاِنَّکُمْ لَا تَحْفَظُوْنَ حَتّٰی تَکْتُبُوْا"(۲)

"تم احادیث کو لکھ لو اس لئے کہ جب تک لکھو گے نہیں تم انھیں یاد نہ کر پاؤ گے۔"

اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

"اَلْقَلْبُ یَتَّکِلُ عَلَی الْکِتَابَةِ"(۳)

"دل کتابت پر اعتماد کرتا ہے۔"

عبید بن زرارہ سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"اِحْتَفِظُوْا بِکُتُبِکُمْ فَاِنَّکُمْ سَوْفَ تَحْتَاجُوْنَ اِلَیْهَا"(۴)

"تم اپنی کتابوں کی حفاظت کرو (یعنی انھیں لکھ کر محفوظ کر لو) کیونکہ عنقریب تمھیں ان کی ضرورت پڑے گی۔"

مفضل بن عمر سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"اُکْتُبْ وَبُثَّ عِلْمَکَ فِی اِخْوَانِکَ فَاِنْ مِتَّ فَاَوْرِثْ کُتُبَکَ بَنِیْکَ فَاِنَّهُ یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانُ هَرْجٍ لَا یَاْنِسُوْنَ فِیْهِ اِلَّا بِکُتُبِهِمْ"(۵)

"تم لکھو اور لکھ کر اپنے بھائیوں تک علم پھیلاؤ اس لئے کہ تمھاری موت کے بعد تم اپنی اولاد کو اپنی کتابیں بطور وراثت چھوڑ کر جاؤ گے کیونکہ لوگوں پر خانہ جنگی کا ایک ایسا دور آئے گا جس میں وہ سوائے اپنی کتابوں کے کسی اور چیز سے مانوس نہ ہوں گے۔"

شیخ صدوقؒ نے اپنی امالی میں اپنی سند سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: "اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا مَاتَ وَ تَرَکَ وَرَقَةً وَاحِدَةً عَلَیْهَا عِلْمٌ کَانَتِ الْوَرَقَةُ

۱۔ سنن دارمی، ج/۱، ص/۱۳۰
۲۔ الکافی، ج/۱، ص/۵۲
۳۔ الکافی، ج/۱، ص/۵۲
۴۔ الکافی، ج/۱، ص/۵۲
۵۔ الکافی، ج/۱، ص/۵۲

سِتْرًا بَیْنَهُ وَ بَیْنَ النَّارِ وَ اَعْطَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰی لِکُلِّ حَرْفٍ مَدِیْنَةً اَوْسَعَ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا وَ مَنْ جَلَسَ عِنْدَ الْعَالِمِ سَاعَةً نَادَاهُ الْمَلَکُ جَلَسْتَ اِلٰی عَبْدِیْ وَ عِزَّتِیْ وَ جَلَالِیْ لَاُسْکِنَنَّکَ الْجَنَّةَ مَعَهُ وَلَا اُبَالِیْ"(۱)

مومن اگر مرتے وقت ایک ورق چھوڑ کر مرتا ہے جس میں علم کی باتیں تحریر ہوں تو وہ ورق اس کے اور جہنم کے درمیان پردہ بن جائے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اسے ہر حرف کے عوض دنیا اور مافیہا سے زیادہ وسیع ایک شہر عطا فرمائے گا اور جو شخص کسی عالم کے پاس ایک گھنٹہ بیٹھتا ہے تو (خدا کی جانب سے ایک) فرشتہ اسے پکار کر کہتا ہے: تم میرے بندے کے ساتھ بیٹھے تھے مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم میں تمھیں اس کے ساتھ جنت میں رہائش فراہم کروں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔

۲) لکھنے میں خلوص نیت ایک ضروری امر

کاتب کا فرض ہے کہ کتابت کرتے وقت اپنی نیت کو اللہ کے لئے خالص کرلے۔ جس طرح حصولِ علم کے لئے اخلاص لازم ہے۔ اس لئے کہ کتابت عبادت ہے اور اس کا تعلق طلب علم اور حفاظت علم سے ہی ہے۔ اگر کتابت دنیوی منفعت کے لئے ہو اس سے خداوند عالم کے علاوہ کسی اور کا قصد ہو تو اس کی مثال ایسے علم جیسی ہے کہ اگر اسے خالصۃً لوجہ اللہ حاصل نہ کیا جائے تو نگاہ قدرت میں پسندیدہ نہیں ہے اور اس کی مذمت اور ملامت کے بارے میں پہلے جو ذکر ہو چکا ہے وہی کافی ہے۔

اس کے اس عمل سے خیر وشر میں اضافہ ہوگا کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے وہ کچھ تحریر کر رہا ہے جو قیامت کے دن اس کے حق میں حجت یا اس کے خلاف برہان ہوگا۔ اسے چاہئے کہ وہ دیکھے کہ کیا تحریر کر رہا ہے اور خیر وشر سے متعلق کون سے مطالب اس کی تحریر سے معرض وجود میں آرہے ہیں۔ وہ سنت کی باتیں لکھ رہا ہے یا بدعت سے متعلق تحریر ہے جس پر اس کی زندگی اور اس کی موت کے بعد ایک طویل عرصے تک عمل کیا جاتا رہے گا۔ لہٰذا اس سے جو فائدہ حاصل کرے یہ کاتب اس کے اجر میں شریک ہوگا یا اس سے جو گناہ ملے گا اس میں بھی اس کی شراکت ہوگی۔ کاتب کو لکھتے وقت یہ غور کرنا چاہئے کہ وہ کون سا سبب مہیا کر رہا ہے۔

اس طرح اس بات کا پتہ بھی چل جاتا ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر کتابت کا ثواب علم کے ثواب سے بڑھ جاتا ہے کیونکہ اس کا فائدہ زیادہ اور دائمی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے حدیث میں آتا

۱۔ امالی شیخ صدوق، ص/۴۰ قدرے اختلاف کے ساتھ

ہے علماء کے قلم کی سیاہی شہیدوں کے خون سے افضل ہے: ''مِدَادُ الْعُلَمَاءِ اَفْضَلُ مِنْ دِمَاءِ الشُّهَدَاءِ''(۱)

۳) ضروری کتابوں کو مہیا کرنا

طالب علم کے لئے یہ لازمی ہے کہ اسے علوم نافعہ میں سے جن کتابوں کی ضرورت ہو انھیں بقدر امکان حاصل کرنے کی کوشش کرے خواہ کتابت کے ذریعہ یا کسی سے خرید کر ورنہ کرایہ پر یا بطور امانت اس لئے کہ کتاب حصول علم کا آلہ (ذریعہ) ہے۔

طالب علم کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ کتابوں کے حصول، اس کی جمع آوری اور اس کی کثرت کو ہی علم وفہم سمجھ لے بلکہ اس کے باوجود بھی وہ جد وجہد اور سعی وعمل کرتا رہے اور علماء واساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتا رہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اِذَا لَمْ تَکُنْ حَافِظاً وَاعِیاً فَجَمْعُکَ لِلْکُتُبِ لَا یَنْفَعُ

''اگر تم یاد کرنے والے اور محفوظ رکھنے والے نہیں ہو تو کتابوں کی جمع آوری تمھارے لئے سودمند نہیں ہے۔

۴) کتابیں عاریت پر دینا مستحب ہے

ایسے شخص کو بطور عاریت کتاب دنیا مستحب ہے جسے کتاب دینے میں کسی ضرر کا امکان نہ ہو اور کتاب دینے والے کا بھی کوئی نقصان نہ۔ کتابوں کو عاریۃً مہیا کرنا سنت موکدہ ہے اس لئے کہ اس سے علم میں معاونت، خیر میں مدد اور بر و تقویٰ کے کاموں میں کمک ملتی ہے۔ بلکہ مطلقاً عاریت دینے کی فضیلت اور اجر ثابت ہے ایک بزرگ کا قول ہے: ''بَرَکَةُ الْعِلْمِ اِعَارَةُ الْکُتُبِ'' ''کتابیں عاریۃً مہیا کرنے سے علم میں برکت ہوتی ہے اور دوسرے نے کہا ہے:

''مَنْ بَخِلَ بِالْعِلْمِ اُبْتُلِیَ بِاِحْدَیٰ ثَلاثٍ اَنْ یَنْسَاهُ، اَوْ یَمُوتَ فَلَا یَنْتَفِعُ بِهِ اَوْ تَذْهَبَ کُتُبُهُ''

''جو علم میں کنجوسی سے کام لیتا ہے وہ تین باتوں میں سے کسی ایک میں مبتلا ہو جاتا ہے:

۱۔ بحار الانوار، ج/۲، ص/۱۴.

۱)اس علم کوفراموش کر دیتا ہے

۲)مر جاتا ہے اور علم سے فائدہ حاصل نہیں کر پاتا ہے

۳)یا یہ کہ اس کی کتابیں اس کے پاس باقی نہیں رہتیں

جو شخص کسی سے عاریۃً کتابیں لیتا ہے اس پر لازم ہے کہ کتابیں عاریت دینے والے کا شکریہ ادا کرے اور اسے جزائے خیر دے۔

۵) عاریتی کتابوں کی حفاظت کرنا

اگر کوئی شخص عاریۃً کتاب لے تو اس پر اسے ضائع اور خراب ہونے سے بچانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ وہ نہ تو اس کتاب کو واپس دینے سے انکار کرے اور نہ ہی زیادہ عرصے تک اپنے پاس رکھے۔ جب اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو کتاب کو واپس کر دے اور جب کتاب کی ضرورت باقی نہ ہو تو اسے اپنے پاس روکے نہ رکھے۔ تا کہ کتاب کا مالک اس کتاب سے فائدہ حاصل کرنے سے محروم نہ رہے۔ یہ اس سے فائدہ حاصل کرنے میں سستی سے کام نہ لے۔ مالک کتاب کسی دوسرے شخص کو عاریۃً کتاب دینے سے منع نہ کرے۔ جب مالک کتاب اسے واپس طلب کرے تو اس کے بعد کتاب کو روکے رکھنا حرام ہے اور لینے والا کتاب کا ضامن ہے۔

٦) عاریتی کتابوں کی مرمت کرنا جائز نہیں

جسے عاریۃً کتاب دی گئی ہے یا جس نے اجرت پر کتاب حاصل کی ہے اسے اجازت نہیں ہے کہ دوسرے کی کتاب کو مالک کی اجازت کے بغیر درست کرے۔ اس میں کسی قسم کی اصلاح کرے اور نہ ہی اس میں حاشیہ لگائے اور نہ ہی کتاب کے شروع اور آخر کے خالی صفحات پر کچھ تحریر کرے مگر یہ کہ مالک کتاب اس بات پر راضی ہو۔ نہ ہی اس کتاب کی نقل بنائے اور نہ ہی کسی اور کو بطور عاریت دے اور نہ ہی بلا ضرورت اسے کسی کے پاس امانت رکھے خواہ کہ شرعاً اس کی اجازت بھی ہو اور نہ ہی مالک کی اجازت کے بغیر اس کتاب سے کچھ نقل کرے اس لئے کہ کتاب سے کچھ لکھنا، مطالعہ کے فائدے سے زیادہ افادیت کا باعث ہوتا ہے اور یہ کام مشکل ہوتا ہے۔ اگر کتاب کو اس لئے وقف کیا گیا ہے کہ اس سے ہر طرح کا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں تو پھر کتاب کے روکے رکھنے احتیاط کے ساتھ اس میں سے کچھ تحریر کرنے اور اس سے فائدہ حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اگر ناظر کتاب یا جسے ناظر کی جانب سے اجازت مل چکی ہو اگر وہ اہلیت و صلاحیت رکھتا ہے تو کتاب کی غلطیوں کی اصلاح کر سکتا ہے۔ بلکہ ایسا کرنا اس پر واجب ولازم ہے پس اگر ناظر خاص موجود نہ ہو تو حاکم شرعی کو اس میں نظر کرنی چاہئے اگر وہ مالک کتاب یا ناظر کی اجازت سے کتاب سے کچھ نقل کر کے لکھنا چاہتا ہے تو کاغذ کتاب کے اندر رکھ کر نقل نہ کرے اور کتاب کے اوپر دوات نہ رکھے اور نہ ہی کتاب کے اوپر سے قلم کو گذارے یعنی اس پر لکیر کھینچے۔

بطور خلاصہ عرف عام میں جسے کوتاہی کہتے ہیں اس سے کتاب کو بچانا ضروری ہے. جس طرح انسان اپنی ذاتی کتاب کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ اس سے زیادہ حفاظت کی حقدار ہے۔ ذاتی کتاب میں جس بات کی اجازت ہے عاریۃً لی ہوئی کتاب میں وہ جائز نہیں ہے خصوصاً اس کے لئے جو کتابوں کی حفاظت کی پرواہ کرتا ہو۔ اس لئے کہ اکثر لوگ ایسے ہیں جن کی بے توجہی کے باعث کتابوں کی حفاظت سے غفلت برتی جاتی ہے اور یہ امر بطور عاریت وامانت لی گئی کتاب کے لئے کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

۷) کتاب کی حفاظت کرنے کے آداب

جب کتاب سے کچھ نقل کرے یا اس کا مطالعہ کرے تو کتاب کو زمین پر کھلا ہوا نہ رکھے بلکہ معمول کے مطابق اسے دو کتابوں کے درمیان یا میز پر رکھے تاکہ اس کا شیرازہ بکھرنے نہ پائے اور اس کا ورق اور جلد خراب نہ ہو پائے۔

جب کتابوں کو قطار میں رکھنا چاہے تو میز کے اوپر رکھے یا ان کے نیچے لکڑی ہو یا الماری ہو یا اسی طرح کی کوئی اور چیز ہو۔

کتابوں کو رکھتے وقت علوم، ان کی فضیلت اور ان کے مصنفین کی افضلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ادب کو ملحوظ رکھا جائے۔ جو اشرف ہیں انھیں اوپر رکھا جائے پھر بتدریج کتابیں رکھی جائیں اگر ان کتابوں میں قرآن مجید بھی ہو تو اسے تمام کتابوں کے اوپر رکھا جائے اور بہتر یہ ہے کہ جزدان میں رکھ کر صدر مجلس میں رکھا جائے۔ دیگر کتب کو اس ترتیب سے رکھا جائے: کتب احادیث، تفسیر قرآن پھر تفسیر حدیث پھر اصول دین پھر اصول فقہ پھر فقہ پھر عربی نحو وصرف۔ بڑی تقطیع کی کتابیں چھوٹی تقطیع کی کتابوں پر نہ رکھی جائیں کیونکہ اس طرح کتابیں اکثر گر جاتی ہیں اور کتاب کے درمیان نشانات اور جلد کا بقایا حصہ نہ رکھا جائے اس سے کتاب جلدی پھٹ جاتی اور خراب ہو جاتی ہے۔

کتاب کی حفاظت کے لئے اس کے اوپر کاغذات وغیرہ کا انبار نہ لگایا جائے اور نہ اسے تکیہ بنایا جائے، نہ ہی اس سے پنکھے کا کام لیا جائے۔ نہ اسے جھاڑو بنایا جائے اور نہ ہی اس کا سہارا لیا جائے۔ نہ اس پر ٹیک لگائی جائے۔ نہ ہی اسے کیڑے مکوڑے مارنے کے لئے استعمال کیا جائے۔ ورق کے حاشیے یا کناروں کو موڑا نہ جائے۔ اس میں لکڑی یا کسی خشک شے سے نشانی نہ لگائی جائے۔ بلکہ نرم و نازک کاغذ وغیرہ نشانی کے لئے رکھا جائے۔

۸) کتاب عاریت لیتے یا خریدتے وقت اسے غور سے دیکھنا

جب کوئی شخص عاریۃً کتاب لے تو اس پر لازم ہے کہ لیتے اور واپس کرتے وقت اچھی طرح چھان بین کر لے۔ اگر کوئی کتاب خریدے تو اس کے آغاز انجام اور درمیانی حصے کو اچھی طرح دیکھ بھال لے۔ اس کے ابواب کی ترتیب اور اجزاء کو اچھی طرح دیکھے اور کتاب کی ورق گردانی کر کے اس کے درست ہونے کا اندازہ لگالے۔

۹) بعض اہم جملوں کی کتابت

اگر کوئی دینی کتاب تحریر کرنا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ باطہارت ہو، قبلہ رخ ہو، اس کا جسم، اس کے کپڑے، سیاہی اور کاغذ سب پاک ہوں اور کتاب کا آغاز ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' اور ''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ وَآلِہٖ'' سے کرنا چاہئے۔ جس کتاب سے نقل کر رہا ہے اگر اس کے مصنف نے نہ لکھا ہو پھر بھی یہ لکھے اور جو کچھ تحریر کر رہا ہے اگر وہ مصنف کا کلام نہ ہو تو اسے واضح کرے اس طرح کہ تحریر کے بعد کہے ''مصنف یا استاد نے فرمایا ہے'' وغیرہ۔

اسی طرح کتاب کو الحمد للہ اور درود و سلام پر ختم کرے جب وہ یہ لکھ چکے کہ ''یہ فلاں آخری جزو ہے اور اس کے بعد یہ آرہا ہے'' اور اگر کتاب مکمل نہ ہوئی تو مکمل ہونے کے بعد لکھے ''فلاں کتاب'' یا ''فلاں جزو تکمیل کو پہنچا'' یا یہ کہ ''کتاب مکمل ہوگئی'' یا اسی قسم کے دیگر جملے ان جملوں کو لکھنے کے بہت سے فائدے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کا نام تحریر کرے تو تعظیم کے ساتھ لکھے جیسے لفظ ''تَعَالٰی'' یا ''سُبۡحَانَہٗ'' یا ''عَزَّوَجَلَّ'' یا ''تَقَدَّسَ'' یا اسی قبیل کا کوئی دوسرا لفظ استعمال کرے اور اسے زبان سے بھی ادا کرے۔

جب کبھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی تحریر کرے تو اس کے بعد الصلاة والسلام علیه علی و آله لکھے اور زبان سے بھی درود وسلام بھیجے۔

اور کتاب میں صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کو مختصر کر کے نہ لکھے اور اگر سطر میں آنحضرت کا اسم گرامی بار بار آئے تو صلیٰ الله علیه و آله وسلم کے بار بار لکھنے پر اکتاہٹ محسوس نہ کرے جیسا کہ کچھ محروم اور دین سے منحرف افراد اپنی کتابوں میں ''صلعم'' یا ''صلم'' یا ''صیم'' لکھتے ہیں۔ یہ تمام الفاظ افضیلت اور نص کے خلاف ہیں بلکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے ''صلعم'' لکھا اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔(۱)

اگر کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کامل نام نہیں لکھے گا تو کم از کم اس کے تحریر کرنے کا جو ثواب ملتا وہ اس سے محروم رہے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث میں وارد ہوا ہے: ''مَنْ صَلَّی عَلَیَّ فِی كِتَابٍ لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تَسْتَغْفِرُ لَهُ مَادَامَ اسْمِیْ فِی ذٰلِكَ الْكِتَابِ''(۲)

''جو شخص کتاب میں درود لکھے اور مجھ پر درود بھیجے تو جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے گا فرشتے اس شخص کے لئے طلب مغفرت کرتے رہیں گے۔''

اور جب کسی صحابہ کا ذکر بالخصوص اکابرین کا ذکر ہو تو چاہئے کہ ''رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ'' یا ''رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَیْهِ'' لکھے یا بزرگوں میں کسی مشہور شخصیت کا ذکر کرے تو ''رَحِمَهُ اللّٰهُ'' یا ''تَغَمَّدَهُ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهِ'' یا اسی طرح کا کوئی جملہ تحریر کرے اور عادت یہ بن چکی ہے کہ انبیاء کے لئے صلاۃ وسلام لکھتے ہیں تو لازم ہے کہ ائمہ کرام علیہم السلام کے لئے ''علیہ السلام'' لکھا جائے بلکہ اس کے علاوہ دوسرے کلمات لکھنا بھی جائز قرار دیا گیا ہے بلکہ ہر مومن پر درود بھیجنا جائز ہے جیسا کہ قرآن وحدیث سے رہنمائی ملتی ہے۔

مدح وثنا کے بارے میں بتایا گیا ہے اسے بھی تحریر کرے اس لئے کہ یہ دعا ہے جو کر رہا ہے کلام نہیں کہ ہے جس کی روایت کر رہا ہے۔ اس میں کسی روایت کی قید نہیں ہے اور نہ ہی مصنف کی جانب سے اس کا ثابت ہونا ضروری ہے بلکہ اصل کتاب سے نقل کر رہا ہے یا جہاں سے سنا ہے۔ اگر اس میں یہ چیزیں موجود نہ رہی ہوں پھر بھی انھیں تحریر میں لائے اور اگر کوئی ایسی چیز دستیاب ہو جس کے بارے میں روایات موجود ہیں اور وہ تصنیف میں بھی مذکور ہیں تو اسے باقی رکھنا اور لکھنا زیادہ ضروری ہے یہی امر راجح اور زیادہ

۱۔ تدریب الراوی، ج/۲، ص/۷۷۔ ۲۔ مجمع الزوائد، ج/۱، ص/۱۳۶۔

پسندیدہ ہے اور بعض علماء کا خیال ہے کہ ان سب چیزوں کو کتابت سے ختم کر دینا چاہئے۔ البتہ انھیں زبان پر جاری کرنا ضروری ہے اور یہ امر لازم وضروری ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر درود وسلام آیت (۱) کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے بھیجا جائے اور اگر صرف درود پر ہی اکتفا کیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

کتابت میں مضاف اور مضاف الیہ کو جدا جدا لکھنے کو ناپسند قرار دیا گیا ہے جیسے ''عبداللہ'' یا ''رسول اللہ'' میں ''عبد'' یا ''رسول'' سطر کے آخر میں اللہ کا لفظ سطر کے آغاز میں لکھا جائے کیونکہ کہ اس سے بد صورتی ظاہر ہوتی ہے اور اس کا نام ''کراہت تنزیہی'' ہے۔

اس سے نبی اکرم ﷺ اور اسمائے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ملحق ہوتے ہیں جس سے عبارت میں خلل واقع ہوتا ہے جیسے ان کا قول ''سَابُّ النَّبِیِّ کَافِر'' (نبی کو گالی دینے والا کافر ہے) اب اگر ''سابُّ'' سطر کے آخر اور ''النبی کافر'' دوسری سطر کے شروع میں لکھا جائے تو معنوی اعتبار سے اس میں بہت بڑی قباحت ہے۔ یہ کراہت صرف مضاف اور مضاف الیہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی دو لفظوں میں نامناسب فاصلہ قبیح ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں نے لفظ کے کچھ حروف سطر کے آخر میں اور کچھ کو سطر کے اول میں ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

۱۰) تحریر

جو حصول علم میں مشغول ہو اسے تحریر کے نہایت عمدہ اور خوبصورت ہونے کا اہتمام نہیں کرنا چاہئے بلکہ تحریر کی درستی اور صحت کی جانب توجہ مبذول کرنی چاہئے اور خط ''تعلیق'' سے پرہیز کرے اور تعلیق کا مفہوم ہے کہ جن حروف کو علیٰ حدہ علیٰ حدہ لکھنا چاہئے انھیں باہم پیوست کر دینا اور ''مشق'' سے بھی بچنا چاہئے مشق کے معنی ہیں بکھرے ہوئے حروف کے ساتھ تیزی سے کتابت کرنا کسی نے کہا: ''وَزْنُ الْخَطِّ وَزْنُ الْقِرَائَةِ اَبْیَنُھَا وَاَجْوَدُ الْخَطِّ اَبْیَنُہٗ'' ''خط کا معیار ومقیاس قرائت سے ملتا جلتا ہے بہترین قرائت وہ ہوتی ہے جو واضح اور سمجھ میں آتی ہو اسی طرح بہترین خط وہ ہوتا ہے جو واضح ہو اور پڑھا جا سکے۔

باریک کتابت سے اجتناب کرنا چاہئے اس لئے کہ اس سے فائدہ اٹھانا مشکل ہے یا جس کی نظر کمزور

۱۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا﴾ (سورۂ احزاب/۵۶)

ہے وہ اس سے مکمل فائدہ حاصل نہیں کر سکتا بلکہ بعد میں خود کاتب کی نظر بھی کمزور ہو جائے گی اور وہ خود بھی اس سے فائدہ حاصل نہیں کر پائے گا۔

مناسب ہے کہ کتاب کا دیباچہ، ابواب، فصول اور اس قبیل کے موضوعات سرخ روشنائی سے لکھے جائیں اس لئے کہ وہ بیان میں زیادہ واضح ہوتے ہیں اور کلام کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔ اگر متن کے ساتھ اس کی شرح بھی تحریر کی جائے تو متن کی کتابت سرخ روشنائی سے کی جائے یا یہ کہ ایک لمبا خط کھینچ دیا جائے جس سے اس کا علیحدہ ہونا واضح ہو جائے۔

۱۱) مکتوب کو اصل کتاب سے ملانا

جب کتابت مکمل کر چکے تو اصل کتاب سے اس کا مقابلہ کرے یعنی ملا کر دیکھے کہ کوئی بات لکھنے سے رہ تو نہیں گئی ہے۔ ایک بزرگ نے اپنے بیٹے سے کہا: تم نے کتابت مکمل کر لی؟ اس نے جواب دیا: ہاں۔ تو فرمایا: کیا تم نے اسے اصل کتاب سے مطابق کر لیا؟ اس نے کہا: نہیں۔ تو انھوں نے کہا: پھر تم نے اسے لکھا ہی نہیں۔ اخفش نے کہا: ”اِذَا نُسِخَ الْكِتَابُ وَلَمْ يُعَارَضْ ثُمَّ يُنْسَخُ وَلَمْ يُعَارَضْ خَرَجَ اَعْجَمِيًّا“، ”اگر کتاب تحریر کی جائے اور اسے اصل سے نہ ملایا جائے پھر لکھا جائے اور اصل سے مطابقت نہ دی جائے تو وہ کتاب غیر واضح قرار پائے گی۔

۱۲) کتاب میں لازمی مقامات کی نشاندہی

جب مقابلہ کر کے کتاب کی تصحیح کر رہا ہے تو مناسب ہے کہ جہاں ضروری ہو وہاں پر اعراب لگائے، حروف تہجی پر نقطے لگائے، عبارت پر اعراب لگائے اور جو مشتبہ الفاظ ہیں ان کے اعراب کا خاص خیال رکھے جہاں پڑھنے یا لکھنے میں غلطی ہو سکتی ہے ان مقامات کی اچھی طرح چھان بین کرے۔

جو لفظ بغیر نقطے اور اعراب کے سمجھ میں آتے ہیں ان پر نقطہ لگانا اور اعراب لگانا ضروری نہیں ہے اس لئے کہ اس کے علاوہ دوسرے امور کی جانب توجہ دینا زیادہ بہتر ہو گی۔ کیونکہ یہ کوشش تھکا دینے والی اور بے سود ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ”اِعْرِبُوْا حَدِيْثَنَا فَاِنَّا قَوْمٌ فُصَحَاءُ“ (۱)
”تم ہماری حدیثوں پر اعراب لگاؤ اس لئے ہم فصیح قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔“

۱۔ الکافی، ج/۱، ص/۵۲۔

سب سے اہم چیز ایسی عبارت پر اعراب لگانا ہے جو اختلاف معنی کا سبب بن سکتی ہے جیسے حدیث ''ذَکَاۃُ الْجَنِینِ ذَکَاۃُ اُمِّہِ ''(۱) گوسفند کے شکم میں جو بچہ ہے اس کی طہارت ماں کی طہارت پر موقوف ہے۔اسی طرح ناموں کو صحیح اعراب کے ساتھ لکھا جائے اس لئے کہ وہ سماعی ہوتے ہیں۔

اگر ضرورت محسوس کرے تو حاشیہ میں اس کے مقابل میں اس کے اعراب کو تحریر کردے اس لئے کہ اس طرح التباس سے دوری ہو جائے گی بالخصوص جب خط باریک ہو اور سطریں تنگ ہوں۔

حواشی کی کتابت اور فوائد اور اہم تنبیہات جو غلطیوں کی نشان دہی کریں یا اختلاف روایت کو واضح کریں یا کتاب کے کسی خاص نسخہ کی نشان دہی کریں اور اسی قسم کی باتیں، ان کتابوں کے حاشیوں پر لکھنا جو اس کی ملکیت میں ہوں کوئی ممانعت نہیں رکھتا اور اگر وہ کتاب اس کی ملکیت میں نہ ہو تو اجازت لے کر اس پر لکھ سکتا ہے۔اسے صرف انہی فوائد کو تحریر کرنے کی اجازت ہے جو اہم ہوں اور اس مقام سے مناسبت رکھتے ہوں۔ بے جا مباحث اور بے ربط باتوں کو تحریر کرنے سے دوری کرے جیسا کہ اس دور کے بعض غافل افراد اس قسم کی حرکتیں کر رہے ہیں۔جنھیں علماء کی اصطلاحات سے واقفیت حاصل نہیں ہے انھوں نے اکثر کتابوں کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔

یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ دو سطروں کے درمیان کوئی عبارت تحریر کی جائے۔اللہ توفیق کا فراہم کرنے والا ہے۔

۱۔کتاب من لا یحضرہ الفقیہ، ج/۳،ص/۲۰۹.

تیسرا باب

مناظرے کے بارے میں

پہلی فصل: مناظرے کے آداب وشرائط

دوسری فصل: مناظرے کے آفات وخطرات

مقدمہ

جان لو کہ مناظرہ احکام دین میں سے ہے جس کا تعلق دین سے ہے لیکن مناظرے کے کچھ شرائط اور آداب ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مناظرہ صرف اللہ کے لیے ہو اوران چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے ہو جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق ہیں۔ اس میں بے شمار خطرات اور آفات ہیں۔ ہم مناظرے کے بارے میں دو فصلوں میں بحث کریں گے۔

پہلی فصل

مناظرے کے شرائط اور آداب

پہلی شرط: مقصد؛ حق تک رسائی اور اظہار حق

مناظرے کی غرض حق تک رسائی اور حق کا ظاہر ہونا ہو جس طرح بھی ممکن ہو، نہ کہ اپنے آپ کو درست ثابت کرنا۔ اپنی علمیت کا رعب قائم کرنا اور اپنے نظریے کو ثابت کرنا ہو کیونکہ اسے بحث ومباحثہ کہتے ہیں اور تم جانتے ہو کہ اس میں کتنی برائیاں ہیں اور اس کی کس قدر شدید ممانعت کی گئی ہے۔

اور اس مقصد کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ مناظرہ نہ کرے مگر اس وقت جب اثر ہونے کی امید ہو اب اگر وہ جانتا ہو کہ مناظرہ کرنے والا حق کو قبول نہیں کرے گا اور وہ اپنی رائے سے واپس نہیں لوٹے گا اور جب اس پر اس مناظر کی غلطی واضح ہو جائے تو ایسے شخص سے مناظرہ کرنا جائز نہیں ہے کیوں یہ آفتوں کو جنم دے گا اور جس مقصد کے حصول کے لیے مناظرہ کیا جارہا ہے وہ پورا نہیں ہوگا۔

دوسری شرط: خلوت میں ہو

مناظرہ اگر خلوت میں کیا جائے تو یہ محفل اور صدر مجلس میں کیے جانے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس لیے کہ یہ مقصد کو مجتمع رکھتا ہے اور فکر کو صاف ستھرا رکھنے کے لیے زیادہ موزوں اور حق تک رسائی کے لیے

زیادہ سود مند ہے۔اور مناظرہ عوام کی موجودگی میں ریاکاری کے اسباب کو تقویت دیتا اور دوسرے کو لا جواب کرنے پر مائل کرتا ہے خواہ یہ باطل ہی پر کیوں نہ ہو۔

اور جو لوگ فاسد مقاصد اور غلط اہداف رکھتے ہیں وہ اکثر خلوت میں جواب دینے سے تساہلی اور سستی سے کام لیتے ہیں لیکن وہ محافل میں اپنے رقیبوں پر برتری دکھانے کے لے مسائل کا جواب دینے میں پیش پیش نظر آتے ہیں۔

تیسری شرط: گمشدہ کا متلاشی ہو

مناظر طلب حق میں ایسا ہو جیسے گم شدہ کو تلاش کر رہا ہے اور جب حقیقت کو پالے تو اسے شکر گزار ہونا چاہئے۔اور اس میں کوئی فرق نہ کرے کہ وہ بات خود اس کے ذریعہ سے ظاہر ہو یا کسی اور کے ذریعہ سے اپنے رفیق کو اپنا مددگار سمجھے نہ کہ اپنا دشمن اور جب وہ اس کی غلطی کی نشان دہی کرے اور اس پر حق کو واضح کردے تو اس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔اسی طرح اگر وہ گم شدہ کو پانے کے لیے کسی راستے کا انتخاب کرے اور کوئی دوسرا شخص اسے متنبہ کرے کہ وہ جس چیز کا متلاشی ہے وہ دوسرے راستے پر ہے اور حق مومن کا گم شدہ سرمایہ ہے اسے اسی طرح حاصل کرنا چاہئے۔اس کا حق ہے کہ اگر حق دشمن کی زبان پر جاری ہوا تو وہ اس بات پر خوش ہو اور اس کا شکر گزار ہو نہ کہ شرمندہ ہو اور غصہ کے مارے چہرہ سیاہ اور سرخ ہو جائے اور اپنی تمام تر کوشش و کاوش اس کے دفاع اور جہاد میں صرف کردے۔

چوتھی شرط: مددگار کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے

جو لوگ مناظرہ کرنے والے کے معین و مددگار ہوں انھیں ایک دلیل سے دوسری دلیل تک جانے اور ایک سوال سے دوسرے سوال تک منتقل ہونے سے منع نہ کرے بلکہ ایسے مواقع فراہم کرے کہ جو دلائل اس کے پاس ہیں وہ انھیں ظاہر کردے اور حق تک رسائی کے لیے۔جس چیز کی ضرورت ہو وہ کلام اس کی زبان سے جاری ہو جائے پس اگر کسی جملے میں یا بین السطور کوئی بات آئی ہو اگرچہ وہ اس بات سے غافل ہو اسے چاہئے کہ اس بات کو قبول کرلے اور شکر خدا بجالائے اصل غرض تو حق تک رسائی ہے۔ایسا کلام جو سنائی دے رہا ہے اگر اس سے مطلوب حاصل ہو جاتا ہے تو اسے قبول کرلینا چاہئے خواہ کہنے والا نظر نہ آرہا ہو۔

جہاں تک مناظر کے اس قول کا تعلق ہے: ''یہ مجھ پر لازم نہیں آتا تم اپنی پہلی بات پر قائم نہیں رہے اور تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہئے'' اور اسی طرح کے دیگر جملے مناظرین کے جھوٹ کا پلندہ اور افواہیں، بغض بغض وعناد اور راہ راست سے نکل جانے کا ذریعہ ہیں۔

تم اکثر مناظرے جو محافل ومجالس میں دیکھتے ہو وہ جنگ وجدال پر منتہی ہوتے ہیں۔ اعتراض کرنے والا دلیل طلب کرتا ہے اور دعویٰ کرنے والا دلیل جانتے ہوئے بھی دلیل دینے سے مکر جاتا ہے اور نشست کا اختتام اصرار اور انکار اور دشمنی پر ہوتا ہے اور یہ شریعت مطہرہ سے خیانت اور عین فساد ہے۔ اور از روئے قرآن جو اپنے علم کو چھپاتا ہے اس کی مذمت کی گئی ہے اور ایسا شخص اپنے علم کو ظاہر نہ کر کے اس زمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔

پانچویں شرط: عالم سے مناظرہ کرے

مناظرہ ان لوگوں کے ساتھ کرے جو مستقل علمی حیثیت کے مالک ہوں اس لئے کہ اگر وہ حق کا متلاشی ہے تو ایسے افراد سے اسے استفادہ کا موقع فراہم ہوگا اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ جلیل القدر علماء اور افاضل سے مناظرہ کرنے سے لوگ اجتناب واحتراز کرتے ہیں اس ڈر کی وجہ سے کہ کہیں حق ان کی زبان سے ظاہر نہ ہو جائے اور ان سے کم علم حضرات کی جانب رجوع کرتے ہیں اس مقصد کے پیش نظر کہ ان پر غلبہ حاصل کر کے باطل کو رواج دیں۔

دوسری فصل

مناظرہ کے آفات اور خطرات

اگر مناظرہ اس لیے کیا جارہا ہے کہ غلبہ حاصل کیا جائے، دوسروں کو خاموش کر دیا جائے، فخر ومباہات کیا جائے اور اپنے علم وفضل کے اظہار کا شوق پورا کیا جائے تو اس نوعیت کا مناظرہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ اخلاق کا منبع اور سرچشمہ ہے اور دشمنِ خدا ابلیس کے نزدیک وہ پسندیدہ ہے اور اس کا تعلق باطنی برائیوں سے ہے جیسے، خود پسندی، ریاکاری، حسد، مناقشہ، اپنے نفس کو پاکیزہ قرار دینا اور جاہ ومرتبہ کی محبت وغیرہ اور شراب کی نسبت ظاہری برائیوں سے ہے جیسے، زنا، قتل، تہمت لگانا جس طرح اگر کسی کو اختیار دیا جائے شراب پینے اور دیگر برائیوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرے تو وہ شراب کو معمولی سمجھتے ہوئے منتخب کر لے جو اسے دیگر فواحش کو ارتکاب کرنے کی دعوت دے گی۔ اسی طرح جس شخص کو دوسرے کو شکست دینے اور مناظرے میں غلبہ حاصل کرنے کی محبت غالب آجائے اور وہ جاہ ومنزلت اور فخر ومباہات حاصل کرنا چاہتا ہو تو یہ بات اسے دیگر تمام برائیوں کے اظہار کی جانب لے جائے گی تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مناظرے میں خطرات اور آفات ہیں جس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

ہم ان میں سے کچھ کا تذکرہ کرتے ہیں:

۱) حق سے روگردانی

حق سے روگردانی، اسے ناپسند کرنا اور اس کی مدافعت کی طمع جنگ وجدال کے ذریعہ یہاں تک کہ مناظرے کے لیے بدترین اشیاء میں سے یہ ہے کہ حق اس کے دشمن کی زبان سے ظاہر ہو جائے اور جب

بھی حق ظاہر ہوگا یہ جس طرح بھی اس پر قدرت حاصل کرے اس کا انکار کردے گا خواہ شبہے میں ڈال کر خواہ دھوکہ اور فریب کے ذریعہ اور مکر وحیلہ کے طریقے سے پھر جنگ وجدال اس کی عادت اور مزاج میں داخل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ جب بھی کوئی بات سنتا ہے تو اس کی جنگ وجدال والی طبیعت اسے اعتراض پر ابھار دیتی ہے تاکہ وہ اپنی فضیلت کو ظاہر کرسکے اور دشمن کو نیچا دکھا سکے خواہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو اس کا مقصد اپنے آپ کو نمایاں کرنا ہوتا ہے حق کو ظاہر کرنا نہیں ہوتا۔

اور اللہ تعالیٰ نے مساوی قرار دیا ہے اسے جو اللہ پر بہتان تراشی کرتا ہے اور اسے جو حق کو جھٹلاتا ہے ارشاد باری عزاسمہ ہے: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَائَهُ﴾ (عنکبوت/۶۸)

''سب سے بڑھ کر ظالم وہ ہے جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے اور جب حق آجائے تو وہ اسے جھٹلادے۔''

ابو درداء، ابوامامہ، واثلہ اور انس سے روایت ہے ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچانک ہمارے پاس آگئے اور ہم کسی دینی مسئلہ کے بارے میں آپس میں جھگڑا کر رہے تھے تو آنحضرت اس قدر شدید ناراض ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے تھے پھر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ اسی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔ جھگڑا ترک کردو مومن باہم جھگڑا نہیں کیا کرتے،. جھگڑا چھوڑ دو. جھگڑالو مکمل خسارے میں ہے،. جھگڑا مت کرو اس لیے کہ میں روز قیامت جھگڑنے والے کی شفاعت نہیں کروں گا اور فرمایا کہ جو شخص صداقت پر فائز ہونے کے باوجود بحث وجدال ترک کردے میں اس کے لیے جنت میں تین گھروں کی ضمانت دیتا ہوں فصیل، درمیانی حصہ اور بلند حصے کی، تم بحث ومباحثہ کو ترک کردو اس لیے کہ بت پرستی کے بعد اللہ نے سب سے پہلے جس چیز سے روکا ہے وہ بحث وجدال ہے۔(۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے:

''ثَلاثٌ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ بِهِنَّ دَخَلَ الْجَنَّةَ مِنْ اَيِّ بَابٍ شَاءَ مَنْ حَسُنَ خُلُقُهُ وَخَشِيَ اللّٰهَ فِي الْمَغِيبِ وَالْمَحْضَرِ وَتَرَكَ الْمِرَاءَ وَاِنْ كَانَ مُحِقًّا'' (۲)

۱۔مجمع الزوائد، ج/۱،ص/۱۵۶

۲۔الکافی، ج/۲،ص/۳۰۰

''تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جو بھی ان سے متصف ہوکر اللہ سے ملاقات کرے گا وہ جس دروازے سے چاہے گا جنت میں داخل ہو جائے گا۔ جس شخص کا اخلاق اچھا ہو جو شخص غیب وشہود دونوں میں خوف خدا رکھتا ہو اور جو بحث وجدال کو ترک کردے خواہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو

''وَعَنْ اَبِی عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامِ قَالَ قَالَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عليه السلام: اِيَّاكُمْ وَالْمِرَاءَ وَالْخُصُوْمَةَ فَاِنَّهُمَا يُمْرِضَانِ الْقُلُوْبَ عَلَى الْاِخْوَانِ وَيَنْبُتُ عَلَيْهِمَا النِّفَاقُ''(۱)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ''خبردار تم لوگ بحث ومباحثہ اور دشمنی سے بچو کیونکہ یہ دونوں برادران ایمانی کے خلاف دلوں کو بیمار بناتے ہیں اور ان پر منافقت کا پودا اگاتے ہیں۔''

۲) ریاکاری

مناظرے کے آفات وخطرات میں سے ایک ریاکاری ہے اور لوگوں کا جمگھٹا اور ان کے دلوں کو موہ لینے کی کوشش اور اپنی جانب توجہ مبذول کرالینا تا کہ اس کے نظریے کو درست قرار دیں اور دشمن کے مقابلے میں اس کی مدد کریں۔ اور ریاکاری ایک عاجز کر دینے والی بیماری ہے اور خوف ناک مرض ہے اور ہلاک کر دینے والا روگ اور شرک خفی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالُوا وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ هُوَ الرِّيَاءُ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِذَاجَازَى الْعِبَادَ بِاَعْمَالِهِمْ اِذْهَبُوْا اِلَى الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُرَاؤُوْنَ فِي الدُّنْيَا فَانْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَهُمُ الْجَزَاءَ''(۲)

''سب سے زیادہ خوف ناک چیز جس سے میں تمھارے لیے ڈرتا ہوں وہ شرک اصغر ہے لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شرک اصغر سے کیا مراد ہے؟ تو آنحضرت نے فرمایا وہ ریاکاری ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جب لوگوں کے اعمال کی جزا دے گا تو ان سے کہے گا تم ان کے پاس جاؤ دنیا میں جن کے دکھاوے کے لیے تم عمل کیا کرتے تھے دیکھو تمھیں ان کے پاس سے کسی قسم کی جزا مل رہی ہے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۰۰
۲۔ مسند احمد، ج/۵، ص/۴۲۸

''اِسْتَعِیذُوا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْخِزْیِ قِیْلَ وَمَا هُوَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَادٍ فِی جَهَنَّمَ اُعِدَّ لِلْمُرَائِیْنَ'' (۱)

''تم اللہ سے پناہ طلب کرو رسوائی کے کنویں سے۔ آنحضرتؐ سے سوال کیا گیا: یہ رسوائی کا کنواں کیا ہے؟ تو آنحضرتؐ نے جواب دیا: جہنم میں ایک وادی ہے جو ریاکاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

جراح مدائنی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اللہ کے قول: ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (کہف/۱۱۰)

(جو اپنے رب سے ملاقات کا خواہش مند ہے اسے چاہئے کہ عمل صالح بجالائے اور رب کی عبادت میں کسی اور کو شریک قرار نہ دے) کے ذیل میں روایت کی ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا:

''اَلرَّجُلُ یَعْمَلُ شَیْأً مِنَ الثَّوَابِ لَا یَطْلُبُ بِهِ وَجْهَ اللّٰهِ اِنَّمَا یَطْلُبُ تَزْکِیَةَ النَّاسِ یَشْتَهِی اَنْ یُسْمِعَ بِهِ النَّاسَ فَهٰذَا الَّذِیْ اَشْرَکَ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ'' (۲)

''ایک شخص ثواب کا کام انجام دیتا ہے لیکن اس کا مقصد رضائے رب حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف یہ چاہتا ہے کہ لوگ اسے اچھا سمجھیں اس کی خواہش ہوتی ہے کہ لوگوں میں اس کی شہرت ہو جائے یہ ہے وہ شخص جس نے رب کی عبادت میں شرک کیا ہے۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اِنَّ الْمَلَکَ لَیَصْعَدُ بِعَمَلِ الْعَبْدِ مُبْتَهِجاً بِهِ فَاِذَا صَعِدَ بِحَسَنَاتِهِ یَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِجْعَلُوْهَا فِی سِجِّیْنٍ اِنَّهُ لَیْسَ اِیَّایَ اَرَادَ بِهِ''

''فرشتہ بندے کے عمل کو خوشی خوشی اوپر لے کر جاتا ہے جب وہ اس کی نیکیوں کو لے کر بلندی کی جانب روانہ ہوتا ہے تو خداوند عالم اس سے یہ فرماتا ہے کہ اسے سجین (۳) میں ڈال دو اِس نے اِس عمل کو صرف میرے لیے انجام نہیں دیا ہے۔'' (۴)

امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے:

۱۔ کنز العمال، ج/۱۰، ص/۴۷۷
۲۔ الکافی، ج/۲، ص/۲۹۴
۳۔ سجین ایک جگہ یا کتاب جس میں کفار و فجار کے اعمال درج ہوتے ہیں
۴۔ الکافی، ج/۲، ص/۲۹۴

''ثَلاثُ عَلامَاتٍ لِلْمُرَائِی: یَنْشَطُ اِذَا رَأی النَّاسَ وَیَکْسَلُ اِذَا کَانَ وَحْدَهٗ وَیُحِبُّ اَنْ یُحْمَدَ فِی جَمِیْعِ اُمُوْرِهٖ''(۱)

''ریا کار کی تین نشانیاں ہیں: (۱) جب لوگوں کو دیکھتا ہے تو ہشاش بشاش مستعد اور چست نظر آتا ہے اور (۲) جب تنہا ہوتا ہے تو سست اور کاہل ہو جاتا ہے اور (۳) یہ چاہتا ہے کہ ہر کام میں اس کی تعریف وتوصیف کی جائے۔''

۳) غیظ وغضب

مناظرا کثر اوقات غیظ وغضب میں مبتلا رہتا بالخصوص جب اس کی بات مسترد کر دی جائے یا اس کی بات پر اعتراض کیا جائے اور اس کی دلیل عوام الناس کے سامنے بنظر حقارت دیکھی جائے۔ تو لامحالہ وہ ایسے عالم میں غضب ناک ہو جاتا ہے اور کبھی اس کا غضب حق پر مبنی ہوتا ہے اور کبھی ناحق ہوتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول نے غضب کیسا بھی ہو اس کی مذمت کی ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے غضب اختیار کرنے والوں کی سرزنش کی ہے۔ ارشاد رب العزت ہے:

﴿اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ فَاَنْزَلَ اللهُ سَکِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ﴾(فتح/۲۶)

''جب کفار نے اپنے دلوں میں حمیت کو بسا لیا جاہلیت والی حمیت تو اللہ نے اپنے رسول پر تسکین کو نازل فرمایا۔''

اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت کی ہے کہ انھوں نے اس حمیت (تعصب، غصہ) کا مظاہرہ کیا جو غضب سے برآمد ہوتی ہے اور مومنین کی ستائش کی جس کی وجہ سے اللہ نے ان پر سکینہ (تسکین، اطمینان) کو بطور انعام نازل فرمایا۔

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ مجھے ایک ایسے عمل کا حکم دیجیے جو کم ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لَا تَغْضِبْ'' ''تم غضب ناک نہ ہونا آنحضرتؐ نے پھر دوبارہ فرمایا ''لَا تَغْضِبْ'' ''تم غصہ میں نہ آنا۔(۲)

(۳) الکافی، ج/۲، ص/۲۹۵.
(۱) المحجۃ البیضاء، ج/۵، ص/۲۹۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ وہ کون سی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب سے دور لے جاتی ہے تو آنحضرتؐ نے فرمایا "لَا تَغۡضِبۡ" "تم غضب ناک نہ ہونا۔" (۱)

ابو درداء کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: مجھے ایسا کوئی مل بتایئے جو مجھے جنت میں داخل کردے تو آنحضرت نے فرمایا: تم غضب نہ کرو۔ (۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اَلۡغَضَبُ یُفۡسِدُ الۡاِیۡمَانَ کَمَا یُفۡسِدُ الۡخَلُّ الۡعَسَلَ" (۳)

"غضب ایمان کو اسی طرح فاسد کردیتا ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کردیتا ہے۔"

امام محمد باقر علیہ السلام کے سامنے غضب کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

"اِنَّ الرَّجُلَ لَیَغۡضَبُ فَمَا یَرۡضیٰ اَبَداً حَتّٰی یَدۡخُلَ النَّارَ" (۴)

"جب کوئی شخص غضب ناک ہوتا ہے تو وہ اس وقت تک راضی نہ ہوگا جب تک واصل جہنم نہ ہوجائے۔"

امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ: "مَکۡتُوۡبٌ فِی التَّوۡرٰیةِ فِیۡمَا نَاجَی اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ بِهٖ مُوۡسیٰ یَا مُوۡسیٰ اَمۡسِکۡ غَضَبَکَ عَمَّنۡ مَلَّکۡتُکَ عَلَیۡهِ اَکُفَّ عَنۡکَ غَضَبِی" (۵)

"توریت میں تحریر ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے چپکے چپکے گفتگو کی اور کہا: اے موسیٰ! اپنے غصہ کو اس سے روک لو جو تمھاری ملکیت میں ہے میں تم سے غضب کو دور رکھوں گا۔"

وَعَنۡ اَبِی حَمۡزَةَ الثُّمَالِیِّ قَالَ قَالَ اَبُوۡ جَعۡفَرٍ عَلَیۡهِ السَّلَامِ: "اِنَّ هٰذَا الۡغَضَبَ جَمۡرَةٌ مِنَ الشَّیۡطَانِ تُوۡقَدُ فِیۡ قَلۡبِ ابۡنِ آدَمَ، وَاِنَّ اَحَدَکُمۡ اِذَا غَضِبَ اِحۡمَرَّتۡ عَیۡنَاهُ وَانۡتَفَخَتۡ اَوۡدَاجُه وَدَخَلَ الشَّیۡطَانُ فِیۡهِ" (۶)

ابو حمزہ ثمالی امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ: "یہ غضب ایک انگارہ ہے جس کا تعلق شیطان سے ہے جو اولاد آدم کے دل میں بھڑکتا ہے۔ تم میں سے جب بھی کوئی غضب ناک ہوتا ہے تو اس کی آنکھیں سرخ ہوجاتی ہیں اور اس کی گردن کی رگ پھول جاتی ہے اور اس کے اندر شیطان داخل ہوجاتا ہے۔"

۱۔ احیاء علوم الدین، ج/۳/ص/۱۴۳
۲۔ احیاء علوم الدین
۳۔ الکافی، ج/۲/ص/۳۰۲
۴۔ الکافی، ج/۲/ص/۳۰۲
۵۔ الکافی، ج/۲/ص/۳۰۲
۶۔ الکافی، ج/۲/ص/۳۰۴

۴) حقد (کینہ رکھنا)

حقد وکینہ، غضب کا نتیجہ اور پھل ہے کیونکہ جسے غصہ آتا ہے وہ موجودہ حالات میں تشفی نہ ہونے کی وجہ سے غصہ پینے پر مجبور ہو جاتا ہے تو وہ غصہ اس کے باطن (دل) کی طرف چلا جاتا ہے اور وہاں پر جاگزیں ہو جاتا ہے اور کینہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

حقد (کینہ) کا مفہوم یہ ہے کہ کینہ پرور کا دل اس کے بوجھ کو محسوس کرے اور اس کے بغض اور اس کی نفرت کو لازم قرار دے دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اَلْمُؤمِنُ لَیْسَ بِحَقُوْدٍ.'' (۱)

''مومن کینہ پرور نہیں ہوتا۔''

حقد وکینہ بہت سی برائیوں کو جنم دیتا ہے مثلاً حسد دوسرے کی مصیبت پر خوش ہونا، فحش کلامی، قطع تعلق کر لینا اور اس سلسلہ میں ایسی باتیں کہنا جو جائز نہیں ہیں جیسے جھوٹ، غیبت، راز کا افشاء کرنا، پردے کو فاش کرنا وغیرہ وغیرہ اور ایسی باتیں بیان کرنا جن کا بیان کرنے والا استہزا اور مذاق اڑانے تک پہنچ جائے اور جس طرح بھی ممکن ہو قول اور فعل سے اذیت پہنچانا یہ تمام باتیں حقد وکینہ کے بعض نتائج اور ثمرات ہیں۔

ان حرام کردہ آفتوں سے بچنے کے باوجود حقد کے کمتر ترین درجات میں سے یہ بھی ہے کہ تم جن چیزوں کو بطور ثواب بجا لاتے تھے ان سے محقد علیہ (جس سے کینہ کیا جائے) کو محروم کر دو مثلاً مسکراہٹ، نرمی اور کرم وعنایت اور اس سے نیکی اور مواسات کے خلاف برتاؤ پر قیام کرنا۔ یہ سب کام دین میں تمھارے درجہ کو کم کرنے کا سبب بنتے ہیں اور یہ تمھارے اور عظیم فضیلت اور بے انتہا ثواب کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں اگر چہ تمھیں کسی عذاب سے دوچار نہیں کرتے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اَلا اُخبِرُکُم بِخَیرِ خَلائِقِ الدُّنیا وَالْآخِرَۃِ؟ اَلْعَفوُ عَمَّنْ ظَلَمَکَ، وَتَصِلُ مَنْ قَطَعَکَ وَالْاِحْسَانُ اِلیٰ مَنْ اَساءَ اِلَیکَ وَاِعْطاءُ مَنْ حَرَمَکَ'' (۲)

''کیا میں تمھیں دنیا اور آخرت کے بہترین اخلاق وعادات سے مطلع نہ کر دوں؟ جو تم پر ظلم ڈھائے تم

۱۔ احیاء علوم الدین، ج/۱، ص/۱۴۱.
۲۔ الکافی، ج/۲، ص/۱۰۷

اسے معاف کردو، جو تم سے قطع تعلق کرے تم اس سے صلہ رحمی کرو، جو تم سے برائی سے پیش آئے تم اس کے ساتھ بھلائی کرو اور جو تمہیں محروم رکھے تم اسے عطا کرو۔

۵) حسد

حسد، کینہ پروری کا نتیجہ ہے جیسا کہ بیان کیا گیا اور مناظرہ کرنے والا اکثر ان سے جدا نہیں ہوتا اس لیے کہ کبھی وہ غالب آتا ہے اور کبھی مغلوب ہو جاتا ہے۔ جب وہ غالب آجاتا ہے اور اس کی ستائش ہوتی ہے تو وہ چاہتا ہے کہ یہ صرف اس کی ذات تک محدود رہے کسی اور کو نہ ملے اور یہی عین حسد ہے۔

حسد کے بارے میں جو روایات وارد ہوئی اور اس سلسلہ میں جو سرزنش کی گئی ہے وہ حد و حساب سے باہر ہے۔ حسد کی مذمت کے لیے یہی کافی ہے کہ اول سے لے کر آخر تک زمین میں جس قدر گناہ کیے گئے ہیں اور فساد ہوتے ہیں وہ سب کے سب حسد کی وجہ سے ہوئے ہیں۔ جب ابلیس نے آدم علیہ السلام سے حسد کیا تو اس کا معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اللہ نے اسے نکال باہر کیا اور لعنت کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا اور اس کے لیے جہنم کا عذاب مقرر کر دیا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس کے بعد شیطان اولاد آدم پر مسلط ہو گیا اور اسی طرح جاری ہو گیا جیسے خون اور روح بدن میں جاری و ساری ہیں اور وہی سارے بگاڑ اور فساد کی وجہ بن گیا۔ آدم کی تخلیق کے بعد یہ پہلی خطا ہے جو سرزد ہوئی اور اسی حسد کی وجہ سے آدم کے بیٹے نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا جیسا کہ خداوند عالم نے اپنی محترم کتاب میں بیان کیا ہے۔ (مائدہ/۲۷-۳۲)

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے حاسد کو شیطان اور جادوگر کے ساتھ ساتھ رکھا ہے: ﴿وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴾ (فلق/۳-۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''اَلْحَسَدُ يَاكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ'' (۱)

''حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو جلا کر ختم کر دیتی ہے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمْ، اَلْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ وَهِيَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ حَالِقَةُ الشَّعْرِ وَلٰكِنْ حَالِقَةُ الدِّيْنِ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَاتَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَنْ تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا''

....

۱۔ سنن ابن ماجہ، ج/۲، ص/۱۴۸

''سابقہ امتوں کی بیماری تم میں سرایت کر گئی ہے جس کا نام حسد اور بغض ہے اور یہ ایک طرح کی موت ہے میں یہ نہیں کہ رہا ہوں کہ اس سے مراد موت کے وقت سر کے بال مونڈنا ہیں بلکہ یہ دین کی موت ہے۔ جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اس کی قسم تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگے جب تک ایمان نہ لے آؤ اور تم ایمان نہیں لاؤ گے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔''(۱)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''سِتَّةٌ يَدْخُلُونَ النَّارَ قَبْلَ الْحِسَابِ بِسِتَّةٍ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَنْ هُمْ؟ قَالَ الْاُمَرَاءُ بِالْجَوْرِ، وَالْعَرَبُ بِالْعَصَبِيَّةِ وَالدَّهَاقِينَ بِالْكِبْرِ، وَالتُّجَّارُ بِالْخِيَانَةِ وَاَهْلُ الرُّسْتَاقِ بِالْجَهَالَةِ وَالْعُلَمَاءُ بِالْحَسَدِ''(۲)

''چھ طرح کے افراد ہیں جو چھ برائیوں کی وجہ سے پہلے جہنم میں داخل ہوں گے۔ سوال کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: امراء ظلم کی وجہ سے، عرب تعصب کی بنا پر، صوبے کا رئیس تکبر کے باعث، تجارت کرنے والے خیانت کے سبب، دیہات کے باشندے جہالت کی بنا پر اور علماء حسد کی وجہ سے''

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

''آفَةُ الدِّينِ اَلْحَسَدُ وَالْعُجْبُ وَالْفَخْرُ.''(۳)

''دین کی آفت حسد، خود پسندی اور فخر وغرور ہے۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے عمران کے بیٹے! میں نے لوگوں پر اپنا جو فضل وکرم کیا ہے اس بنیاد پر ان سے حسد نہ کرنا، اور اس کی طرف آنکھیں اٹھا کر بھی نہ دیکھنا اور اپنے نفس کو اس کے پیچھے نہ لگا دینا۔ اس لیے کہ حاسد میری نعمتوں سے ناراحت ہوتا ہے اور میں نے بندوں میں جو تقسیم کر رکھی ہے اس میں رکاوٹیں ڈالتا ہے اور جو شخص ایسا ہوگا میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی اس کا مجھ سے کوئی تعلق ہے۔(۴)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

۱۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/۱۶۳۔
۲۔ احیاء علوم الدین، ج/۳، ص/۱۶۳۔
۳۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۰۷
۴۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۰۷

''اِنَّ الْمُؤمِنَ یَغْبِطُ وَلَا یَحْسُدُ وَالْمُنَافِقُ یَحْسُدُ وَلَا یَغْبِطُ.''(۱)

''اس میں کوئی شک نہیں کہ مومن رشک کرتا ہے حسد نہیں کرتا اور منافق حسد کرتا ہے رشک نہیں کرتا۔''

۶) قطع تعلق اور رشتہ ناطہ توڑ لینا

قطع تعلق اور رشتہ ناطہ توڑ لینا یہ بھی حقد وکینہ کا لازمی حصہ ہے اور یہ بڑے گناہوں اور عظیم معصیتوں میں سے ہے۔ داؤد بن کثیر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''قَالَ اَبِی قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَیُّمَا مُسْلِمَیْنِ تَهَاجَرَا فَمَکَثَا ثَلَاثًا لَا یَصْطَلِحَانِ اِلَّا کَانَا خَارِجَیْنَ عَنِ الْاِسْلَامِ وَلَمْ یَکُنْ بَیْنَهُمَا وَلَایَةٌ وَاَیُّهُمَا سَبَقَ اِلٰی کَلَامِ اَخِیْهِ کَانَ السَّابِقَ اِلَی الْجَنَّةِ یَوْمَ الْحِسَابِ''(۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب بھی دو مسلمان ایک دوسرے سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور تین دن گزر جانے کے باجود صلح نہیں کرتے تو وہ دونوں اسلام سے باہر نکل جاتے ہیں اور ان کے درمیان رشتۂ اخوت باقی نہیں رہتا۔ ان میں سے جو بھی اپنے بھائی سے بات کرنے میں سبقت کرے گا تو وہ روز حساب جنت میں پہلے داخل ہوگا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''لَا یَفْتَرِقُ رَجُلَانِ عَلَی الْهِجْرَانِ اِلَّا اسْتَوْجَبَ اَحَدُهُمَا الْبَرَاءَةَ وَاللَّعْنَةَ وَرُبَّمَا اسْتَحَقَّ کِلَاهُمَا فَقَالَ لَهٗ مُعَتِّبٌ جَعَلَنِیَ اللّٰهُ فِدَاکَ هٰذَا الظَّالِمُ فَمَا بَالُ الْمَظْلُوْمِ قَالَ لِاَنَّهٗ لَا یَدْعُوْا اَخَاهُ اِلٰی صِلَتِهٖ وَلَا یَتَغَامَسُ لَهٗ عَنْ کَلَامِهٖ سَمِعْتُ اَبِیْ یَقُوْلُ اِذَا تَنَازَعَ اِثْنَانِ فَعَازَّ اَحَدُهُمَا الْاٰخَرَ فَلْیَرْجِعِ الْمَظْلُوْمُ اِلٰی صَاحِبِهٖ حَتّٰی یَقُوْلَ لِصَاحِبِهٖ اَیْ اَخِیْ اَنَا الظَّالِمُ حَتّٰی یَقْطَعَ الْهِجْرَانَ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ صَاحِبِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی حَکَمٌ عَدْلٌ یَاْخُذُ لِلْمَظْلُوْمِ مِنَ الظَّالِمِ''(۳)

قطع تعلق کی بنیاد پر جب دو آدمی ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں تو ان دونوں میں سے ایک یا کبھی کبھی دونوں براءت (بیزاری) اور لعنت کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ (راوی) معتب نے دریافت کیا: (اللہ

۱۔ الکافی، ج/۲، ص/ ۳۰۷

۲۔ الکافی، ج/۲، ص/ ۳۰۷

۳۔ الکافی، ج/۲، ص/ ۳۴۴

مجھے توفیق دے کہ میں اپنی جان آپ پر فدا کر دوں) یہ تو ظالم تھا مظلوم کا اس میں کیا قصور ہے؟ تو امام علیہ السلام نے فرمایا: اس نے اپنے بھائی کو صلہ رحمی کی دعوت نہیں دی اور اسے اپنی باتوں میں لگا کر اس جانب نہیں لایا۔ میں نے اپنے والد کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اگر دو آدمیوں میں جھگڑا ہو اور ایک دوسرے سے جھگڑ رہا ہو تو مظلوم کو چاہئے کہ اپنے ساتھی کے پاس واپس جائے اور اس سے کہے اے بھائی میں نے ظلم کیا ہے مجھے معاف کر دو یہاں تک کہ اس کے اور اس کے ساتھی کے درمیان قطع تعلق دور جائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کرنے والا اور منصف ہے وہ ظالم سے مظلوم کا حق دلا کر رہتا ہے۔''

زرارہ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا: ''اِنَّ الشَّیطَانَ یُغْرِی بَیْنَ الْمُؤمِنِینَ مَا لَم یَرْجِعْ اَحدُھُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَاِذَا فَعَلُوا ذٰلِکَ اِسْتَلْقیٰ عَلیٰ قَفَاہُ وَتَمَدَّدَ ثُمَّ قَالَ فُزْتُ فَرَحِمَ اللّٰہُ اَمْرءً اَلَّفَ بَیْنَ وَلِیَّیْنِ لَنا، یَا مَعْشَرَ الْمُؤمِنِیْنَ تَاَلَّفُوا وَ تَعاطَفُوا''(۱)

''شیطان مومنین کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا رہتا ہے جب تک ان میں سے کسی ایک کو دین سے برگشتہ نہ کر دے پس جب وہ ایسا کر لیتے ہیں تو وہ اس کی پشت پر سوار ہو جاتا ہے اور پھیل جاتا ہے پھر کہتا ہے: ''میں کامیاب ہو گیا۔'' اللہ رحم کرے اس شخص پر جو ہمارے دو دوستوں کو باہم ملا دے ان میں الفت پیدا کرا دے۔ اے گروہ مومنین! تم باہمی الفت پیدا کرو اور ایک دوسرے پر مہربان و شفیق ہو جاؤ۔''

۷) جھوٹ اور غیبت

مناظرے کے دوران گفتگو میں جھوٹ اور غیبت کو شامل کرنا جس کی اجازت نہیں ہے، یہ بھی حقد وکینہ پروری کے لوازمات میں سے ہے۔ بلکہ مناظرے کا نتیجہ ہے اس لیے کہ مناظرہ کرنے والا اپنے ساتھی کے بارے میں ایسی باتیں کرنے سے گریز نہ کرے جو حقارت، مذمت اور توہین پر مبنی ہوں تو ایسی صورت میں وہ غیبت کا مرتکب ہوگا اور کبھی وہ اپنے حریف کے کلام میں تحریف سے کام لے گا۔ اس وقت وہ جھوٹا، تہمت لگانے والا اور معاملہ کو مشتبہ کرنے والا قرار پائے گا اور وہ کبھی اپنے مدمقابل کو جاہل اور احمق گردانتا ہے اس وجہ سے وہ تنقیص کا مرتکب ہوگا اور اسے برائی سے یاد کرنے والا کہلائے گا۔

۱۔ الکافی، ج/۲، ص/ ۳۴۵

اوران برائیوں میں سے ہر ایک بڑا گناہ ہے اوراس کے لیے کتاب وسنت میں اتنی سرزنش کی گئی ہے جو حدوحساب سے باہر ہے اور تمھارے لیے غیبت کی مذمت کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے مردار کھانے سے تشبیہ دی ہے۔ارشاد باری ہے:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ﴾(حجرات/۱۲)

''اور خبردار تم ایک دوسرے کی غیبت نہ کروکیا۔تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔یقیناً تم اسے ناپسند کروگے۔''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:''اِيَّاكُمْ وَالْغِيْبَةَ فَاِنَّ الْغِيْبَةَ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا اِنَّ الرَّجُلَ قَدْ يَزْنِی فَيَتُوْبُ فَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لَايُغْفَرُ لَهُ حَتّٰى يَغْفِرَ صَاحِبُه''(۱)

تم لوگ خاص طور سے غیبت سے بچو کیونکہ غیبت زنا سے زیادہ شدید ہے ایک شخص زنا کر کے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلے گا لیکن غیبت کرنے والا بخشا نہیں جائے گا یہاں تک کہ جس کی غیبت کی گئی ہے وہ معاف نہ کردے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''مَا مِنْ مُؤْمِنٍ قَالَ فِی مُؤْمِنٍ مَارَاَتْهُ عَيْنَاهُ وَسَمِعَتْهُ اُذُنَاه فَهُوَ مِنَ الَّذِيْنَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾(نور/۱۹)(۲)

''اگر کوئی مومن کسی مومن کے بارے میں وہ کچھ کہے جواس کی آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا ہے تو اس کا شمار ان لوگوں میں سے ہوگا جن کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: جولوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں بدکاری پھیل جائے بے شک ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

مفضل بن عمر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے امام عالی مقام نے فرمایا:

''مَنْ رَوٰى عَلٰى مُؤْمِنٍ رِوَايَةً يُرِيْدُبِهَا شَيْنَهُ وَهَدْمَ مُرُوءَ تِهٖ لِيَسْقُطَ عَنْ اَعْيُنِ النَّاسِ اَخْرَجَهُ اللّٰهُ مِنْ وَلَايَتِهٖ اِلٰى وَلَايَةِ الشَّيْطَانِ فَلَا يَقْبَلُهُ الشَّيْطَانُ.''(۳)

۱۔مکارم اخلاق،ص ۴۷۰
۲۔الکافی،ج/۱،ص/۳۵۱.
۳۔الکافی،ج/۲،ص/۳۵۷

جو شخص کسی مومن کے خلاف کوئی ایسی بات کہے جس کے ذریعہ اس کے عیب کو ظاہر کرنا اور اس کی مروت کو منہدم کرنا مقصود ہو، تا کہ وہ لوگوں کی نگاہوں سے گر جائے تو اللہ ایسے شخص کو اپنی سرپرستی سے نکال کر شیطان کی نگرانی میں دے دے گا لیکن شیطان بھی ایسے فرد کو قبول نہیں کرے گا۔"

زرارہ نے امام باقر علیہ السلام اور امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا:

"اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ اِلیٰ الْکُفْرِ اِنْ یُوَاخِیَ الرَّجُلَ عَلَی الدِّیْنِ فَیُحْصِیَ عَلَیْهِ عَثَرَاتِهِ وَ زَلَّاتِهِ لِیُعَنِّفَهُ بِهَا یَوْماً مَّا"(۱)

ایسا بندہ کفر سے زیادہ قریب ہوتا ہے جو دینی اعتبار سے بھائی چارہ قائم کرنے کے بعد اپنے برادر ایمانی کی لغزشوں اور غلطیوں کو شمار کر کے رکھے تا کہ کسی دن ان کے ذریعہ اس کی سرزنش کرے۔

ابوبصیر نے امام باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا:

"سِبَابُ الْمُؤْمِنِ مِنْ فُسُوقٍ وَقِتَالُه کُفْرٌ وَاَکْلُ لَحْمِهِ مَعْصِیَةٌ وَحُرْمَةُ مَالِه کَحُرْمَةِ دَمِهِ"(۲)

"مومن کو گالی دینا فسق و فجور ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے اور اس کا گوشت کھانا (غیبت کرنا) معصیت ہے اور اس کا مال اتنا ہی محترم ہے جتنا اس کا خون محترم ہے۔"

فضیل نے امام باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے:

"مَامِنْ اِنْسَانٍ یَطْعَنُ فِی عَیْنِ مُؤْمِنٍ اِلَّا مَاتَ بِشَرِّ مِیْتَةٍ وَکَانَ قَمِناً اَنْ لَا یَرْجِعَ اِلیٰ خَیْرٍ."(۳)

"اگر کوئی انسان کسی مومن کے اوپر طعنہ زنی کرتا ہے اور اس کی شخصیت کو مجروح کرتا ہے تو وہ بدترین موت مرے گا اور اس کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ خیر کی طرف واپس نہ آئے۔"

۸) تکبر اور بڑائی کا اظہار کرنا

تکبر اور بڑائی کا اظہار کرنا، مناظرہ اس کے بغیر ممکن نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی گئی ہے آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے قول کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

۱۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۵۴.
۲۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۶۰.
۳۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۶۱.

''اَلْعَظَمَةُ اِزَارِی وَالْکِبْرِیَاءُ رِدَائی فَمَنْ نَازَعَنِی فِیهِمَا قَصَمْتُهُ'' (١)

''شکوہ وعظمت میرا لباس ہے اور کبریائی میری ردا ہے اور جو بھی ان دو صفتوں میں مجھ سے نزاع کرے گا میں اسے ہلاک کر دوں گا۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے بڑا تکبر ''غمص الخلق'' اور ''سفه الحق'' ہے راوی کہتا ہے میں نے دریافت کیا کہ غمص الخلق اور سفہ الحق کیا ہے تو ارشاد فرمایا: حق سے لاعلمی اور حق والوں پر طعن وتشنیع کرنا جو بھی ایسا کرتا ہے گویا وہ اللہ سے اس کی ردا کو چھین رہا ہے۔'' (٢)

حسین بن ابی العلاء کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا:

''تکبر برے لوگوں کی ہر صنف میں ہوتا ہے اور تکبر خدا کی ردا ہے جو بھی اللہ کی ردا کو چھیننا چاہے گا، اللہ تعالیٰ اسے پستی میں ڈھکیل دے گا۔'' (٣)

زرارہ نے امام باقر علیہ السلام اور امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے:

''لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ فِی قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ کِبْرٍ'' (٤)

''وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو۔''

عمر بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: میں بہترین کھانا کھاتا ہوں، نہایت اعلیٰ خوشبو سونگھتا ہوں اور عمدہ جانور پر سواری کرتا ہوں اور غلام میرے پیچھے پیچھے آتا ہے۔ کیا آپ ان سب چیزوں میں کسی قسم کا تکبر اور بڑائی دیکھتے ہیں؟! اگر ایسا ہے تو میں یہ کام انجام نہ دوں۔ امام علیہ السلام نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد فرمایا:

''متکبر اور ملعون وہ ہے جو لوگوں سے ''غمص'' کرے اور حق کو نہ پہچانے۔ عمر نے کہا کہ جہاں تک حق کا تعلق ہے میں اس سے ناواقف نہیں ہوں لیکن مجھے نہیں معلوم کہ ''غمص'' کیا ہے؟ تو امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ شخص جو لوگوں کو حقیر سمجھے اور ان کے ساتھ تکبر سے پیش آئے وہ جبار ہے۔'' (٥)

....

١۔ سنن ابن ماجہ، ج/٢، ص/١٣٩٧۔
٢۔ الکافی، ج/٢، ص/٣١٠
٣۔ الکافی، ج/٢، ص/٣٠٩
٤۔ الکافی، ج/٢، ص/٣١٠
٥۔ الکافی، ج/٢، ص/٣١١۔

۹) جاسوسی کرنا اور پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑے رہنا

جاسوسی کرنا اور پوشیدہ باتوں کے پیچھے پڑے رہنا اور مناظرہ کرنے والا اپنے مد مقابل مناظر کی لغزشوں کو خواہ وہ کلام میں ہوں یا ان کے علاوہ ڈھونڈھتا رہتا ہے تا کہ اسے اپنے لیے ذخیرہ کرے اور انھیں اس کو روکنے اس سے بیزاری کا اظہار کرنے یا اپنی خامیوں اور کمزوریوں کو دور کرنے کا ذریعہ قرار دے۔

یہاں تک یہ صاحبان غفلت اور ان لوگوں میں سرایت کر جاتا ہے جو دنیا داری کے لیے علم حاصل کرتے ہیں اور اپنے دشمن کے حالات اور عیوب کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں تا کہ ان عیوب ونقائص کو اس کے سامنے بیان کریں یا براہ راست اس سے بیان کریں اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس کی وجہ سے اکڑتا ہے اور کہتا ہے میں نے اسے کیسا بے یارو مددگار گمنامی میں چھوڑ دیا ہے اور کیسا رسوا وذلیل کر دیا ہے اور اسی قسم کی باتیں جو دین سے غافل اور شیطان کی پیروی کرنے والے افراد کیا کرتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَجَسَّسُوا﴾ ''تم جاسوسی نہ کرو'' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَ لَمْ يُؤْمِنْ بِقَلْبِهِ لَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِينَ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ مُسْلِمٍ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ فَضَحَهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ بَيْتِهِ.'' (۱)

اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے اور دل سے ایمان قبول نہیں کرتے! تم مسلمانوں کے عیوب تلاش نہ کرو جو بھی مسلمان کا عیب تلاش کرے گا تو اللہ اس کے عیوب کا تتبع کرے گا اور اگر اللہ کسی کے عیوب کا تتبع کرے تو اسے رسوا کر دیتا ہے خواہ وہ گھر کے اندر گھس کر بیٹھا ہو۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''اَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ اِلَى الْكُفْرِ اَنْ يُوَاخِيَ الرَّجُلَ الرَّجُلَ عَلَى الدِّيْنِ فَيُحْصِيَ عَلَيْهِ زَلَّاتِهِ لِيُعَيِّرَهُ بِهَا يَوْمًا مَّا'' (۲)

''وہ بندہ کفر سے زیادہ قریب ہے کہ ایک شخص دوسرے کا دینی بھائی ہو اور وہ اس کی لغزشوں کو شمار کرتا رہے تا کہ وقت آنے پر اس کے ذریعہ اسے شرمندہ کرے۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

۱۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۵۴۔۳۵۵۔ ۲۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۵۵۔

"مَنْ اَذَاعَ فَاحِشَةً کَانَ کَمُبْتَدِئِهَا وَمَنْ عَیَّرَ مُؤْمِنًا بِشَیْءٍ لَمْ یَمُتْ حَتّٰی یَرْکَبَهُ" (۱)

"جو شخص کسی برے کام کی اشاعت کرتا ہے تو گویا کہ اس نے خود اسے انجام دیتا ہے اور جو شخص کسی مومن کو شرمندگی سے دوچار کرتا ہے وہ اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اس عمل کو خود انجام نہ دے لے۔"

امام صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ لَقِیَ اَخَاهُ بِمَا یُؤَنِّبُهُ اَنَّبَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ" (۲)

"جو شخص اپنے برادر ایمانی کی ملامت کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی ملامت کرے گا۔"

امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"ضَعْ اَمْرَ اَخِیْکَ عَلٰی اَحْسَنِهٖ حَتّٰی یَاتِیَکَ مَا یَغْلِبُکَ مِنْهُ وَ لَا تَظُنَّنَّ بِکَلِمَةٍ خَرَجَتْ مِنْ اَخِیْکَ سُوْءً وَ اَنْتَ تَجِدُ لَهَا فِی الْخَیْرِ مَحْمِلًا" (۳)

"تم اپنے برادر ایمانی کے کام کو اچھے پہلو پر محمول کرو یہاں تک کہ کوئی ایسی دلیل آئے جو تمھارے فیصلے پر غالب آجائے اور تمھارے بھائی کی زبان سے کوئی ناشائستہ لفظ نکلے جب تک تم اسے خیر پر محمول کر سکتے ہو تو ایسا کرو۔"

۱۰) لوگوں کی برائی پر خوش اور ان کی خوشی پر غمگین ہونا

لوگوں کی برائی پر خوش ہونا اور ان کی خوشی کے وقت غمگین ہو جانا اور جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہ پسند نہیں کرتا جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے تو ایسے شخص کے ایمان میں کمی ہے اور وہ دینداروں کے اخلاق سے بہت دور ہے۔"

اور یہ ان لوگوں کے درمیان غلبہ رکھتا ہے جن کے دلوں پر اپنے معاصرین کو خاموش کر دینے اور بھائیوں پر اپنی بڑائی کا اظہار کرنے کی محبت غالب آجاتی ہے اور بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے (۱) کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمانون پر کچھ حقوق ہیں اگر کسی نے ایک حق کو بھی ضائع کر دیا تو وہ اللہ کی حکومت اور اس کی اطاعت سے نکل جائے گا اور ان میں سے یہ حدیث بھی ہے: محمد بن یعقوب کلینی قدس اللہ سرہ اپنی سند سے معلیٰ بن خنیس سے اور وہ امام صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے

۱۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۵۶
۲۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۵۶
۳۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۶۲
۴۔ الکافی، ج/۲، ص/۱۶۹۔۱۷۴

امام علیہ السلام سے دریافت کیا "مَا حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ "ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر کیا حق ہے امام علیہ السلام نے جواب مرحمت فرمایا کہ سات حقوق واجب ہیں ان میں سے ہر حق کو ادا کرنا اس پر واجب ہے اگر اس نے کسی ایک حق کو بھی ضائع کر دیا تو وہ اللہ کی ولایت (حکومت، اقتدار) اور اطاعت سے باہر چلا جائے گا اور اللہ کے پاس اس کا کوئی حصہ نہیں رہے گا۔ میں نے عرض کی: میں آپ پر فدا ہو جاؤں وہ حقوق کون سے ہیں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اے معلیٰ! میں تم پر مہربان ہوں لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم ضائع کر دو اور ان کی حفاظت نہ کر سکو اور جاننے کے باوجود عمل نہیں کرو گے۔ معلیٰ کہتے ہیں: میں نے کہا: "لا حول ولا قوۃ الا باللہ" (ہر طاقت اللہ کی جانب سے ہے) تو امام علیہ السلام نے فرمایا: ان میں سب سے آسان حق یہ ہے کہ تم اس کے لیے وہی پسند جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو اور اس کے لیے اس چیز کو ناپسندیدہ قرار دو جو تم اپنے لیے ناپسند قرار دیتے ہو۔

دوسرا حق یہ ہے کہ تم اس کی ناراضی سے بچو اور اس کی خوشی کا خیال رکھو اور اس کے حکم کو تسلیم کرو۔

تیسرا حق یہ ہے کہ تم اپنی جان، اپنے مال، اپنی زبان، اپنے ہاتھ اور اپنے پاؤں سے اس کی مدد کرو۔

چوتھا حق یہ ہے کہ تم اس کے نگہبان، رہنما اور آئینہ بن جاؤ۔

پانچواں حق یہ ہے کہ اگر وہ بھوکا ہے تو تم سیر ہو کر کھانا نہ کھاؤ۔ اگر وہ پیاسا ہو تو تم سیراب نہ ہو۔ اگر وہ برہنہ ہو تو تم اس وقت تک لباس زیب تن نہ کرو جب تک وہ لباس نہ پہن لے۔

چھٹا حق یہ ہے کہ اگر تمھارے پاس خدمت گزار ہو اور تمھارے بھائی کے پاس خدمت گزار نہ ہو تو تم پر واجب ہے کہ تم اپنے خادم کو اس کے پاس روانہ کر دو تا کہ وہ اس کے کپڑے دھوئے اس کا کھانا تیار کرے اور اس کا بستر بچھائے۔

ساتواں حق یہ ہے کہ اس کی قسم پوری کرے، اس کی دعوت قبول کرے، مریض ہو تو اس کی عیادت کرے، اس کے جنازے میں شرکت کرے اور جب تمھیں پتہ چلے کہ وہ ضرورت مند ہے تو اس کی حاجت روائی میں جلدی کرو اس بات کا انتظار نہ کرو کہ وہ تم سے سوال کرے بلکہ جس قدر جلد ہو سکے اس کی ضرورت پوری کر دو اگر تم نے ایسا کر دیا تو تم نے اس کی محبت کو اپنی محبت اور اپنی محبت کو اس کی محبت سے ملا دیا۔(۱)

۱۔ الکافی، ج/۲، ص/۳۵۶

۱۱) خود ستائی اور اپنے منھ اپنی تعریف

مناظرہ کرنے والا خود ستائی اور اپنے نفس کی تعریف کرنے سے عاری نہیں ہوتا خواہ وہ صراحت کے ساتھ ہو یا اشاروں میں ہو اور اپنی بات کو درست ثابت کرکے اور حریف کے کلام کی تنقیص کے ذریعہ ہو اور اکثر وہ یہ بات کہہ کر وضاحت کرتا ہے: ''میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جن پر ایسی باتیں مخفی ہوں۔'' اور اسی قبیل کی باتیں کرتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ﴾ (نجم ۳۲) تم اپنے آپ کو پاک کو قرار نہ دو یعنی غلطیوں سے مبرا نہ سمجھو۔ ایک عالم سے دریافت کیا گیا کہ وہ سچ کون سا ہے جو قبیح ہے؟ فرمایا: کسی انسان کا خود ستائی اور اپنے منھ اپنی تعریف کرنا۔(۱)

اور یہ بات جان لو کہ خود ستائی ـــــ اللہ تعالیٰ نے جسے قبیح کہا ہے اور منع فرمایا ہے لوگوں کے نزدیک تمھاری قدر و منزلت کو کم کردے گی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدگی کا موجب ہوگی۔ اگر تم یہ جاننا چاہو کہ تمھاری خود ستائی تمھارے اغیار کے نزدیک تمھاری قدر و منزلت کو نہیں بڑھاتی ہے تو تم کو چاہیے کہ اپنے معاصرین کو دیکھو کہ جب وہ اپنے علم وفضل کی تعریف کرتے ہیں تو تمھارا دل کس طرح اسے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے اور وہ تمھاری طبیعت پر گراں گزرتا ہے اور جدا ہوتے وقت تم کس طرح ان کی مذمت کرتے ہو۔ یہ بات سمجھ لو کہ جب تم خود ستائی اور تزکیہ نفس کررہے تھے وہ بھی دل سے تم سے مقابلہ کرنے لیے تمھیں برا سمجھ رہے تھے اور جب تم ان سے جدا ہونے لگے تو انھوں نے اسے زبان سے بھی ظاہر کردیا۔

۱۲) نفاق

نفاق؛ مناظرہ کرنے والے اسے اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہ دشمنوں اور معاصرین اور پیروکاروں سے نہایت صلح آمیز انداز سے پیش آتے ہیں لیکن قلبی اعتبار سے وہ اس سے جھگڑتے رہتے ہیں اور اکثر وہ ملاقات کے وقت محبت اور شوق کا اظہار کرتے ہیں جب کہ بغض وحسد کی وجہ سے اس وقت ان کے تن بدن میں ارتعاش ہوتا ہے اور ان میں سے ہر فریق کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ساتھی جو کچھ ظاہراً کہہ رہا ہے وہ مبنی بر کذب ہے۔ اس کے باطن میں کچھ اور ہے اور وہ ظاہراً کچھ اور کررہا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

۱۔ احیاء علوم الدین، ج/۱، ص/۴۱

''اِذَا تَعَلَّمَ النَّاسُ الْعِلْمَ وَتَرَكُوا الْعَمَلَ وَتَحَابُّوْا بِالْاَلْسُنِ وَ تَبَاغَضُوْا بِالْقُلُوْبِ وَتَقَاطَعُوْا فِي الْاَرْحَامِ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰى اَبْصَارَهُمْ''(۱)

''جب لوگ علم تو حاصل کریں لیکن عمل کرنا ترک کردیں، زبان سے تو محبت کریں لیکن دلوں میں باہمی بغض ہو اور رشتہ داروں سے قطع تعلق کرلیں تو ایسی صورت میں اللہ ان پر لعنت کرے گا انھیں بہرا کردے گا اور ان کی بصارت کو ختم کردیگا۔'' ہم اللہ سے عافیت کی التجا کرتے ہیں۔

یہ وہ بارہ ہلاک کرنے والی عادتیں جن میں پہلے نمبر پر حق سے روگردانی کرنا ہے، جس کی وجہ سے جنت حرام ہو جاتی ہے اور آخری نفاق ہے جو جہنم میں لے جاتا ہے۔ اور مناظرہ کرنے والے اپنے درجوں کے اعتبار سے اس بارے میں مختلف ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ افراد جو دین کے لحاظ سے سب سے زیادہ باعظمت اور عقل میں سب سے بڑھ کر ہوں وہ بھی ان عادات وخصائل میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ ان کی غرض وغایت یہ ہوتی ہے کہ یہ عادتیں ان میں مخفی رہیں اور وہ اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ یہ خصلتیں عوام الناس پر ظاہر نہ ہونے پائیں اور وہ خود بھی اس کے علاج کی طرف توجہ مبذول نہیں کرتے اور اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ وہ غیر اللہ کے لیے علم طلب کرتے ہیں۔

ہماری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ علم، عالم کو تنہا اور بے سہارا نہیں چھوڑتا راہ خدا سے انحراف کے سبب ہوسکتا ہے کہ یہی علم انسان کو ہلاکت سے دوچار کردے، یا شقاوت وبدبختی کے سپرد کردے۔ جس طرح یہ علم صحیح اور درست اقدام کے نتیجے میں اسے سعادت وخوش بختی اور قربِ خداوندی سے ہمکنار کرسکتا ہے۔ پس اگر تم یہ کہو کہ مناظرے میں دو فائدے ہیں جن میں سے ایک لوگوں کو علم کی جانب راغب کرنا ہے اس لیے کہ اگر اقتدار کی محبت نہ ہوتی تو علوم وفنون دنیا سے مٹ جاتے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ماٰخذ (sorces) علم تک رسائی کے لیے ذہن اور نفس کو قوی بنانا ہے۔

تو ہم جواب دیں گے کہ تم نے سچ کہا ہے اور ہم نے باب مناظرے کے ذیل میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کا مقصد باب مناظرہ کو مسدود کرنا نہیں ہے بلکہ ہم نے اس کے لیے شرائط اور آفات بیان کی ہیں تاکہ مناظر ان شرائط کا پاس کرے اور آفات سے احتراز واجتناب کرے۔ اس کے بعد علم کی جانب راغب ہو اور دل کو چابک دست بنا کر مناظرے کے فوائد حاصل کرسکتا ہے۔ پس اگر تمھاری غرض یہ ہو کہ مناسب

۱۔ احیاء علوم الدین، ج/۱، ص/۴۱

ہے اُسے ان آفات کی رخصت واجازت دے دی جائے اور یہ تمام باتیں برداشت کر لی جائیں محض اس لیے کہ وہ علم کی جانب راغب ہے اور اس کا ذہن فطری انگیزہ ہے اور شیطان اس قسم کی باتوں کو ہوا دینے اور رغبت دلانے پر مامور ہے اور وہ تمھاری نیابت اور معاونت سے مستغنی ہے۔ پس جسے علم کی جانب شیطان کی تحریک کی وجہ سے رغبت ہو اس کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ'' (۱)

''اللہ تبارک وتعالیٰ اس دین کو مرد فاجر کے ذریعہ محفوظ کرے گا۔''

اور فرمایا: ''بِاَقْوَامٍ لَا خَلَاقَ لَهُمْ'' (۲) ''ایسی قوم کے ذریعہ کرے جن میں کسی قسم کا خیر نہ ہوگا۔''

جسے علم حاصل کرنے کا رجحان انبیاء کی تحریک اور ان کی ترغیب کی بنا پر ہو اللہ تعالیٰ کا ثواب حاصل کرنے کے لیے علم حاصل کرے تو اس کا شمار انبیاء کے وارثین میں ہوگا۔ وہ مرسلین کا جانشین اور اللہ کے بندوں پر اللہ کی جانب سے امین ہوگا۔

جہاں تک ذہن کی تیزی کا تعلق ہے تو تم نے سچ کہا۔ اسے چاہیے کہ ذہن کی تیزی کو کام میں لائے اور ہم نے جن آفتوں کا تذکرہ کیا ہے ان سے اجتناب کرے۔ اس پر لازم ہے کہ مناظرے کو ترک کردے اور طلب علم کی کوشش کرے طول تفکر کو اپنائے اور عادات کی کدورتوں سے اپنے دل کو صاف وشفاف بنائے کیونکہ یہ ذہن کی تیزی کے لیے زیادہ احسن عمل ہے اور دینداروں کے ذہن اس طرح تیز اور زیرک ہوتے ہیں کہ انھیں ان مناظروں کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر کوئی چیز فائدے مند ہو اور اس میں بے شمار آفتیں بھی ہوں تو اِس تھوڑی سی منفعت کے لیے بہت زیادہ آفتوں میں گرفتار نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس بارے میں اس کے لیے وہی حکم ہوگا جو شراب اور جوئے کا حکم ہے ارشاد باری ہے: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا﴾ (بقرہ/۲۱۹)

''اے نبی یہ آپ سے شراب اور پانسوں (جوئے کی ایک قسم) کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں آپ فرما دیجئے کہ ان میں بہت بڑا گناہ اور لوگوں کے لیے فوائد موجود ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔'' (۲)

۱۔ احیاء علوم الدین، ج/۱، ص/۴۱
۲۔ الکافی، ج/۵، کتاب الجہاد، ص/۱۹

خاتمہ

اور اس میں تین مطالب ہیں:

پہلا مطلب: علوم کے اقسام

دوسرا مطلب: طلب علم کے احکام

تیسرا مطلب: علوم کی ترتیب

پہلا مطلب:

علوم شرعیہ کے اقسام کے بارے میں

اور اس میں دو فصلیں ہیں:

پہلی فصل: علوم اصلی

دوسری فصل: علوم فرعی

پہلی فصل

علوم اصلی

علوم اصلی چار ہیں:

۱۔علم کلام　　۲۔علم کتاب (قرآن)　　۳۔علم حدیث　　۴۔علم فقہ

علوم شرعیہ کوصرف چار علوم میں محدود کرنا علماء کی ایک جماعت کی اصطلاح میں ہے۔

بلکہ بعض علماء نے تو علوم شرعیہ کوصرف تین علوم: علم کتاب (قرآن)، علم حدیث اور علم فقہ سے مخصوص کیا ہے۔

جہاں تک علم کلام کا تعلق ہے تو اسے ''اصول دین'' کہا جاتا ہے۔ یہی علوم شرعیہ کی اساس اور بنیاد ہے۔ اس لئے کہ اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور جانشین رسول وغیرہ کی معرفت حاصل کی جاتی ہے اور اسی علم کے ذریعہ صحیح رائے کو فاسد اور حق کو باطل سے ممتاز کیا جاتا ہے۔ اس علم کو حاصل کرنے کی تشویق وترغیب اور اس کی فضیلت بیان کرنے کے لئے قرآن واحادیث میں بہت کچھ آیا ہے۔

ارشادرب العزت ہے: فَاعْلَمْ اَنَّهُ لا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ.

اے نبی! آپ جان لیجئے کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔(۱)

نیز فرمایا: أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلاَّ

بِالْحَقِّ (۲) کیا انہوں نے خود کبھی اس بارے میں غور فکر نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے انھیں حق کے ساتھ خلق فرمایا۔

اور ارشاد فرمایا: أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ (۳) کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی میں اور جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں ان پر نظر نہیں ڈالی؟!

ان تمام آیات کا مقصد یہ ہے کہ خالق واحد، قادر، علیم وحکیم کے اثبات کے لئے غور وفکر کرنا اور محکم و استوار خلقت اور پائیدار آثار کے ذریعہ استدلال کرنا واجب ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَا قُلْتُ وَ لا قَالَ الْقَائِلُونَ قَبْلِي مِثْلَ لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (۴)

نہ ہی میں نے اور نہ مجھ سے پہلے آنے والوں نے لا الہ الا اللہ جیسا کلمہ زبان سے ادا کیا۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک اعرابی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے علم کی عجیب وغریب باتوں کی تعلیم دیجئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: مَا صَنَعْتَ فِي رَاسِ الْعِلْمِ حَتّٰى تَسْأَلَ عَنْ غَرَائِبِهِ.

یہ بتاؤ تم نے اصل علم کے بارے میں کیا تگ ودو کی جواب تم اس کے عجائبات کے بارے میں سوال کر رہے ہو؟ اس نے دریافت کیا: یارسول اللہ! اصل علم کون سا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: مَعْرِفَةُ اللّٰهِ حَقَّ مَعْرِفَتِهِ.

اللہ کی معرفت حاصل کرنا جو معرفت حاصل کرنے کا حق ہے۔ اعرابی نے دریافت کیا: اللہ کی حقیقی معرفت کیا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا:

تَعْرِفُهُ بِلا مِثْلٍ وَ لا شَبَهٍ وَ لا نِدٍّ وَ اَنَّهُ وَاحِدٌ اَحَدٌ ظَاهِرٌ بَاطِنٌ اَوَّلٌ آخِرٌ لا كُفْوَ لَهُ وَ لا نَظِيرَ فَذٰلِكَ حَقُّ مَعْرِفَتِهِ.

تم اللہ کو اس طرح پہچانو کہ نہ کوئی اس کا ہمتا ہے نہ مانند اور نہ نظیر ہے۔ وہ یکتا، تنہا، ظاہر، پوشیدہ اور اول وآخر ہے۔ نہ اس کی کوئی مثال ہے اور نہ اس کی کوئی نظیر ہے یہی اس کی معرفت کا حق ہے۔ (۱)

۱۔ سورۂ محمد/۱۹۔ ۲۔ سورۂ روم/۸۔ ۳۔ سورۂ اعراف/۱۸۵۔
۴۔ توحید شیخ صدوق/۱۸۔ ۱۔ توحید شیخ صدوق/۲۸۴۔

اس بارے میں اہل بیت علیہم السلام سے بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں جو مزید واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ ثقۃ الاسلام کلینیؒ کی ''اصول کافی'' کی کتاب التوحید اور شیخ صدوقؒ کی کتاب ''التوحید'' کا مطالعہ کرے۔(۲)

جہاں تک علم کتاب (قرآن) کا تعلق ہے تو اصطلاحی اعتبار سے اس کا تین مستقل فنون پر اطلاق ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ کتابیں لکھی جاتی ہیں۔

۱۔**علم تجوید:** اور اس کا فائدہ قرآن کے حروف و کلمات کی موقعیت کی شناخت و معرفت ہے ان کے مفرد اور مرکب ہونے کی صورت میں۔

۲۔**علم قرائت:** اس کا فائدہ اعراب کی قسمیں، کلمات کی بنا اور قرآنی ترکیب کی شناخت ہے، جس طرح قرآن نازل ہوا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تواتر کے ساتھ نقل کیا گیا ہے اور اس میں گذشتہ فن تجوید اور کبھی کبھی ان دونوں علم (تجوید و قرائت) کو ایک ہی علم قرار دیا گیا ہے۔

۳۔**علم تفسیر:** اس کا فائدہ قرآن کریم کے معانی کی شناخت اور اس سے احکام اور حکمتوں کو اخذ کرنا ہے تاکہ انھیں احکام و مواعظ اور امر و نہی وغیرہ استعمال کیا جاسکے۔ اسی کے ذیل میں ناسخ و منسوخ محکم و متشابہ وغیرہ کی معرفت حاصل کرنا بھی آتا ہے اس علم کی فضیلت، مطلوبیت اور اس کے حصوں کے آداب کے لئے بہت سی احادیث اور روایات وارد ہوئی ہیں۔

ابو عبدالرحمن سلمی سے مروی ہے کہ صحابہ میں سے جو ہمیں قرائت سکھاتے تھے انہوں نے ہم سے بیان کیا کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دس آیتیں سیکھتے تھے اور جب تک ان آیات کے علمی و عملی پہلوؤں سے واقفیت حاصل نہ کر لیتے مزید دس آیات نہیں سیکھتے تھے۔(۳)

جہاں تک علم حدیث کا تعلق ہے تو وہ قرآن کریم کے بعد قدر و منزلت کے اعتبار سے رفیع المنزلت، رتبے کے لحاظ سے اعلیٰ اور ثواب کی نظر سے اعظم ہے۔ حدیث سے مراد وہ سب کچھ ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ائمہ معصومین علیہم السلام کے طرف منسوب کیا جائے قول، فعل، تائید یا وصف کے اعتبار سے یہاں تک کہ حرکت و سکون و بیداری اور نیند تک کی کیفیت اور علم حدیث کی دو قسمیں ہیں:

۱۔**روایت:** جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا علم حاصل کرنا

۲۔ الکافی، ج ۱، ص ۱۶۷۔۱۶۸۔ ۳۔ مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۱۶۵۔

۲۔درایت: اس سے مراد وہ علم حدیث ہے جس کا اطلاق ہو رہا ہو اور یہ افضل ہے۔ یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ سے جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی معرفت حاصل ہوتی اور اس کے متن اس کے طرق اس کے صحیح اور سقیم ہونے کی معرفت حاصل کی جاتی ہے اور روایت کی شرطوں اور احادیث کی قسموں میں سے جن امور کی ضرورت ہوتی ہے ان کا علم حاصل کیا جاتا ہے تاکہ یہ پتہ چل جائے کہ کون سی حدیث مقبول ہے اور کون سی مردود ہے تاکہ مقبول پر عمل کیا جائے اور مردود سے اجتناب کیا جائے۔

امام صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

خَبَرٌ تَدْرِيهِ خَيْرٌ مِنْ اَلْفٍ تَرْوِيهِ. (۱)

ایک حدیث تم جس کی درایت حاصل کرلو (یعنی اسے سمجھ لو) یہ ہزار احادیث کی روایت کرنے سے بہتر ہے۔

نیز فرمایا: عَلَيْكُمْ بِالدِّرَايَاتِ لا الرِّوَايَاتِ (۲)

تم پر لازم ہے کہ درایت کرو، اسے سمجھو نہ یہ کہ صرف اسے روایت کرتے پھرو۔

اور فرمایا: رُوَاةُ الْكِتَابِ كَثِيرٌ وَ رُعَاتُهُ قَلِيلٌ فَكَمْ مُسْتَنْسِخٍ لِلْحَدِيثِ مُسْتَغِشٌّ لِلْكِتَابِ وَ الْعُلَمَاءُ تُجْزِيهُمُ الدِّرَايَةُ وَ الْجُهَّالُ تُجْزِيهُمُ الرِّوَايَةُ (۳)

"کتاب کی روایت کرنے والے تو بہت ہیں لیکن اس کی رعایت (لحاظ، خیال) کرنے والے کم ہیں۔ اکثر حدیث کے لکھنے والے کتاب میں الٹ پھیر کرتے ہیں (یعنی سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے) علماء کے لئے درایت کافی ہوتی ہے اور جہلاء روایت پر تکیہ کرتے ہیں۔"

علم حدیث کی فضیلت میں وارد ہونے والی روایات میں سے مندرجہ ذیل احادیث نبوی کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے:

وَ مَنْ اَدّٰى اِلٰى اُمَّتِي حَدِيْثًا يُقَامُ بِهِ سُنَّةٌ اَوْ يُثْلَمُ بِهِ بِدْعَةٌ فَلَهُ الْجَنَّةُ (۴)

جو بھی میری امت تک ایسی حدیث پہنچائے جس کے ذریعہ سنت کو قائم کیا جائے یا اس کے وسیلے سے بدعت کی دیواروں کو منہدم کر دیا جائے تو اس پر جنت واجب ہے۔

۱۔بحار الانوار، ج ۲، ص ۲۰۶۔
۲۔بحار الانوار، ج ۲، ص ۲۰۹۔
۳۔بحار الانوار، ج ۲، ص ۲۰۶۔
۴۔الجامع الصغیر، ج ۲، ص ۱۶۱۔

رَحِمَ اللّٰهُ خُلَفَائِی قِیلَ وَ مَنْ خُلَفَاؤُکَ؟ قَالَ: اَلَّذِینَ یَاتُونَ مِن بَعْدِی فَیَرْوُونَ اَحَادِیثِی وَ یُعَلِّمُونَهَا النَّاسَ.(۱)

اللہ میرے خلفاء پر رحم کرے۔ سوال کیا گیا آپ کے خلفاء کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: جو لوگ میرے بعد آئیں گے وہ میری حدیثوں کی روایت کریں گے اور لوگوں کو احادیث کی تعلیم دیں گے۔

مَنْ حَفِظَ عَلیٰ اُمَّتِی اَرْبَعِینَ حَدِیثاً مِنْ اَمْرِ دِینِهِ بَعَثَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَقِیهاً وَ کُنْتُ لَهُ شَافِعاً وَ شَهِیداً(۲)

میری امت میں سے جو شخص دینی امور سے متعلق چالیس حدیثیں یاد کرے گا اللہ تعالیٰ روز قیامت اسے فقیہ کی حیثیت سے مبعوث کرے گا اور میں اس کی شفاعت کروں گا اور اس پر گواہ رہوں گا۔

جہاں تک فقہ کا تعلق ہے تو لغت میں اس کا معنیٰ ہے سمجھنا یا دقیق اشیاء کے بارے میں جاننا اور اصطلاح میں علم فقہ یہ ہے کہ حکم شرعی فرعی کا جسے تفصیلی دلیلوں کے ذریعے حاصل کرنا چاہے اس کی تصریح کی گئی ہو یا استنباط کیا گیا ہو۔ اس علم کا فائدہ اللہ کے احکام واوامر کی بجا آوری اور اس کے نواہی (جن امور سے روکا گیا) سے اجتناب ہے اور اس کا فائدہ دنیا وآخرت میں ظاہر ہوگا۔

اس علم کی فضیلت اور آداب کے بارے میں حدیث میں آیا ہے: مَن یُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیراً یُفَقِّهْهُ فِی الدِّینِ.(۳)

اللہ تعالیٰ جس شخص کے بارے میں خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں تفقہ (سمجھ بوجھ) عطا کر دیتا ہے۔

فَقِیهٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ(۴)

ایک فقیہ، شیطان کے خلاف ہزار عبادت گزار سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

قول پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: خَصلَتَانِ لا تَجتَمِعَانِ فِی مُنَافِقٍ: حُسْنُ سَمْتٍ وَ فِقْهٌ فِی الدِّینِ(۵)

منافق میں دو خصلتیں یکجا نہیں ہو سکتیں: ایک اچھی ہیئت اور دوسرے دین کی سمجھ۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ اَلْفِقْهُ وَ اَفْضَلُ الدِّینِ اَلْوَرَعُ(۶)

۱۔ من لا یحضرہ الفقیہ، ج۴، ص۳۰۲۔
۲۔ الخصال، ج۲، ص۶۴۳۔
۳۔ سنن ترمذی، ج۵، ص۲۸۔
۴۔ سنن ترمذی، ص۴۸۔
۵۔ سنن ترمذی، ص۴۹۔
۶۔ کنز العمال، ج۱۰، ص۱۵۰۔

افضل عبادت، فقہ (فہم) ہے اور افضل دین، پارسائی ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

اَلْکَمَالُ کُلُّ الْکَمَالِ اَلتَّفَقُّهُ فِی الدِّیْنِ وَ الصَّبْرُ عَلَی النَّائِبَةِ وَ تَقْدِیرُ الْمَعِیْشَةِ(۱)

کمال اور مکمل کمال، دین میں تفقہ (سمجھ بوجھ حاصل کرنا) ہے اور مصیبت پر صبر کرنا اور اپنی معیشت کو استوار کرنا ہے۔

سلمان بن خالد نے امام صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے: مَا مِنْ اَحَدٍ یَمُوتُ مِنَ الْمُؤْمِنِینَ اَحَبُّ اِلٰی اِبْلِیس مِن مَوْتِ فَقِیهٍ. (۲)

کسی مومن کی موت ابلیس کے نزدیک فقیہ کے مرنے سے زیادہ محبوب نہیں ہوتی۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اِذَا مَاتَ الْمُؤْمِنُ الْفَقِیهُ ثُلِمَ فِی الْاِسْلَامِ ثُلْمَةٌ لا یَسُدُّهَا شَیْئٌ (۳)

جب کوئی مومن فقیہ موت سے ہم آغوش ہوتا ہے تو اس کی موت سے اسلام میں ایسا رخنہ پڑ جاتا ہے جسے کوئی شے پر نہیں کر سکتی۔

۱۔ الکافی، ج ۱/، ص/ ۳۲۔ ۲۔ الکافی، ج ۱/، ص/ ۳۸۔
۳۔ الکافی، ج ۱/، ص/ ۳۸۔

دوسری فصل

علوم فرعی

یہ وہ علوم ہیں جن پر اصلی علوم شرعیہ کی معرفت کا دارومدار ہے۔ لیکن اللہ تبارک تعالیٰ کی معرفت اور اس کے متعلق مباحث متحقق ہونے میں ان علوم میں سے کسی ایک پر بھی پر موقوف نہیں ہیں۔ بلکہ صرف غور وفکر کرنا ان کے حصول کے لئے کافی ہے اور معرفت خدا ایک امر عقلی ہے جو ہر مکلف پر واجب ہے اور یہ پہلا واجب ذاتی ہے (یعنی اپنے وجوب میں شرع اور عقل کا محتاج نہیں ہے) اگر چہ اس کے مباحث میں غور وخوض کرنا اور اس کے مطالب کے بارے میں تحقیق کرنا اور اس سے متعلق باطل پرستوں کے شبہات کو دور کرنا، بعض علوم عقلی جیسے منطق وغیرہ پر منحصر ہے۔ جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے تو وہ واضح عربی زبان میں ہے۔ اس کی معرفت عربی علوم جیسے نحو، صرف، اشتقاق، معانی، بیان، بدیع، لغت عرب اور اصول فقہ پر موقوف ہے نیز اصول فقہ کا بھی محتاج ہے تا کہ اس کے ذریعے حکم عام، خاص، مطلق، مقید، محکم اور متشابہ اور اس کے دیگر اقسام کو پہچان سکے۔ لہٰذا ان علوم میں جن پر کتاب الٰہی کی معرفت موقوف ہے ان علوم کا جاننا واجب ہے۔ جس طرح فی نفسہ کتاب خدا کی معرفت واجب ہے۔ پس اگر اسے واجب عینی مانا جائے تو اس کا جاننا واجب عینی ہوگا اور اگر اسے واجب کفائی تسلیم کیا جائے تو اس کی معرفت واجب کفائی رہے گی۔ ان شاء اللہ ہم عنقریب اس کی تفصیل بیان کریں گے۔

لیکن حدیث، تو حدیث کے بارے میں وہی گفتگو ہے جو قرآن کے بارے میں اور حدیث کے لئے بھی ان تمام علوم کی معرفت ضروری ہے جو قرآن کے لئے ضروری ہے۔ البتہ حدیث میں روایوں کے

احوال کی معرفت کا اضافہ ہوگا، جرح وتعدیل کی حیثیت سے تا کہ یہ معلوم کیا جائے کہ ان احادیث میں سے کسے قبول کیا جائے اور کس حدیث کو مسترد کردیا جائے اور یہ "علم رجال" کہلاتا ہے۔

جہاں تک فقہ کا تعلق ہے تو اس کی معرفت ان تمام اصلی اور فرعی علوم پر موقوف ہے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے اس لئے کہ شریعت کی معرفت متوقف ہے شارع، اس کی عدالت اور اس کی حکمت پر اور اس کے مبلغ اور محافظ کی معرفت پر۔ کتاب اللہ میں تقریباً پانچ سو آیتیں ہیں جو احکام شریعت پر مشتمل ہیں لہٰذا جو استدلال کے ذریعے "تفقہ" کا طالب ہے اس پر ان آیات کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے۔ لیکن حدیث میں ان احادیث کی معرفت ضروری ہے جو احکام شرعی پر مشتمل ہیں تا کہ ان احادیث اور آیات قرآنی سے احکام کا استنباط کر سکے۔ اب اگر ان دونوں سے استنباط ممکن نہ ہو تو اسے دوسرے باقی ماندہ دلائل کی جانب رجوع کرنا ہوگا جیسے عقل اور اجماع کی رہنمائی، جن سے اصول فقہ میں مقرر کردہ اصولوں کے مطابق استفادہ کیا جائے۔

منطق ایک مفید اور سودمند آلہ ہے جس سے بطور مطلق دلائل کو جانچا اور پرکھا جاتا ہے اور منطق کے میزان پر ان مقدمات کو جو انسان کو صحیح مطلوب تک پہنچا دیں ان مقدمات کے مقابل میں جو مطلوب تک نہ پہنچائیں، تولا جا سکتا ہے۔

دوسرا مطلب

طلب علم کے احکام

علم حاصل کرنے کے احکام کے بارے میں اور یہ تین طرح کے ہیں:

۱۔ واجب عینی

۲۔ واجب کفائی

۳۔ مستحب

واجب عینی وہ ہے جس کو پورا کئے بغیر واجب ادا نہیں ہوتا ہے اور حدیث "طَلَبُ العِلمِ فَرِيضَةٌ عَلىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ(۱) کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے کو اسی پر حمل کیا گیا اور واجب عینی کا تعلق اعتقاد، فعل اور ترک سے ہے۔

اعتقاد

کلمۂ شہادتین (اَشهَدُ اَن لا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَ اَشهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ) کو ماننا اور جو کچھ اللہ کے لئے واجب وضروری اور اس کے لئے محال ہے اسے تسلیم کرنا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مربوط مسائل کے بارے میں دنیا اور آخرت میں جو کچھ لے کر آئے تھے اور جو چیزیں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں ان کی تصدیق کرنا اور ائمہ علیہم السلام کی امامت کا یقین رکھنا اور ان میں سے ہر ایک کو ایسی دلیل کے ساتھ تسلیم کرنا جس

۱۔ الکافی، ج ۱، ص ۳۰.

جس سے مطمئن ہو جائے اور یقین کامل حاصل ہو جائے اور متکلمین کے دلائل اور کلام کے دقائق کو معلوم کرنے کے لئے گہرائی میں جانا واجب کفائی ہے تاکہ دین کی حفاظت کی جائے ہو اور باطل پرستوں کے شبہات کو دور کیا جائے۔

فعل

مکلف (بالغ) ہوتے ہی واجبات نماز کے بارے میں جاننا، اوقات نماز اور قبلہ سے واقفیت حاصل کرنا اور اسی طرح زکات، روزے، حج، جہاد اور امر بالمعروف کے بارے میں معلومات حاصل کرنا نیز دیگر ابواب فقہ جیسے عقود (عہد و پیمان، معاملات) اور ان کے احکام کو سیکھنا ہر مکلّف پر واجب عینی ہے اگر اسباب میں سے کوئی ایک سبب بھی موجود فقہی کتب میں بیان کئے گئے ہیں ورنہ وہ واجب کفائی رہے گا۔

اور اسی سے متعلق ہے ماکولات (کھائی جانے والی) مشروبات (جسے پیا جائے) ملبوسات (جسے پہنا جائے) میں سے جو چیزیں حلال ہیں اور جو حرام ہیں جن کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور اسی طرح عورتوں کے ساتھ زندگی گزارنے کے احکام۔

ترک

ان باتوں کو سیکھنا جن کے ذریعے ہلاکت میں ڈالنے والی عادات مثلاً ریاکاری، حسد، خود پسندی، تکبر وغیرہ سے دل کی طہارت حاصل ہو۔ اس موضوع سے متعلق مسائل پر جداگانہ علم میں بحث کی گئی ہے اور وہ قدر و منزلت کے اعتبار سے نہایت جلیل القدر علم ہے لیکن زمانے سے اس طرح مٹ گیا ہے کہ اب اس کا نشان تک دکھائی نہیں دیتا ہے۔

اگر تنگی وقت کی وجہ سے بالغ ہونے سے پہلے مصروفیت کی بنا پر ان واجبات میں سے کچھ علم کا حاصل کرنے سے باز رہا ہے تو از باب حسبہ ولی پر واجب ہے بچہ کو بلوغ سے پہلے واجبات کی تعلیم دے بلکہ اسے چاہئے کہ اپنے تمام گھر والوں کو ان تمام چیزوں کی تعلیم دے جن کے ذریعہ انھیں آتش جہنم سے دور رکھ سکے۔ ارشاد رب العزت:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا. (۱)

۱۔ سورۂ تحریم/۶.

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔
حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: عَلِّمُوهُمْ مَا يَنْجُونَ بِهِ مِنَ النَّارِ (۱)
تم انہیں وہ کچھ سکھاؤ جس کی وجہ سے وہ آتش جہنم سے نجات پا جائیں۔

واجب کفائی

ذکر شدہ علوم شرعی میں سے ان علوم کا حاصل کرنا ضروری ہے جن کے ذریعہ دین کو قائم رکھا جائے یا معاشی امور میں ان کا سیکھنا ضروری ہو جیسے طب، حساب اور ضروری صنعتوں کا سیکھنا مثلاً سلائی کڑھائی، کاشتکاری یہاں تک کہ فصد لگانا وغیرہ۔

بعض علماء نے کہا ہے واجب کفائی، واجب عینی سے افضل ہے اس لئے کہ اگر بعض لوگ اسے بجا لائیں تو اس کے ترک کرنے پر تمام مکلفین پر جو گناہ لازم آتا ہے وہ اس سے بچ جاتے ہیں۔ واجب عینی کے برعکس کہ جو بھی اسے بجالاتا ہے وہ صرف اپنے آپ کو گناہ سے بچاتا ہے۔

مستحب

مستحب (علوم) جیسے نفل عبادتوں، دینی آداب، مکارم اخلاق وغیرہ کو سیکھنا جو بہت زیادہ ہیں اور اسی میں سے "علم ہیئت" کا سیکھنا بھی ہے تا کہ عظمت خداوند عالم سے واقف ہو سکے۔ نیز وہ علوم بھی جو علم ہیئت سے متعلق ہیں جیسے علم ہندسہ اور دیگر علوم کو بھی مستحب جانتے ہوئے انہیں سیکھنے کی کوشش کرے۔

کچھ علوم مطلقاً حرام ہیں جیسے جادو، شعبدہ بازی، فلسفہ کا کچھ حصہ اور ہر وہ علم جو دین میں شک وشبہہ پیدا کرے۔ ان علوم میں سے بعض ایک اعتبار سے حرام ہیں اور ایک لحاظ سے حلال ہیں جیسے نجوم اور رمل کہ ان کی تاثیر اور یقیناً واقع ہونے پر عقیدہ رکھتے ہوئے انھیں سیکھنا حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص اسے سیکھتا ہے لیکن اس بات کا اعتقاد رکھنا ہے کہ ہر امر اور اس کے اثرات خداوند عالم سے مربوط ہیں اور عادۃً اور فطرۃً جو امور ظاہر ہوتے ہیں نجوم اور رمل اسی بنا پر حکم لگاتے ہیں اگر ان سے صرف تفاؤل حاصل کیا جائے تو ان شرطوں کے ساتھ ان کا حاصل کرنا مباح ہے۔

۲۔ تفسیر الدر المنثور، ج ٦، ص ۲۴۴۔

وہ علوم جن کا حاصل کرنا مکروہ ہے:

جدید دور کے شعراء کے اشعار سے آگاہی حاصل کرنا جن میں غزلیات اور عشق و محبت کی شاعری شامل ہے جس سے وقت ضائع ہوتا ہے، عمر برباد ہوتی ہے اوران اشعار سے کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

وہ علوم جن کا حاصل کرنا مباح ہے

تاریخ کی معرفت، جنگ کے واقعات اور یاوہ گوئی، غزل سرائی سے عاری اشعار جن میں نہ وقت کی بربادی ہو، نہ عمر کی تباہی اور ان میں واجب امور کا ذکر نہ کیا گیا ہو جیسے عرب عاربہ (زمانۂ جاہلیت کے عرب) کے اشعار جن کو قرآن کریم اور احادیث نبوی میں بطور حجت و دلیل پیش کیا جا سکتا ہے۔ان قصائد و اشعار کا الحاق لغت سے ہے۔

اور دیگر علوم و معارف جیسے طبیعات، ریاضیات، صنعتیں اور دیگر علوم وفنون فی نفسہ ان کا سیکھنا مباح کے ذیل میں آتا ہے اور ایسا بھی ممکن ہے کہ نفس کی تکمیل کے لئے انہیں مستحب قرار دیا جائے۔اس لئے کہ یہ علوم، علوم شرعی میں سے دیگر علوم کے لئے معاون اور مددگار ثابت ہوتے ہیں اور انسان کی قوت فکر کو بڑھاتے ہیں اور غور وفکر کی طرف مائل کرتے ہیں۔

اور کبھی ان علوم کا سیکھنا حرام ہو جاتا ہے اگر ان علوم کے سیکھنے کی وجہ سے واجب عینی اور واجب کفائی علوم کے سیکھنے میں کوتاہی عمل میں آئے جیسا کہ ہمارے زمانے میں بعض محروم اور دین سے بے خبر افراد کے ساتھ اکثر یہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ مباح اور مستحب علوم میں مشغول ہو کر واجب علوم سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اسی ذیل میں آتے ہیں۔مقدماتی علوم جو علوم شرعی کے آلہ اور مقدمہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان کو سیکھنے کے لئے حد سے زیادہ اہتمام کرنا وہ بھی وہاں پر جہاں پر علوم شرعی کا وجوب اپنی جگہ باقی ہو۔اگر کوئی شخص ان علوم کی جانب مقررہ حد سے زیادہ توجہ مبذول کرے اور انہیں سیکھنے میں مشغول ہو جائے جو علوم شرعیہ تک رسائی کے لئے آلات، ذرائع اور وسائط ہیں اور علوم شرعیہ کا وجوب جوں کا توں باقی رہ جائے تو ان حالات میں ان علوم کا سیکھنا جو آلات و ذرائع ہیں حرام قرار پائے گا۔

تیسرا مطلب

علوم کی ترتیب

یہ جان لو کہ ان علوم میں سے ہر علم کو حاصل کرنے کا ایک مرتبہ اور درجہ ہے اور طالب علم پر ان کا خیال رکھنا لازمی اور ضروری ہے تا کہ اس کی کوشش ضائع نہ ہو جائے اور طلب علم میں دشواری سے روبرو نہ ہو اور اس لئے بھی کہ وہ منزل مقصود تک جلد رسائی حاصل کر لے۔ ہم نے ایسے طلبہ بھی دیکھے ہیں کہ انہوں نے حصول علم کے لئے کافی وقت صرف کیا لیکن بہت کم علم حاصل کیا اور کچھ طلبہ ایسے بھی ہیں جنہوں نے کم عرصے میں زیادہ علم حاصل کر لیا اور اس کا سبب ترتیب اور عدم ترتیب کو ملحوظ رکھنا تھا۔

یہ بھی جان لیا جائے کہ علوم شرعیہ سے غرض ذاتی اور اصلی مقصد صرف علوم شرعی کا علم حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ اس کی غرض و غایت اللہ تعالیٰ کی مرضی کا حصول ہے اور اس کی مرضی کی مطابقت ہے خواہ وہ آلیت (ذرائع، وسائط) یا علم یا عمل سے ہو یا نظام وجود کو قائم کرنے سے، یا بندوں سے مطلوب چیزوں کی طرف ان کی رہنمائی سے ہو یا ان کے علاوہ دیگر مطالب کے ذریعہ ہو اور اسی لئے طلب علم کی ترتیب مختلف ہوگی۔

جو شخص ابتدائے امر اور عنفوان شباب سے ہی حصول علم کی طرف مائل ہے وہ علمی مدارج و مراتب پر ترقی کرنے کے قابل اور مختلف علوم حاصل کرنے کا اہل ہے اور اس میں اس بات کی صلاحیت پائی جاتی ہے کہ وہ فقاہت اور دینی بصیرت، دلائل و براہین کے ذریعے حاصل کر سکتا ہے۔ آغاز امر میں اس پر لازم ہے کہ وہ:

۱۔ حفظ قرآن کریم اور تجوید سیکھنے پر توجہ مبذول کرے جو معتبر بنیادوں پر استوار ہو تا کہ حفظ قرآن کریم

اور صحیح تجوید اس کے لئے ایک موزوں کلید بن جائے اور کامیابی سے ہمکنار کرنے والا مددگار بن جائے جس کے ذریعے قلب منور ہو جائے اور طالب علم اس کے ذریعے دوسرے علوم حاصل کرنے کے قابل بن جائے اور تیار ہو جائے۔ جب وہ حفظ قرآن کریم اور تجوید سے فارغ ہو جائے تو عربی علوم کے حصول پر توجہ دے اس لئے کہ عربی علوم، علم شریعت کو سمجھنے کا پہلا آلہ اور عظیم سبب ہے۔ لہٰذا اسے چاہئے کہ سب سے پہلے:

۲۔ **علم صرف** پڑھے اور بتدریج آسان کتابوں سے مشکل کتابوں کی طرف اور چھوٹی کتابوں سے بڑی کتابوں کی جانب اقدام کرے تاکہ اس میں مہارت حاصل کر لے اور علمی اعتبار سے اس علم کا احاطہ کر لے۔ اس کے بعد

۳۔ **علم نحو** پڑھنا شروع کرے اور اس میں بھی وہی طریقہ اختیار کرے جسے علم صرف میں اختیار کیا تھا بالخصوص اس میں زیادہ محنت کرے اور نحوی قواعد کو یاد کر لے کیونکہ معانی کو سمجھنے میں اس کا بہت زیادہ اثر ہے اور قرآن وحدیث میں مہارت حاصل کرنے میں اس کا کافی دخل ہے اس لئے کہ دونوں عربی زبان میں ہیں اس کے بعد وہ دیگر عربی علوم کی جانب منتقل ہو جائے اور جب ان سے فارغ ہو جائے تو

۴۔ **علم منطق** سیکھنے میں مشغول ہو جائے اور اس کے مطالب کو درمیانی حد تک مطالعہ کرے اور جس طرح دوسرے علوم کو حاصل کرنے میں تگ ودو کی تھی اس میں اتنی زیادہ محنت ومشقت کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ اس کے بغیر بھی مقصد حاصل ہو سکتا ہے اور زیادہ سیکھنے میں وقت کی بربادی ہے۔ اس کے بعد وہ منتقل ہو

۵۔ **علم کلام** سیکھنے کی طرف اور اس میں بھی بتدریج آہستہ آہستہ سمجھ کر آگے بڑھے اور اس علم کی کیفیت اور مزاج سے آگاہی حاصل کر لے تاکہ اس میں بحث وتحقیق کا ملکہ پیدا ہو جائے اور عوالم کی خصوصیات اور خوبیوں سے مطلع ہو سکے۔ پھر اس کے بعد وہ منتقل ہو

۶۔ **اصول فقہ** کی جانب۔ اسی ترتیب کے ساتھ بتدریج اس کی کتابیں اور مباحث پڑھے اور وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے دین میں تفقہ کا طالب ہے اسے چاہئے کہ علم نحو کے بعد اس علم کی طرف زیادہ توجہ دے کیونکہ یہ علم تحریر کے اعتبار سے اولیٰ اور تحقیق کے لحاظ سے زیادہ حقدار ہے۔ اصول فقہ پڑھتے وقت کم پر راضی نہ ہو۔ بلکہ یہ علم جس قدر اس پر واضح اور آشکار ہو گا اسی قدر فقہی مباحث اور شرعی دلائل اس پر ثابت اور واضح ہوتے چلے جائیں گے۔ اس کے بعد وہ منتقل ہو

۷۔ **علم درایۃ الحدیث کی طرف۔** اس علم کا مطالعہ کرے۔ اس کے قواعد وضوابط کا علم حاصل کرے۔ اس کی اصطلاحات سے واقفیت حاصل کرے۔ یہ کوئی مشکل علم نہیں ہے بلکہ اس کی اصطلاحات مدون ہیں اور اسکے فوائد یکجا ہیں۔ اس علم سے واقف ہونے کے بعد وہ منتقل ہو

۸۔ **قرائت حدیث کی جانب،** روایت، تفسیر، بحث اور تصحیح کے ساتھ جو بھی موقع ومحل کے اعتبار سے ضروری ہو اور وقت اس بات کی اجازت دے۔ کم از کم حدیث کی کوئی ایسی ایک کتاب پڑھے جو فقہی ابواب اور احادیث پر مشتمل ہو۔ پھر وہ منتقل ہو

۹۔ **آیات قرآنی کی طرف،** جو احکام شرعی سے متعلق ہیں اور علماء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے تلاش کر کے اس موضوع پر جداگانہ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ لہٰذا اس بارے میں کسی ایک کتاب کا مطالعہ کرے اور اس کے راز ورموز کے بارے میں تلاش وجستجو کرے اور اس کی گہرائی کو منکشف کرنے کے لئے بغور ان کا مطالعہ کرے۔ قرآن مجید کے لئے کسی حد کا تعین نہیں کیا جاسکتا ہے جہاں پر فہم جا کر رک جائے اس لئے یہ دوسرے کلام کی طرح کسی انسان کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ کلام ہے اس مالک کائنات کا جو سب سے بڑا عالم ہے اور لوگ اس کلام کو اتنا ہی سمجھیں گے جتنی ان کی عقلوں کی رسائی ہوگی اور ان کے افہام جس کو درک کر سکیں گے۔ جب اس سے فراغت حاصل کرلے تو اس کے بعد وہ منتقل ہو

۱۰۔ **فقہی کتابوں کی پڑھنے کی طرف۔** سب سے پہلے ان کتابوں میں سے وہ کتاب پڑھے جس کے ذریعے فقہی مطالب اور بنیادی مسائل سے آگاہ ہو جائے اور فقہاء کی اصطلاحات اور ان کے قواعد جان لے۔ دوسرے علوم کے برعکس اسے صرف اساتذہ کی زبانی ہی سیکھا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد دوسری ایسی کتاب شروع کرے جو بحث واستدلال پر مشتمل ہو اور اصول سے فروع کے استنباط کو واضح کرتی ہو اور فروع کو اس سے مناسب علم کی طرف پلٹاتی ہو اور حکم وقانون خداوندی کا قرآن اور حدیث سے استفادہ کرے خواہ نص کے ذریعے یا استنبارا کے وسیلے سے ایسا استنباط جو عموم لفظ یا اس کے اطلاق کا نتیجہ ہو اور اس کے ساتھ ساتھ احکام کو حدیث حسن اور صحیح اور اس طرح کی دیگر احادیث سے استخراج کرے تاکہ اسے بتدریج ان مطالب کی مشق اور تمرین ہو جائے علم فقہ سے بڑھ کر کوئی ایسا علم نہیں جس کا ارتباط تمام علوم سے ہو اور دیگر علوم کے مقابلے میں معاشرہ کو اس کی ضرورت ہو۔ لہٰذا اس علم کے حصول کے لئے تمامتر کوششیں اور کاوشیں صرف کردے، بلکہ جدوجہد میں اضافہ کرے اس لئے کہ یہی بلند ترین مقصد اور اعلیٰ ترین ہدف

ہے۔ یہ انبیاء کی میراث ہے اور یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہوگا جب خدائے متعال کی جانب سے موہبت اور قوت قدسیہ شامل حال ہو جو اسے اس انتہا تک پہنچا دے اور اسے یہ رتبہ دلا دے اور اللہ تعالیٰ کے دین کو سمجھنے کا یہ بہترین اور عمدہ ذریعہ ہے اور بندے کے لئے اس میں کوئی حیلہ بہانا نہیں ہے بلکہ یہ ایک عطیہ الٰہی اور تحفہ ربانی ہے اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کام کے لئے منتخب کر لیتا ہے مگر یہ کہ جد و جہد، مجاہدہ اور اللہ کی طرف توجہ اور سب سے کٹ کر اللہ سے لو لگانا فیض قدسی کے عطا کئے جانے میں واضح اثر رکھتا ہے: وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (۱)

اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستوں کی جانب رہنمائی کر دیتے ہیں اور یہ جان لو کہ اللہ یقیناً احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

جب علم فقہ سے مکمل طور پر فراغت پا لے تو

۱۱۔ پورے قرآن کریم کی تفسیر شروع کر دے۔ یہ تمام علوم اس کے لئے مقدمہ کی مانند ہیں اور جب اسے توفیق مل جائے تو مفسرین نے جو کچھ استخراج کیا ہے صرف اسی پر اکتفانہ کرے بلکہ قرآن کے معانی میں کثرت سے غور و فکر کرے اور اس کے رازہائے سربستہ سے آگاہ ہونے کے لئے اپنے نفس کو صاف ستھرا بنائے اور اللہ سے گڑگڑا کر دعا کرے کہ وہ اپنی جانب سے اسے اپنی کتاب کا فہم اور اپنے خطاب کے اسرار کا تحفہ عطا کرے تو اس وقت اس پر ایسے حقائق منکشف ہوں گے جن تک دیگر مفسرین کی رسائی نہیں ہوئی تھی اس لئے کہ قرآن مجید ایک موج زن سمندر کی مانند ہے جس کی گہرائیوں میں در شہوار ہیں اور جس کے ظاہر میں دل ربیاں ہیں اور لوگ اپنی قوت و طاقت بھر اور خدا نے جتنا ان پر ظاہر کرتا ہے اس کے موتی چننے اور حقائق دریافت کرنے میں مصروف ہیں۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ تفاسیر، مفسرین کے مراتب اور ان کی اصلی مہارت کی بنا پر مختلف ہیں۔ ان تفاسیر میں سے بعض تفسیریں ایسی ہیں جن میں عربیت (عربی ادبیات) کا غلبہ ہے جیسے زمخشری کی تفسیر الکشاف اور بعض ایسی ہیں جن میں حکمت اور کلامی برہان کا غلبہ ہے جیسے فخر رازی کی تفسیر مفاتیح الغیب اور بعض ایسی ہیں جن میں واقعات کو بیان کیا گیا ہے جیسے تفسیر ثعلبی ہے اور ان میں سے بعض حقائق کی تاویل پر غالب ہیں ظاہری (الفاظ) کی تفسیر پر نہیں جیسے عبد الرزاق کاشانی کی تفسیر تاویل الآیات اور دیگر تفاسیر اور جیسا کہ مشہور روایت ہے:

....

۱۔ سورۂ عنکبوت/۶۹.

''اِنَّ لِلْقُرآنِ تَفْسِیرًا وَ تَاوِیْلاً وَحَقَائِقَ وَ دَقَائِقَ وَ اِنَّ لَهُ ظَهْرًا وَ بَطْنًا وَ حَدًّا وَ مُطَّلَعًا ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَاءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔''

''یقیناً قرآن کے لئے تفسیر و تاویل، حقائق اور دقائق ہیں اور اس کا ظاہر و باطن اور حد اور مطلع ہے اور یہ فضل پروردگار ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے اور خداوند صاحب فضل عظیم ہے۔''

اور جب اس سے فراغت حاصل کر لے اور ترقی اور تکمیل نفس کا خواہاں ہو تو اسے چاہئے کہ

۱۲۔ **کتب حکمت طبیعی، ریاضیات اور حکمت عملی** کا مطالعہ کرے جو تہذیب اخلاق پر مشتمل ہوں۔ اس کے بعد منتقل ہو حقیقی علوم اور ضروری فنون کی جانب اس لئے کہ وہ ان علوم کا خلاصہ اور ہر معلوم کا نتیجہ ہیں اور ان کے ذریعے وہ مقربین کے درجے تک پہنچ سکتا ہے اور اسے خدا رسیدہ بندوں کی نشست گاہیں مل سکتی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں سب کو اس بارگاہ میں پہنچا دے۔ بے شک وہ کریم اور عطا کرنے والا ہے۔

یہ سب ترتیب اس کے لئے ہیں جو ان علوم کے حاصل کرنے کا اہل ہے اور وہ ان علوم کو حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ان کے فہم وادراک کی قابلیت رکھتا ہو۔ لیکن وہ لوگ جو اس مقام تک پہنچنے سے قاصر ہیں اور رکاوٹیں آڑے آجاتی ہیں اور انہیں اس مقصد تک پہنچنے سے روکتی ہیں تو ایسے طلاب کو چاہئے کہ وہ ان علوم میں سے جس قدر حاصل کر سکتے ہوں ہمارے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق بتدریج ان تک پہنچیں اور اگر ان کے لئے ان تمام علوم تک پہنچنا دشوار ہو تو کم از کم وہ علوم شرعی اور احکام دینی پر اکتفا کریں۔

پس اگر وقت تنگ ہو یا ان کی طبیعت اس سے اکتا گئی ہو تو تمام علوم میں سے سب بہتر، علم فقہ ہے چونکہ اسی پر نبوتوں کا دارومدار ہے اور اسی بنیاد پر امر معاد و معاش استوار ہے اور اس میں اضافہ کرتے ہوئے جس کی رعایت ضروری ہے جیسے تہذیب نفس اور اصلاح قلب جو نفسانی علم طب میں سے ہے اس لئے کہ اسی کے ذریعے وہ عدالت مترتب ہوتی ہے جس پر آسمان وزمین قائم ہیں اور تقویٰ و پرہیزگاری پر ہر امر کا دارومدار ہے۔

جتنے علوم انسانوں کے لئے معرض وجود میں آئے تھے جب ان سب سے فراغت حاصل کر لے تو ان پر عمل کرنے میں مشغول ہو جائے اس لئے کہ عمل تمام علوم کا خلاصہ ہے اور تخلیق کی سبب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ'' (سورۂ ذاریات/۵۶) ہم نے جنوں اور انسانوں کو

محض اپنی عبادت کے لئے خلق کیا ہے۔

یہ تمام علوم عمل کے لئے ایسے آلات کی مانند ہیں جو قریب ہیں یا دور ہیں جیسا کہ ہم نے واضح کر دیا ہے اور کس قدر جاہل، احمق اور خسارے میں ہے وہ شخص جو کسی صنعت کو اس لئے سیکھے کہ وہ اپنے کسی کام میں اس سے فائدہ اٹھائے اور پھر وہ اپنی پوری عمر اسی پر صرف کر دے اور اپنی تمام تر کوششیں اور کاوشیں اس کے آلات کی تحصیل میں لگا دے اور ایسی مصروفیت کو نہ اپنائے جس کے ذریعہ وہ اپنی منزل مقصود کو پالے۔ اس بارے میں غور و فکر کرو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کامیاب و کامران ہو جاؤ گے۔

تتمۂ کتاب

شہید ثانیؒ کی طلبہ کو نصیحت اور انھیں خواب غفلت سے جگانا

جان لو! اللہ تمہیں کامیاب کرے، میں نے تمہیں راستہ دکھادیا اور اس پر چلنا سکھادیا اور اس کے مکمل آداب سے تمہیں واقف کرادیا اور اس دروازے میں داخل ہونے کیلئے تمہیں آمادہ کردیا اب کوشش و کاوش کرنا تمہارا کام ہے۔ تمہیں چاہئے کہ عمر کوتاہ کو غنیمت جانو اور اسے فضائل نفسانی کو سمیٹنے میں اور علمی ملکات کو حاصل کرنے میں صرف کرو اس لئے کہ یہ ابدی سعادت کا سبب اور دائمی و سرمدی کمال و نعمت کا موجب ہے۔ یہ تمہارے انسانی نفس کے کمالات میں سے ہے اور یہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے کبھی معدوم نہیں ہوگا جیسا کہ علوم حکمت میں ثابت ہو چکا ہے اور آیات قرآنی اور احادیث نبوی بھی اس جانب رہنمائی کرتی ہیں۔ اس مختصر سی مہلت میں اگر تم نے کمال حاصل کرنے میں کوتاہی کی تو یہ ایک طولانی اور دائمی حسرت کا سبب بن جائے گا۔

اگر تم صاحب بصیرت ہو تو اپنے آپ سے دریافت کرو کہ اپنے ہم جنس افراد سے جو تمہارے شہر یا تمہارے محلے میں رہتے ہیں تم ان سے پیچھے رہنا کسی طرح پسند نہ کرو گے اور اگر ان کا علم تمہارے علم سے بڑھ گیا اور اس کی عظمت سے تمہاری عظمت زیادہ ہوگئی تو تمہیں اس بات کا نہایت ہی دکھ ہوگا۔ باوجودیکہ تم اور وہ ایک پست گھر اور کم مایہ اور بہت جلدی فنا ہو جانے والے عیش و آرام میں ہو اور تمہارے اس نقص اور کمی سے باہر کے بہت کم افراد واقف ہوں گے تو اگر ذرا سی بھی عقل رکھتے ہو تو سوچو کہ کل جب تم دار فنا سے دار بقا میں جاؤ گے اور وہاں پوری کائنات کے افراد جمع ہوں گے، انبیاء، مرسلین، شہداء، صالحین، علمائے راسخین اور ملائکہ مقربین اور تم وہاں پر ان کی منزلتوں کا مشاہدہ کرو گے جو انہوں نے ان کمالات کی

بنیاد پر حاصل کی ہوں گی جو انہوں نے دنیا میں رہتے ہوئے اور زائل ہونے والی مدت میں حاصل کئے تھے اور تم جوتوں کے پاس بالکل آخری صف میں کھڑے ہو قبل اس کے کہ ایسا مقابلہ درپیش ہو تم ابھی کمال حاصل کرنے پر قدرت رکھتے ہو اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو یہ سراسر تمہاری عقل کا قصور یا سستی و کاہلی ہے۔ ہم اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں غفلت کی نینداور لغزش کی خرابی سے۔

یہ سب اسی وقت ممکن ہوگا جب ہم یہ فرض کرلیں کہ آخرت کے دن جہاں عظیم خطرات اور جہنم کا عذاب ہوگا تم اپنے آپ کو امان میں رکھو، لیکن سوچو وہاں امان کیسے ملے گا جب کہ تمہیں معلوم ہے ان علوم میں سے اکثر علوم واجب ہیں اور اس کی دو ہی صورتیں ہیں یا وہ واجب عینی ہیں یا واجب کفائی اور اگر واجب کفائی کو کافی افراد بجا نہیں لائیں گے تو اس کے ترک کرنے پر سب کے سب گناہگار ہوں گے اور اس کا حکم بھی واجب عینی کی طرح ہوگا۔

اس زمانے میں بلکہ ہر دور میں ان علوم شرعی کو حاصل کر کے اس واجب کو قائم کرنے والے اور علوم شرعی کے پسندیدہ درجہ کو حاصل کرنے والے کہاں ہیں؟ بالخصوص (تفقہ فی الدین) دین میں سمجھ بوجھ اس لئے کہ اس کا کمترین مرتبہ واجب کفائی ہے اور جس سے یہ واجب ادا ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر علاقہ میں اس کے لئے ایک ایسا شخص اٹھ کھڑا ہو جس کے ذریعہ یہ انجام پا جائے اور یہ ممکن نہیں ہوگا جب تک کہ زمین کے مختلف حصوں پر فقہاء کی کثرت نہ پائی جائے اور یہ بات اس زمانے میں کہاں پائی جا رہی ہے؟

اس واجب کو ترک کر دینا اور اس علم اور اس کے مقدمات میں مشغول نہ ہونا بہت بڑی نافرمانی بن گیا ہے خواہ وہ بصورت عبادت ہی کیوں نہ ہو جیسے دعا یا قرآن کی تلاوت کرنا۔ قیامت کی ہولناک حالات سے وہ کہاں امان میں رہ سکتا ہے جو علوم شرعی کے حصول کو چھوڑ بیٹھے؟!

اگر ہم فرض کرلیں کہ وہ قیامت کی ہولناکی سے سلامت رہ جائے گا تو یہ سمجھ لو کہ تمام حیوانات سے تمہارا امتیاز یہ قوت عاقلہ ہے جس سے اللہ نے تمہیں امتیاز بخشا ہے جو درست اور نادرست کو تمیز دیتی ہے غلط اور صحیح میں امتیاز کرتی ہے جو دنیا اور آخرت میں فائدہ پہنچانے والے علوم کی تحصیل کا موجب ہے، لہٰذا اس قوت عاقلہ کے استعمال کو مقصد تخلیق سے روک دینا اور تمہارا صرف کھانے، پینے میں مصروف ہو جانا اور ان کے علاوہ ایسے امور بجالانا جن میں تمام حیوانات تمہارے ساتھ شریک ہیں، یہاں تک کی کیڑے مکوڑے بھی اس لئے کہ وہ بھی کھاتے، پیتے روزی جمع کرتے اور نر و مادہ جنسی تعلقات قائم کرتے ہیں اور

اولاد پیدا کرتے ہیں۔ بلکہ تم اپنے علم وعمل کی قوت کو استعمال کر کے ملائکہ مقربین کے زمرے میں شامل ہو سکتے ہو بلکہ عظمت میں ملائکہ سے بھی آگے بڑھ سکتے ہو اور اگر ایسا نہ کیا تو سوائے واضح خسارے اور نقصان کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

اے میرے برادران ایمانی اور میرے دوستو! بیدار ہو جاؤ -اللہ ہمیں اور تمھیں خواب غفلت سے بیدار رکھے -فرصت کے ان ایام کو غنیمت جانو اور اپنی کوتاہیوں کی تلافی کرو قبل اس کے کہ امکان زائل ہو جائے اور وقت گزر جائے اور حاصل کرنا صرف زمانہ ماضی بن کر رہ جائے۔ ہائے افسوس اس حسرت پر کہ کوتاہی کرنے والا جس کا تدارک نہیں کرسکتا اور ایسی ندامت و پشیمانی پر جس کا رنج والم دائمی ہو جائے!!! اللہ ہمیں اور تمہیں فطری خواب گاہوں سے جگا دے اور اس مہلت کے جتنے دن باقی رہ گئے ہیں انہیں علوم شریعت کے حصول میں لگا دے اور اپنے دار کرامت میں ہم سب کو بلند ترین منازل میں جگہ عطا کرے۔ بیشک وہی سب سے بڑھ کر کرم کرنے والا ہے اور تمام سخاوت مندوں سے بڑھ کر سخاوت کرنے والا ہے۔

اس مقام پر ہم اپنے رسالے کو اختتام تک پہنچاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے ہوئے اور خاتم المرسلین اور ان کے اہل بیت عصمت وعدالت پر درود وسلام بھیجتے ہوئے اور اپنے گناہوں سے استغفار کرتے ہوئے۔یقیناً وہی مغفرت کرنے والا اور مہربان ہے۔

اس کتاب کی تالیف سے اس کا مولف - عفوو رحمت پروردگار کا محتاج - زین الدین بن علی بن احمد الشانی العاملی جمعرات کی صبح ۲۰ ربیع الاول ۹۵۴ھ میں فارغ ہوا۔ اللہ اپنی رحمت سے اس کتاب کو شرف قبولیت عطا کرے اور اسے اپنے دست کرم ورحمت میں لے لے۔ بیشک وہ جواد وکریم ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

TANZEEMUL MAKATIB

GOLAGANJ, LUCKNOW 226018 UP (INDIA)

Tele fax: +91 522 2615115, 2628923, 2618194

Email: makatib.makatib@gmail.com

makatib@makatib.net

Visit us on: www.makatib.net